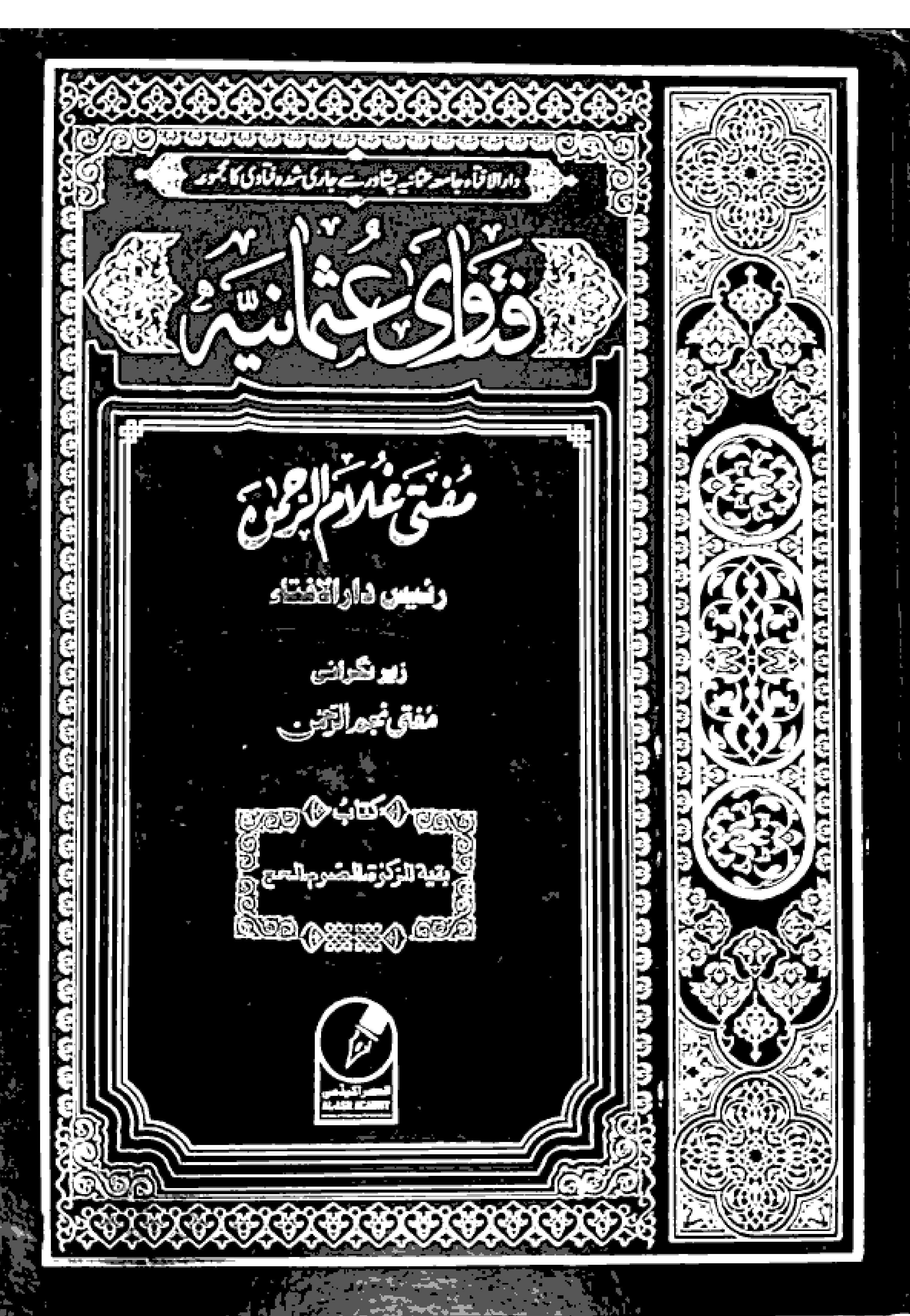
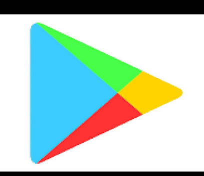

دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ
فتاویٰ عثمانیہ
مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء
زیر نگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
کتاب
بقیۃ الزکوٰۃ تا الصوم، الحج



Maktaba Tul Ishaat



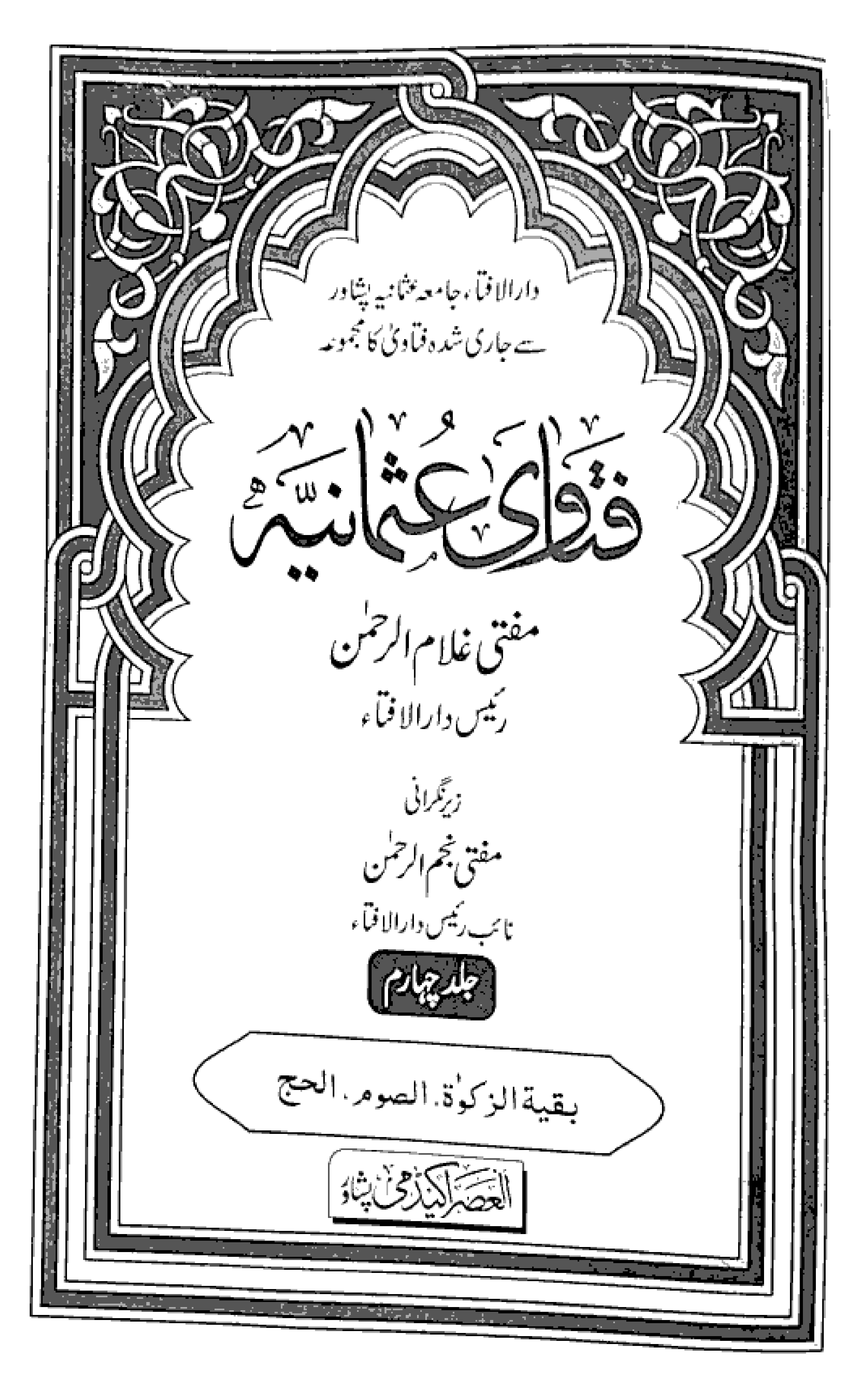
تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احادیث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ ودعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

Contact Us: maktaba.tul.ishaatofficial.com


العصر اکیڈمی پشاور
AL-ASR ACADEMY
JAMIA USMANIA PESHAWAR


دارالافتاء، جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ
فتاویٰ عثمانیہ
مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء
زیرنگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دارالافتاء
جلد چہارم
بقية الزكوٰة. الصوم. الحج
العصر اکیڈمی پشاور

فتاویٰ عثمانیہ

جلد چہارم

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
اُستاد الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اشاعت اوّل:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء
سنِ طباعت اشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء
سنِ طباعت اشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء
سنِ طباعت اشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء
سنِ طباعت اشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء
سنِ طباعت اشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء



العصر اکیڈمی پشاور
ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخوا، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد ٤

باب العشر

(مسائل)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب المصارف	
	(مباحث ابتدائیہ)	
56	تعارف اور حکمتِ مشروعیت....................................	45
57	مصارفِ زکوۃ میں سے ہر مصرف کی تفصیل	45
58	(۲،۱) فقراء و مساکین	45
59	فقیر سے متعلق کچھ ضروری مسائل.....................................	46
60	(۳) عاملین..	47
61	(۴) مؤلفۃ القلوب	47
62	(۵) غلام کی آزادی..	48
63	(۶) غارمین	48
64	(۷) فی سبیل اللہ	48
65	(۸) ابن السبیل، یعنی مسافرین...................................	49
66	کن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں؟	49
67	لاعلمی میں کسی غیر مصرف شخص کو زکوۃ دینے کا حکم..........................	51
68	زکوۃ کی کتنی مقدار دی جائے؟..	52
69	چند اہم متفرق مسائل..	52
	❁❁❁	
	باب المصارف	
	(مسائل)	
70	امام مسجد کو زکوۃ دینا..	53
71	باپ کی اجازت کے بغیر بیٹے کا مال زکوۃ استعمال کرنا..................................	54
72	لاعلمی سے مالدار پڑوسیوں کو زکوۃ دینا	54

۞۞۞

باب صدقة الفطر

(مباحث ابتدائیہ)

❁❁❁

باب صدقة الفطر

(مسائل)

❁❁❁

كتاب الصوم

(مباحث ابتدائیه)

❁❁❁

فصل في رؤية الهلال

(مسائل)

❁❁❁

2

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	❁❁❁	
	باب في العوارض	
	(مسائل)	
298	مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا	236
299	دائمی مریض کے احکام	237
300	سفر شروع کرنے سے پہلے افطار کرنا	238
301	مسافر ڈرائیور کا روزہ نہ رکھنا	239
302	عورت کو نفل روزہ کے دوران حیض آنا	240
	باب الإعتكاف	
	(مباحث ابتدائیہ)	
303	تعارف اور حکمت مشروعیت	241
304	اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی	241
305	باب الاعتکاف سے متعلق اصطلاحات	241
306	اعتکاف کی مشروعیت	242
307	اعتکاف کا حکم	242
308	اعتکاف کی قسمیں	242
309	(۱)......واجب اعتکاف	242
310	(۲)......مسنون اعتکاف	243
311	(۳)......مستحب اور نفلی اعتکاف	243
312	اعتکاف کا رکن	244
313	اعتکاف کا سبب	244
314	اعتکاف کی شرطیں	244

❁❁❁

فصل فی شرائط الحج

(مسائل)

فصل في واجبات الحج

(مسائل)

❁❁❁

فصل فی أحکام الحج

(مسائل)

❁❁❁

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	باب الجنایات	
	(مسائل)	
537	احرام کے نیچے سلے ہوئے کپڑے پہننا	373
538	حالت احرام میں مرہم پٹی کرنا	374
539	عورت کے لیے حالت احرام میں چہرہ چھپانا	374
540	ذبیحہ کے بعد احرام کھولنے سے پہلے حاجیوں کا ایک دوسرے کے بال کاٹنا	375
541	وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنا	376
542	حج میں طواف زیارت چھوڑنا	377
543	طواف زیارت بغیر وضو کے کرنا	378
544	حائضہ عورت کا طواف زیارت سے عاجز ہونا	379
	❁❁❁❁❁	
	باب الاحصار	
	(مباحث ابتدائیه)	
545	تعارف اور حکمتِ مشروعیت	381
546	احصار کی لغوی تعریف	381
547	احصار کی اصطلاحی تعریف	381
548	باب سے متعلقہ اصطلاحات	382
549	احصار کی مشروعیت	382
550	احصار کا رکن	383
551	احصار کی شرائط	383
552	احصار کے اسباب	384
553	(۱) العدوّ	384

۞۞۞

باب الإحصار

(مسائل)

3

3

بابُ العشر

مباحث ابتدائیہ

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

زکوۃ کی طرح عشر بھی شریعتِ مطہرہ کے بنیادی احکام میں سے ایک حکم ہے جو زمین کی پیداوار کے بدلے شکریہ کے طور پر واجب ہوتا ہے۔ درحقیقت عشر بھی زکوۃ کی طرح گناہوں سے تطہیر اور مال ومتاع کی بے جا محبت سے خلاصی کا ایک اہم سبب ہے جس میں معاشرے کے حاجت مند اور غریب لوگوں کو زمینی پیداوار کا کچھ حصہ دے کر ان کو معاشرتی دھارے میں معمول کی زندگی گزارنے کے قابل بنادیا جاتا ہے، جو ایثار و ہمدردی کے ساتھ ساتھ معاشی نظام میں مساوات اور ہم آہنگی کا بنیادی عنصر بھی ہے۔

عشر کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

عشر لغت میں دسویں حصے کو کہتے ہیں، جب کہ فقہائے کرامؒ کی اصطلاح میں مقصودی طور پر اُگائی جانے والی زمینی پیداوار یعنی میوہ جات، غلہ جات، سبزیوں اور چارہ جات وغیرہ میں شریعت کی طرف سے مقرر کردہ دسویں حصے کو عشر کہتے ہیں۔ شریعت کی طرف سے اگرچہ بعض صورتوں میں دسویں حصے کی بجائے پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے، لیکن بنیادی پیمانہ چونکہ دسواں حصہ ہے، اس لیے اس کو عشر کہا جاتا ہے۔ اسی باریکی کی وجہ سے اکثر فقہائے کرام اس کو ''زکوۃ الزروع والثمار'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(۱)

عشر کا حکم اور اس کی مشروعیت:

زکوۃ کی طرح عشر بھی قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس ہر ایک کی رُو سے مشروع اور فرض ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾(۲)

کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب العشر:۳/۲٦٤

(۲) الانعام:١٤١

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾(۱)

اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرو۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"فیماسقت السماء العشر، وفیماسقي بالنضح نصف العشر".

جس کھیتی کو بارش کا پانی سیراب کرے اس میں عشر واجب ہے اور جو کھیتی ڈول یا رہٹ سے سیراب کی جائے تو اس میں نصف عشر ہے۔(۲)

اسی طرح اجماعِ امت اور عقل وقیاس سے بھی اس کی فرضیت ثابت ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ: جس طرح زکوۃ کی فرضیت علی الفور یعنی بلا تاخیر ہے تو اسی طرح عشر کا حکم بھی فرضیت علی الفور کا ہے۔(۳)

عشر کا سبب:

عشر کا سبب ایسی زمین ہے جس سے عملی طور پر بڑھوتری اور پیداوار حاصل ہو جائے۔

"الأرض النامیة بالخارج حقیقة".

پیداوار کے حصول کے بغیر محض زمین کی قوتِ کاشت سے عشر واجب نہیں ہوتا۔ عشر اور خراج میں بنیادی فرق بھی یہی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص عشری زمین کو قوتِ کاشت اور اسبابِ زراعت کے باوجود بنجر چھوڑ دے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوتا، لیکن قابل کاشت خراجی زمین کو یونہی عبث چھوڑنے سے خراج واجب ہوگا۔(۴)

عشر کا رکن:

''کسی فقیر ومحتاج شخص کو پیداوار کے مخصوص حصے کا مالک بنانا'' عشر کا رکن ہے۔ تملیک کے بارے میں ضروری

(۱) البقرة:۲۶۷

(۲) السنن الکبری للبیهقي، کتاب الزکوة، باب قدر الصدقة فیما أخرجت الارض، رقم (۷۵۷۷): ۲۶/۶

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الزکوة، فصل في زکوة الزروع والثمار: ۴۹۳/۲-۴۹۵، البحر الرائق، کتاب الزکوة، باب العشر: ۴۱۲/۲

(۴) بدائع الصنائع، کتاب الزکوة، فصل في بیان سبب الفرضیة: ۴۹۵/۲، ۴۹۶، البحر الرائق، کتاب الزکوة، باب العشر: ۴۱۳/۲

بحث کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔(۱)

عشر اور زکوۃ کے مشترک احکام:

عشر چونکہ زکوۃ ہی کا ایک حصہ ہے، اس لیے اس کے اکثر احکام بالکل وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں، مثلاً جس طرح مجموعہ مال سے زکوۃ کا مال جدا کرتے وقت یا فقیر کو زکوۃ تھماتے وقت زکوۃ کی نیت اور تملیک ضروری ہے، بالکل اسی طرح ان مواقع پر عشر کی بھی نیت اور تملیک ضروری ہے اور جس طرح زکوۃ کے لیے مخصوص مصارف ہیں، بالکل وہی مصارف عشر کے لیے بھی ہیں، البتہ جن چیزوں میں امتیاز ضروری ہے، ان کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

عشر وزکوۃ کے احکام میں امتیازی فرق:

(۱) فقہاے کرام کے ہاں زکوۃ خالص عبادت ہے، جب کہ عشر میں عبادت کے ساتھ زمینی ٹیکس کا پہلو بھی موجود ہے۔ اسی پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حنفیہ نے ایک ہی زمین میں عشر اور خراج کے وجوب سے انکار کیا ہے، تاکہ ایک شخص پر دو ٹیکس جمع نہ ہو جائیں۔ اسی تناظر میں چند مزید امتیازات یہ ہیں۔

(۲) خالص عبادت ہونے کی وجہ سے زکوۃ عاقل، بالغ لوگوں پر واجب ہے، جب کہ عشر نابالغوں اور فاتر العقل لوگوں کی زمین کی پیداوار میں بھی واجب ہے۔

(۳) خالص عبادت ہونے کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے رضا و رغبت ضروری ہے، جب کہ عشر کی صورت میں امام یا قاضی کسی شخص سے زبردستی بھی عشر لے سکتا ہے، جس سے اس شخص کا ذمہ فارغ تو ہو جاتا ہے، لیکن رضا کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس زکوۃ میں زبردستی سرے سے جائز ہی نہیں، ذمہ فارغ ہونا تو دور کی بات ہے۔ ہاں اگر کوئی قوم فرضیت سے انکار کردے تو حاکم وقت اس کے خلاف جہاد کر سکتا ہے۔

(۴) زکوۃ کے وجوب کے بعد جس شخص پر زکوۃ واجب ہو اس کے فوت ہونے سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے، لیکن عشر کا حکم زکوۃ سے مختلف ہے، اس لیے کہ موت کے وقت اگر زمین کی پیداوار موجود ہو تو زکوۃ کے برعکس اس پیداوار سے عشر وصول کیا جائے گا۔

(۵) عشر کے وجوب کے لیے زمین کی ملکیت ضروری نہیں، بلکہ موقوفہ، مستأجرہ (اجرت پر لی گئی)، مستعارہ (عاریت

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوة، فصل في رکن هذا النوع: ۲/ ۵۰۲، الفتاوی الهندیة، الباب السادس عشر في زکوة الزروع والثمار: ۱/ ۱۸۵

(۲) حوالہ جات بالا

کے طور پر لی گئی) اور مغصوبہ اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، حالانکہ ان ہی اسباب سے وجود میں آنے والے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں، اگرچہ وہ بقدرِ نصاب کیوں نہ ہو۔(۱)

نوٹ:

مذکورہ امتیازات خالص عبادت ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے ذکر کیے گئے۔ مزید امتیازات کا تذکرہ آگے آنے والے احکام میں ضمنی طور پر کیا جائے گا۔

عشر کی فرضیت کی شرائط:

مذکورہ شرائط دو قسم کی ہیں: شرائطِ اہلیت اور شرائطِ محلیت۔

(۱) شرائطِ اہلیت:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن کی موجودگی میں کوئی شخص عشر کی فرضیت کا اہل سمجھا جاتا ہو۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام............: ابتداءً عشر کے وجوب کے لیے اسلام شرط ہے، تاہم اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کی زمین خرید کر یا کسی دوسرے شرعی طریقے سے لے کر اس پر مزارعت کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس پر خراج ہے، امام ابویوسفؒ کے ہاں دُگنا عشر، جب کہ امام محمدؒ کے ہاں عام مسلمانوں کی طرح عشر واجب ہے۔ موجودہ دور میں ذمیوں کے فقدان اور مسلمان حکمرانوں کے شریعت سے تغافل کی وجہ سے خراج کی وصولی ناممکن ہے اور دُگنا عشر وصول کرنے میں بھی کئی مشکلات اور توہمات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زمین کی بیع، اجارہ، اعارہ اور مزارعت وغیرہ کی تمام صورتوں میں عشر کی وصولی کے لیے ان ہی احکامات کا اعتبار کیا جائے جو خود مسلمانوں کے حق میں معتبر ہیں، اس لیے کہ یہ بات تو مسلّم ہے کہ عشر خالص عبادت نہیں، بلکہ مؤنۃ اور ٹیکس کا پہلو بھی اس میں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے ذِمی پر عشر کے وجوب میں بعض معاشی اور معاشرتی فوائد کا حصول بھی ممکن ہو سکے گا، البتہ جہاں کہیں حکومت کسی بھی طریقے سے ذمیوں سے ٹیکس وصول کر رہی ہو تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول زیادہ مناسب رہے گا۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في شرائط الفرضیة: ۲/۴۹۹، الفتاوی الهندیة، الباب السادس عشر في زکوۃ الزروع والثمار: ۱/۱۸۵، البحر الرائق، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۲/۴۱۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في شرائط الفرضیة: ۲/۴۹۶

(۲) عشر کی فرضیت کا علم............: عشر کی فرضیت کا علم ہونا بھی ضروری ہے، تاہم یہ شرط دارالحرب میں رہنے والے نومسلموں کے لیے ہے۔

عشر کی فرضیت کے لیے عقل و بلوغ شرط نہیں، جس کی تفصیل گزر چکی۔(۱)

شرائطِ محلیت:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں، جن کی موجودگی میں پیداوار سے عشر وصول کیا جائے گا۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) زمین عشری ہو۔ عشری زمین سے درج ذیل زمینیں مراد ہیں:

(الف) جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں عشری ہیں۔

(ب) وہ اراضی جن کے مالک اپنی رغبت سے مسلمان ہو گئے ہوں۔

(ج) وہ علاقے جو بذریعہ جنگ فتح ہو کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گیے ہوں۔

(د) مسلمانوں کے مکانات کو باغ یا کھیتی بنا دیا گیا ہو۔

(ہ) وہ بنجر زمینیں جن کو مسلمانوں نے اسلامی حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو اور وہ عشری زمین کے قریب ہو یا بارش کے پانی، غیر مملوکہ پانی یا عشری پانی سے اس کو سیراب کیا جاتا ہو۔(۲)

(۲) زمین سے جو پیداوار حاصل کی جائے، وہ مقصود ہو یعنی زراعت اور کھیتی باڑی سے جس چیز کے حصول کا ارادہ اور قصد کیا جائے وہ چیز موجب عشر ہوگی۔ علامہ کاسانیؒ نے اس کو "نماء الأرض" اور "استغلال الأرض عادة" سے تعبیر کیا ہے، یعنی ہر وہ چیز جو عرف و عادت میں زمین کی بڑھوتری اور افزائش سمجھی جاتی ہو، اس میں عشر واجب ہوگا۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

فقہاے کرام نے گھاس، بانس اور لکڑی وغیرہ کو اگرچہ عشر کے وجوب سے مستثنیٰ کر دیا ہے، لیکن اس سے مراد وہ گھاس اور بانس ہے، جو خودرو ہو اور اس کے اُگانے کا قصد و ارادہ نہیں کیا گیا ہو۔ یہی حکم موجودہ دور میں مختلف خودرو چارہ جات اور بھوسہ وغیرہ کا بھی ہے اور یہی حکم ان میوہ دار درختوں کا بھی ہے جن سے مقصود صرف میووں کا حصول ہو، ان کی لکڑیاں یا شاخیں مقصود نہ ہوں۔ مختلف سبزیوں کے پودوں اور شاخوں کے بارے میں بھی فقہاے کرامؒ کی یہی رائے ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في شرائط الفرضية: ۲/۴۹۸، ۴۹۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في شرائط المحلية: ۲/۵۰۱-۵۰۲

معاشرتی حالات اور مختلف ادوار کے فرق کو مدِ نظر رکھ کر اگر کہیں گھاس، بانس اور عام جنگلی درختوں کی کاشت کی جائے یا کسی علاقے کے لوگ بھوسہ کی نیت سے گندم کاشت کرتے ہوں یا گندم اور جو وغیرہ کی کاشت سے مقصود چارہ ہو اور دانہ تیار ہونے سے قبل ہی ان کو کاٹ کر حیوانات کو کھلا دیا جاتا ہو تو پھر ان تمام صورتوں میں عشر یا نصف عشر ضرور واجب ہوگا۔ یہ حکم ان چارہ جات کا بھی ہے جن کی باضابطہ کاشت ہوتی ہے۔(۱)

عشری پیداوار کا تعین اور اس کا نصاب:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں زمین کی ایسی تمام پیداوار جو بالقصد اگائی جاتی ہو (یعنی خودرو نہ ہو) اس میں عشر واجب ہوگا، چاہے وہ غلہ جات کی قبیل سے ہو، روئی گلاب ہو، سبزی ترکاری ہو، موسمی پھل ہو یا کوئی اور چیز ہو، یعنی وہ جلد خراب ہونے والی ہو یا سال بھر تک ذخیرہ کی جاسکتی ہو، بہرصورت ان میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عشر کے وجوب کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ زمین سے جو بھی چیز نکلے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہوگا۔ زکوۃ اور عشر میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے۔(۲)

سال کا گزرنا عشر کے وجوب کے لیے شرط نہیں:

زکوۃ کے برعکس عشر کے لیے سال کا گزرنا شرط نہیں، بلکہ اگر کوئی زمین سال میں کئی مرتبہ پیداوار دے رہی ہو تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا۔(۳)

عشر یا نصف عشر کے وجوب کی علت:

عشر کی مقدار متعین کرنے کے لیے اصل علت پانی کی نوعیت ہے یعنی پانی کی وجہ سے سیرابی میں پیش آنے والی محنت ومؤنت کو دیکھ کر عشر یا نصف عشر کا حکم ہوگا۔ اگر زمین بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے اور اگر پانی محنت یا قیمت سے حاصل کر کے اس سے آب پاشی کی جاتی ہو، جیسے رہٹ، ڈول، ٹیوب ویل یا نہر وغیرہ کا پانی ہو تو اس میں نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ واجب ہے۔ جو زمین بعض سال میں قدرتی پانی

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في شرائط المحلية: ۲/۵۰۰، الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر في زکوة الزروع والثمار: ۱/۱۸۵، ۱۸۶، فتح القدير على الهداية، کتاب الزکوة، باب زکوة الزروع والثمار: ۲/۱۹۰

(۲) بدائع الصنائع، فصل في شرائط المحلية: ۲/۵۰۵، ۵۰۶، الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر في زکوة الزروع والثمار: ۱/۱۸۶

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الزکوة، فصل في شرائط المحلية: ۲/۵۱۴

سے اور بعض سال اپنی محنت سے سیراب ہوتی ہو تو اس میں اکثر وقت کا اعتبار ہوگا۔ اگر اکثر سال یا نصف سال اپنی محنت سے سیراب کرے تو نصف عشر واجب ہوگا، ورنہ عشر واجب ہوگا۔(۱)

شہد میں عشر کا حکم:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عشری زمین سے حاصل ہونے والے شہد میں مطلقاً عشر واجب ہے، چاہے اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، اسی طرح غیر مملوکہ پہاڑوں اور جنگلوں سے حاصل ہونے والے شہد کا بھی یہی حکم ہے۔(۲)

جس شہد کا حصول عشری یا نصف عشری زمین کے رس پلانے سے ہو یا اس کی تیاری میں ملازمین، آمیزش کے لیے ترکیبی اجزا اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جاتا ہو یا اس میں محنت ومؤنت کا عمل دخل کم یا زیادہ ہو تو ان ہی عناصر کو مدنظر رکھ کر دوسری عشری پیداوار کی طرح اس میں بھی عشر یا نصف عشر واجب رہے گا۔

تعجیلِ عشر، یعنی پیداوار کے حصول سے قبل عشر کی ادائیگی کا حکم:

اگر کوئی شخص زراعت، یعنی کھیت بونے سے پہلے ہی عشر ادا کردے تو بالاتفاق ادا نہیں ہوگا، بونے کے بعد اور اُگنے سے پہلے ادا کیا تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک ادا ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ادا نہیں ہوگا۔ عالمگیری نے امام محمدؒ کے قول کو"اظہر" کہا ہے۔

جہاں تک پھلوں کی بات ہے تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق پھل نکل آنے کے بعد پیشگی عشر ادا کرنا جائز ہے، البتہ پھل نکل آنے سے پہلے ہی تعجیلِ عشر ظاہر الروایۃ کے مطابق جائز نہیں۔(۳)

جن چیزوں سے عشر ساقط ہوتا ہے:

جن چیزوں سے زکوۃ ساقط ہوتی ہے، ان سے عشر بھی ساقط ہوتا ہے، البتہ جس شخص پر عشر واجب ہو، اس کی موت کے بعد اگر پیداوار موجود ہو تو ایسی صورت میں اس پیداوار سے عشر ادا کیا جائے گا۔(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في مقدار الواجب:۵۱۴/۲، الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر في زكوة الزروع والثمار: ۱۸۶/۱، الدر المختار، كتاب الزكوة، باب العشر:۲۶۸/۳، ۲۶۹

(۲) بدائع الصنائع، فصل في شرائط المحلية:۵۱۱/۲ـ۵۱۳، الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر في زكوة الزروع والثمار: ۱۸۶/۱

(۳) بدائع الصنائع، فصل في بيان سبب الفرضية:۴۹۵/۲، ۴۹۶، الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر..........: ۱۸۶/۱

(۴) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في بيان مايسقط بعد الوجوب:۵۲۰/۲، ۵۲۱

چند متفرق اہم مسائل:

(۱) زکوۃ، عشر، خراج، فطرانہ، نذر اور کفارہ میں واجب شدہ چیز کی جگہ اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔(۱)

(۲) چونکہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے، اس لیے زکوۃ کے برعکس عشر کے وجوب کے لیے قرض مانع نہیں، بلکہ قرض کے ہوتے ہوئے بھی عشر ادا کیا جائے گا۔(۲)

(۳) کھیتی پر آنے والے اخراجات، یعنی ہل، بیل، مزدوری، حفاظت ونگرانی وغیرہ آئے ہوں تو وہ اس سے منہا نہیں کیے جائیں گے، بلکہ تمام پیداوار سے عشر یا نصف عشر دیا جائے گا۔ اسی طرح عشر کی ادائیگی سے قبل پیداوار سے کچھ کھانا اور استعمال کرنا بھی جائز نہیں، اگر کھالیا تو اس کے بقدر عشر ادا کرے گا۔(۳)

(۴) اگر کسی شخص کے رہائشی مکان میں پھل دار درخت ہوں تو ان پھلوں میں عشر واجب نہیں، اس لیے کہ یہ درخت گھر کے تابع ہوتے ہیں۔(۴)

(۵) اگر کسی شخص نے فصل پکنے سے پہلے ہی فصل کو زمین سمیت یا بغیر زمین کے فروخت کر دیا تو اس کا عشر خریدنے والے کے ذمے واجب ہوگا، لیکن اگر فصل پختگی کے بعد فروخت کی ہو تو پھر بائع یعنی فروخت کرنے والے پر عشر واجب ہوگا۔

(۶) مزارعت، یعنی بٹائی کی صورت میں صاحبینؒ کے ہاں عشر مالکِ زمین اور کاشت کار ہر ایک پر اس کے حصے کے بقدر واجب ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۷) اجارہ کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عشر مالکِ زمین پر جب کہ صاحبین کے ہاں کاشت کار پر واجب ہے، لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس میں یوں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر مالکِ زمین اجرت بہت زیادہ لیتا ہو اور کاشت کار کے پاس بہت کم بچتا ہو تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا اور اگر اجرت عام عادت کے موافق ہو تو پھر کاشت کار ہی کے ذمے واجب ہوگا۔(۵)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب زکاۃ الغنم:۳/۲۱۰،۲۱۱

(۲) بدائع الصنائع، فصل في بیان شرائط الفرضیة:۲/۵۰۱

(۳) بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب:۲/۵۱۴، الفتاوی الهندیة، الباب السادس عشر.........:۱/۱۸۷

(٤) الفتاوی الهندیة، الباب السادس عشر في زکوۃ الزروع والثمار:۱/۱۸٦، ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، مطلب في حکم أراضي مصر والشام السلطانیة:۳/۲۷۲

(٥) بدائع الصنائع، فصل في بیان شرائط الفرضیة:۲/٤۹۹، ۵۰۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب العشر:۳/۲۷٦-۲۷۸

باب العشر

عشر کے مسائل

فالسہ (گرگروں) میں عشر

سوال نمبر (1):

پہاڑی علاقوں میں سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے دانوں والے پھل کے درخت ہوتے ہیں جس کو فالسہ (گرگرے) کہا جاتا ہے اور بازاروں میں فروخت کیے جاتے ہیں۔کیا اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق پہاڑی علاقوں میں درختوں سے جو پھل وغیرہ حاصل ہو جائے تو اس میں عشر ادا کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر یہ پہاڑ سرکار یا کسی قوم کی ملکیت نہ ہو اور کوئی شخص اس سے پھل وغیرہ حاصل کرے تو اس صورت میں اس شخص پر عشر واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کوئی شخص کسی غیر مملوکہ پہاڑ سے فالسہ حاصل کرے تو ایسی صورت میں اس شخص پر عشر کی ادائیگی واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وما يجمع من ثمار الأشجار التي ليست مملوكة كأشجار الجبال يجب فيها العشر.(١)

ترجمہ: جو پھل ایسے درختوں سے جمع کیے جاتے ہیں جو کسی کی ملکیت نہیں ہیں جیسا کہ پہاڑ کے درخت تو ان میں عشر واجب ہے۔

❁❁❁

اجیر کو دیے ہوئے گندم میں عشر

سوال نمبر (2):

اگر گندم کی کٹائی کے لیے مزدور رکھ کر اس کی مزدوری گیارہویں گٹھڑی مقرر کی جائے تو یہ معاملہ جائز ہے یا

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الزكوة، الباب السادس في زكوة الزروع والثمار: ١/١٨٦

نہیں؟ نیز ایسی صورت میں عشر کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے جو چیز اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہے، اس چیز کو اجیر کی اُجرت مقرر کرنا جائز نہیں، البتہ اگر بلا تعیین مالک اجیر کو اسی گندم سے اُجرت دے دے یا کہیں دوسری جگہ سے گندم لا کر دے تو اس صورت کو فقہائے کرام نے جائز لکھا ہے۔

جہاں تک عشر کا تعلق ہے تو اگر کسی نے ناجائز ہونے کے باوجود ایسا معاملہ کیا تو ایسی صورت میں اجیر کی ملکیت میں موجود گندم کے عشر کی ادائیگی بھی زمین کے مالک کے ذمہ ہوگی اور عشر کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہوگا کہ اوّل اجیر سے گندم کی مقدار معلوم کی جائے، تاہم اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو مالک کی ملکیت میں جو گٹھڑیاں ہیں، اُن میں سب سے بڑی گٹھڑی سے اندازہ لگا کر جتنی گٹھڑیاں اجیر لے گیا ہے، اُس مقدار کے برابر گندم کا عشر ادا کیا جائے اور احتیاطاً کچھ مقدار زیادہ بھی دی جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزًا من الدقيق الجيّد، ولم يقل من هذه الحنطة ....لأنّ الدقيق إذالم يكن مضافًا إلى الحنطة بعينها يجب في الذمّة.(۱)

ترجمہ: اور جو شخص ایسے عقدِ اجارہ میں جواز کی صورت چاہتا ہو تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ گندم کا مالک (یعنی مستاجر شخص) یہ شرط لگالے کہ وہ (اجرت میں) ایک قفیز عمدہ گندم دے گا اور وہ یہ نہ کہے کہ وہ اس گندم سے (دے گا) ---- اس لیے کہ جب وہ آٹا عین اسی گندم کی طرف منسوب نہ ہوگا تو ذمہ میں واجب ہوگا۔



گزشتہ سالوں کا عشر ادا کرنا

سوال نمبر (3):

اگر کوئی زمیندار گزشتہ کئی سالوں سے عشر ادا نہیں کرتا، لیکن اب اس کو وہ مقدار معلوم نہیں تو ایسی صورت میں

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الثالث في قفيز الطحان وماهو في معناه: ٤/ ٤٤٤

اس شخص سے عشر ساقط ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ وعشر اور دیگر مالی عبادات جب ایک دفعہ کسی کے ذمہ واجب ہوجائیں اور وہ ان کی بروقت ادائیگی نہ کرے تو وہ اس شخص کے ذمہ بدستور باقی رہتی ہیں، لہذا جب تک ان کی ادائیگی نہ کرے ان سے فارغ الذمہ نہیں ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب زمیندار پر ایک دفعہ عشر کی ادائیگی واجب ہوگئی ہو تو جب تک اس کو ادا نہیں کرے گا، اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، البتہ اس زمیندار کو جب گزشتہ سالوں میں اُگی ہوئی فصل کی مقدار معلوم نہیں تو عشر کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہوگا کہ غالب رائے کے مطابق کاشت کردہ فصل کا عشر ادا کرے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وإن أكل صاحب المال من الثمر، أو أطعم غيره، يضمن عشره، ويكون دينًا في ذمته.(۱)

ترجمہ:

اگر مال کے مالک نے میوہ میں سے کھالیا یا دوسرے کو کھلایا تو اس کے عشر کا ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ قرض ہوگا۔

❁❁❁

گھر میں لگائے گئے پھل دار درختوں میں عشر

سوال نمبر(4):

اگر کسی شخص کے گھر میں امرود یا دوسرے کسی پھل کا درخت ہو اور اس میں پھل نکل آئیں تو اس میں عشر کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة،فصل في وقت الوجوب:۲/۵۱۸

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے پھل دار درختوں میں جب پھل نکل آئیں تو اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے، تاہم اگر کسی شخص کے گھر میں پھل دار درخت ہوں تو فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اس صورت میں عشر واجب نہیں، کیونکہ یہ درخت گھر کے تابع ہوتے ہیں، لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة، لاعشر فيها.(١)

ترجمہ:

اگر کسی کے گھر میں پھل دار درخت ہو تو اس میں عشر واجب نہ ہوگا۔

وكذلك ثمر بستان الدار؛ لأنه تابع لها.(٢)

ترجمہ:

اور اسی طرح گھر کے باغ میں (کوئی چیز واجب نہیں) کیونکہ وہ گھر کا تابع ہے۔

❁❁❁

درختوں میں عشر

سوال نمبر(5):

اگر کوئی شخص گھر بنانے کی غرض سے ایک پلاٹ خریدے، پھر اس میں درخت اُگائے اور اس کی نگہداشت بھی کرتا رہے، تاکہ بعد میں اُس کو فروخت کرے۔ اب یہ درخت کاٹنے کے قابل ہوگئے ہیں اور ان کی قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے بنتی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی اعتبار سے جب چیزوں کی کاشت مقصود بالذات ہو تو اس میں زمین کی نوعیت کے اعتبار سے عشر یا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السادس في زكوة الزروع والثمار: ١٨٦/١

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، مطلب في حكم أراضي مصر والشام السلطانية: ٢٧٢،٢٧١/٣

نصف عشر واجب ہوگا، البتہ اگر کوئی چیز مقصود بالذات نہ ہو، جیسے بھوسہ وغیرہ تو اس میں عشر واجب نہ ہوگا، یہی حکم درختوں کا بھی ہے کہ مقصود بالذات نہ ہونے کی صورت میں اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں ہے اور مقصود بالذات ہونے کی صورت میں ان میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب پلاٹ کو درخت کی کاشت کے لیے خاص کیا کہ اس میں درخت اُگائے گا تو مقصود بالذات ہونے کی وجہ سے ان درختوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا اگر فروخت کرے تو اس رقم سے ادا کرے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فلا عشرفي الحطب، والحشيش، والقصب ....لو استنمي بقوائم الخلاف، والحشيش، والقصب، وغصون النخل، أوفيهادلب، أو صنوبر، ونحوها، وكان يقطعه، ويبيعه، يجب فيه العشر.(١)

ترجمہ:

پس جلانے کی لکڑی، گھاس، نڑ وغیرہ میں عشر واجب نہیں ۔۔۔۔اگر کوئی شخص بیر کے درختوں، گھاس، نڑ اور کھجور کے پتوں سے بطورِ پیداوار فائدہ حاصل کرتا ہے یا اس زمین میں چنار یا صنوبر یا اس قسم کے درخت ہوں، جنہیں وہ کاٹ کر بیچتا ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

❁❁❁

عاریت والی زمین کی پیداوار میں عشر

سوال نمبر(6)

ایک شخص کو کسی نے عاریتاً زمین دی اور کہا کہ تم اپنے لیے اس میں کاشت کاری کرو۔ ایسی صورت میں اس فصل کی پیداوار میں اس شخص پر عشر کی ادائیگی واجب ہوگی یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عشر کے وجوب کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں، بلکہ جو شخص بھی زمین میں کاشتکاری کر کے فصل حاصل کرے تو اس پر عشر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،الباب السادس في زكوة الزروع والثمار: ١٨٦/١

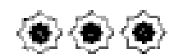
صورتِ مسئولہ میں جب اس شخص کو یہ زمین عاریتاً ملی ہے اور وہ اس سے پیداوار حاصل کررہا ہے تو ایسی صورت میں اس پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إنّ ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر، وإنّما الشرط ملك الخارج؛لأنّه يجب في الخارج لا في الأرض.(١)

ترجمہ:

عشر واجب ہونے کے لیے زمین کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، بلکہ زمین سے جو (فصل) نکلے، اُس کا ملکیت میں ہونا شرط ہے، کیونکہ عشر خارج (فصل) میں واجب ہوتا ہے نہ کہ زمین میں۔



عشر بائع پر ہے یا مشتری پر؟

سوال نمبر (7):

ایک شخص باغات کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا ہے۔ جب وہ شخص باغ میں موجود پھل فروخت کردیتا ہے اور مشتری قبضہ کرلیتا ہے تو عشر کس پر واجب ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

باغات کی خرید وفروخت میں اگر بائع نے پھل ظاہر ہونے سے پہلے ہی باغ کو فروخت کرکے مشتری کے قبضہ میں دے دیا ہو تو پھل کا ظہور مشتری کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے عشر کی ادائیگی مشتری کے ذمے واجب ہوگی۔ اور اگر پھل ظاہر ہونے کے بعد بائع نے باغ کو فروخت کردیا ہو تو اس کا عشر بائع کے ذمے واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإذا باع الأرض العشرية، وفيها زرع قد أدرك مع زرعها.......... فعشره على البائع دون المشتري،ولو باعها والزرع بقل إن قصله المشتري في الحال، يجب على البائع، ولو تركه حتى أدرك

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب العشر،قبيل مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام: ٢٦٦/٣

فعشره علی المشتري.(١)

ترجمہ:

کسی شخص نے عشری زمین فروخت کی۔اس میں تیار کھیتی تھی۔۔۔۔۔تو اس کا عشر بیچنے والے کے ذمہ ہوگا نہ کہ خریدنے والے کے ذمہ۔اور اگر اس شخص نے زمین فروخت کی اور اس میں ابھی صرف سبزی تھی تو اگر خریدنے والے نے اسی وقت اُس کو جدا کیا تو بائع پر عشر واجب ہوگا اور اگر اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ فصل کو پالیا تو اس کا عشر مشتری پر ہوگا۔

❁❁❁

ٹیکس کی ادائیگی سے قبل نہری زمین کے عشر کا حکم

سوال نمبر(8):

ہمارے گاؤں کے لوگ سرکاری نہر سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں، لیکن ابھی تک حکومت کو ٹیکس ادا نہیں کیا گیا۔حکومت کی طرف سے نمبر بندی ہو چکی ہے۔پوچھنا یہ ہے کہ حکومت کو ٹیکس کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس فصل پر عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق عشر کی ادائیگی کا دارومدار محنت ومشقت پر ہے، اگر فصل کی سیرابی بارش یا کسی ایسے ذریعہ سے ہو جس پر خرچ وغیرہ نہ آئے تو ایسی صورت میں عشر، ورنہ نصف عشر واجب ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر ان کھیتوں کو حکومت کی اجازت اور نمبر بندی کے بعد اسی نہر کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو تو یہ زمینیں نہری شمار ہوں گی اور اس سے نصف عشر ادا کیا جائے گا، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حکومت کو ابھی تک اس پانی کا ٹیکس ادا نہیں کیا گیا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حکومت اس کو بعد میں وصول کرتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(و) يجب (نصفه في مسقي غرب) أي دلو كبير(ودالية) أي دولاب لكثرة المؤنة ....

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،الباب السادس في زكوة الزروع والثمار:١/١٨٧

علة لوجوب نصف العشر.(۱)

ترجمہ:

بڑے ڈول اور راہٹ سے سیراب ہوئی زمین پر مؤنت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے نصف عشر واجب ہے ۔۔۔۔۔اور یہی نصف عشر کے لیے علت ہے۔

❁❁❁

بارش کے پانی سے سیراب ہونے والی نہری زمین کا عشر

سوال نمبر(9):

ایک شخص کے پاس نہری زمین ہے، وہ اُس نہر کا ٹیکس ادا کرتا ہے، لیکن اس سال یہ زمین بارش سے سیراب ہوئی ہے اور نہری پانی کی ضرورت اس زمین کو پیش نہیں آئی۔اب فصل تیار ہو چکی ہے۔ایسی صورت میں اس فصل پر عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی زمین بارش، قدرتی چشموں وغیرہ سے سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے اور اگر نہر وغیرہ یا کسی دوسرے ایسے ذریعے سے زمین سیراب ہو جس میں مشقت ہو تو ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب زمین نہری ہے اور اس نہر کا ٹیکس حکومت کو ادا کیا جاتا ہے تو ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے، البتہ اس سال یہ زمین صرف بارش سے سیراب ہوئی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وما سقي بغربٍ، أو دالية، أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين) لأنّ المونة تكثرفيه وتقل فيمايسقي بالسماء، أو سيحاً وبدالية فالمعتبر أكثرالسنة كماهو في السائمة. (۲)

---

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب العشر،مطلب مهم في حكم أراضي مصروالشام...... : ۲۶۸/۳

(۲)الهداية، كتاب الزكوة،باب زكوة الزروع والثمار:۲۱۸/۱

ترجمہ: اور جو زمین ڈول یا رہٹ یا اونٹنی سے سیراب کی گئی ہو تو دونوں اقوال میں اس میں نصف عشر واجب ہے، کیوں کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہے اس میں مشقت کم ہوتی ہے۔ اور اگر دریا کے پانی اور ڈول دونوں سے سیراب کی گئی ہو تو اس میں اکثر سال کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ سائمہ جانور میں اکثر سال کا اعتبار ہے۔

❁❁❁

عشر میں گندم کی بجائے قیمت دینا

سوال نمبر (10):

زید عشر میں گندم کی بجائے اس کی قیمت فقرا کو دینا چاہتا ہے، اس سے زید کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر کوئی شخص زمین کی پیداوار میں عشر ادا کرتے وقت گندم کی بجائے اس کی قیمت فقرا و مساکین کو دے دے تو ایسی صورت میں اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

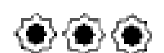
صورتِ مسئولہ میں اگر زید عشر ادا کرتے وقت فقرا و مساکین کو اس کی قیمت دے تو ایسی صورت میں اس کا ذمہ عشر کی ادائیگی سے فارغ ہو جائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ویجوز دفع القیم في الزکوة عندنا) وکذا في الکفارات، وصدقة الفطر، والعشر، والنذر.(١)

ترجمہ:

اور ہمارے نزدیک زکوۃ میں قیمت دینا جائز ہے اور اسی طرح کفارات، صدقہ فطر، عشر اور نذر میں بھی قیمت دینا جائز ہے۔



(١) الهداية، كتاب الزكوة، فصل وليس في الفصلان والحملان والعجاجيل صدقة: ١/ ٢٠٨

فروخت شدہ فصل کا عشر

سوال نمبر(11):

ایک شخص نے فصل پک جانے کے بعد کاٹنے سے پہلے ہی فروخت کردی۔اب فصل کاٹنے کے بعد عشر کی ادائیگی فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے یا خریدنے والے شخص پر؟ وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص نے فصل پکنے سے پہلے فروخت کی ہو اور خریدنے والے کی ملک میں آ پکی ہو تو خریدنے والے پر عشر کی ادائیگی لازم ہوگی،لیکن اگر فصل پکنے کے بعد فروخت کی ہو تو پھر بائع (فروخت کرنے والے) پر عشر لازم ہوگا۔

حسبِ بیان مذکورہ صورتِ مسئولہ میں چونکہ فصل پکنے کے بعد فروخت کی گئی ہے،اس لیے عشر ادا کرنا فروخت کرنے والے پر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو باع الزرع إن قبل إدراكه، فالعشر على المشتري، ولو بعده فعلى البائع. (۱)

ترجمہ:

اور اگر کھیتی پک جانے سے پہلے بیچے تو عشر مشتری پر ہوگا اور اگر کھیتی پک جانے کے بعد بیچے تو بائع پر ہوگا۔

❁❁❁

وقف شدہ زمین کا عشر

سوال نمبر(12):

ہمارے علاقے میں ایک شخص نے پرائیویٹ ہسپتال کے لیے چار کنال رقبے پر مشتمل زمین وقف کی ہے۔لیکن تعمیر سے پہلے ایک شخص نے واقف کی اجازت سے ہسپتال کے مصالح کے لیے کاشت کاری کی۔جس سے کافی مقدار میں گندم حاصل ہوئی۔تو کیا اس موقوفہ زمین کی فصل میں عشر دینا ضروری ہوگا؟

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ،باب العشر:۳/۲۷۶

الجواب وباللہ التوفیق :

جب کوئی زمین وقف ہو جائے اور اس کے بعد اس میں کاشتکاری سے فصل پیدا ہو جائے تو شریعتِ مقدسہ کی رُو سے ایسی زمین میں عشر دینا ضروری ہوگا۔ چنانچہ مذکورہ زمین سے فصل حاصل ہونے کی صورت میں عشر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال أرض الوقف إذا كانت عشرية دفعها القيم مزارعة، أو معاملة، فعشر جميع الخارج في نصيب الدافع، وهذا على قول أبي حنيفةؒ ،فإن عنده في الإجارة بالدراهم العشر على الآجر كالخراج، وعندهما يجب في الخارج ،فكذالك في المزارعة .(١)

ترجمہ:

وقف کی زمین اگر عشری ہو اور متولی اس کو مزارعت یا اجارے پر دے دے تو تمام حاصل شدہ فصل کا عشر متولی پر ہوگا اور یہ امام صاحبؒ کا قول ہے، کیونکہ ان کے نزدیک دراہم کے بدلے زمین اجارہ پر دینے کی صورت میں عشر آجر پر آتا ہے، جیسا کہ خراج میں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک فصل میں واجب ہوگا اور یہی حال مزارعت کا بھی ہے۔

❁❁❁

عشر کاشت کار پر یا مالکِ زمین پر؟

سوال نمبر(13):

اگر ایک شخص اپنی زمین کسی زمیندار کو اجارہ پر دے دے، تو عشر کس کے ذمہ واجب ہوگا۔ زمیندار ایسی ذمہ داریوں کے نیچے دب جاتا ہے کہ اس میں اٹھنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ ایسی صورت میں عشر یا نصف عشر کی ادائیگی میں اس سے کوئی رعایت رکھی جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف: ٢/ ٤٢٤

الجواب وباللہ التوفیق :

اگرچہ عرف میں مالکِ زمین جب بھی زمین کاشت کار کے حوالہ کرے تو لوگ اس کو اجارہ سے تعبیر کرتے ہیں خواہ اس کے معاوضہ میں مالک کو فصل کا کچھ حصہ ملتا ہو یا رقم، لیکن شرعی نقطہ نظر سے اس کی چند صورتیں ہیں۔

......(۱) مالک اگر زمین کسی زمیندار کو نقد رقم کے معاوضہ پر حوالہ کرے کہ مجھے ایک جریب یا ایک ایکڑ کے عوض ایک ہزار روپے سالانہ ادا کروگے تو زمین زمیندار کے حوالہ ہو کر اس کو سال بھر استفادہ کا حق ملتا ہے۔ مالک کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کو اجارہ کہتے ہیں۔

......(۲) اس سے ملتی جلتی صورت یہ بھی ہے کہ کبھی اجارہ نقد رقم کی بجائے جنس کی شکل میں ہوتا ہے، یعنی ایک من گندم کے عوض ایک جریب زمین دی جاتی ہے۔ اس میں اجرت کی ادائیگی اگرچہ جنس ہے، لیکن پھر بھی زمین کی آمدنی سے مالک کا براہِ راست تعلق نہیں رہتا۔

ان دونوں صورتوں کے بارے میں علاقائی حالات، یعنی ماحول کے حوالے سے یکسانیت مشکل ہے۔ جہاں کہیں معاشی حالات بہتر ہوں اور زمین زیادہ ہو تو لوگ زمین حوالہ کرتے وقت چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ جس سے زمیندار کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ مالکِ زمین کی آمدنی زمیندار کی نسبت سے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک جریب کے معاوضہ میں اگر مالک کو ہزار روپے دیے جاتے ہیں تو زمیندار اس سے دس ہزار کی آمدنی حاصل کرتا ہے۔ ہمارے ان علاقوں کا ماحول اس کے قریب ہے کہ زمین سے مالکِ زمین کا بالذات تعلق نہیں ہوتا۔ براہِ راست آمدنی زمیندار کو ملتی ہے۔ ایسی صورت میں زمیندار کو عشر یا نصف عشر کا ذمہ دار ٹھہرانے میں اس پر کوئی ناقابلِ تحمل بوجھ بھی نہیں آتا۔ اس لیے زمیندار ہی کے ذمہ واجب ہے کہ وہ آمدنی کا عشر یا نصف عشر ادا کرے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا میلان بھی اس طرف ہے۔ اگر معاشی حالات ایسے ہوں کہ زمیندار پر عشر یا نصف عشر کی ذمہ داری ڈالنے میں ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالنے کا خطرہ ہو، مالک کے ہاتھ سے زمیندار کا استحصال ہوتا ہو تو مالک ہی اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوگا۔ ایسی صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ زمین کی آمدنی براہِ راست مالک کو دی جاتی ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

لو آجر الأرض العشرية ،فالعشر عليه من الاجرة كمافي التاتارخانية ،وعندهما على المستأجر .(۱)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب العشر،مطلب مهم في حكم أراضي مصر والشام السلطانية: ۲۷۶/۳

ترجمہ:

اگر عشری زمین اجرت پر دی جائے تو اس کا عشر مالک اجرت سے دے گا، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے کہ:

صاحبینؒ کے نزدیک عشر مستاجر پر ہے۔

......(۳) تیسری صورت مزارعت کی ہے کہ جہاں بٹائی سسٹم پر زمین حوالہ ہوتی ہے یعنی مزارعت بالنصف یا بالربع ہو کر آمدنی میں مالک اور زمیندار دونوں براہِ راست شریک ہوتے ہیں۔ایسی صورت میں ہر ایک اپنے اپنے حصے کے عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کا پابند رہے گا۔

والدلیل علی ذلک:

والعشر یجب في الخارج ،والخارج بینھما،فیجب العشر علیھما.(۱)

ترجمہ:

اور حاصل شدہ فصل میں عشر واجب ہے اور چونکہ حاصل شدہ فصل ان دونوں کے مابین ہوتا ہے،اس لیے عشر بھی دونوں پر لازم ہوگا۔

❁❁❁

بار بار اُگنے والی فصل کا عشر

سوال نمبر(14):

بعض فصلیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک سال میں دو تین مرتبہ اُگتی ہیں تو کیا ہر مرتبہ فصل اُگنے پر عشر واجب ہوگا؟ اور کیا عشر کے لیے حولانِ حول شرط ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق عشر کے وجوب کے لیے حولانِ حول،یعنی سال کا گزرنا شرط نہیں،بلکہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار کے ساتھ ہے،لہٰذا اگر کوئی شخص زمین سے سال میں بار بار پیداوار وصول کرے تو اس میں ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا۔جس کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ،باب العشر:۲۷۸/۳

والدّلیل علیٰ ذلک:

والحول ليس شرط لوجوب العشر،حتى لوأخرجت الأرض في السنة مراراًيجب العشرفي كل مرة ؛لأن نصوص العشرمطلقة عن شرط الحول،ولأن العشر في الخارج حقيقة،فيتكررالوجوب بتكرر الخارج.(١)

ترجمہ: عشر کے واجب ہونے کے لیے سال گزرنا شرط نہیں۔ چنانچہ اگر زمین سال کے دوران کئی مرتبہ فصل اُگائے تو ہر دفعہ میں زکوٰۃ واجب رہے گی۔ کیوں کہ عشر والی نصوص میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے،اس لیے کہ عشر کا تعلق حقیقی پیداوار کے ساتھ ہے تو مکرر پیداوار میں عشر کا وجوب بھی مکرر ہوگا۔



خودرو گھاس اور پودوں کا عشر

سوال نمبر(15):

ایک زمین میں فصل کے علاوہ بغیر کاشت کے اُگنے والے پودے اور گھاس بہت زیادہ ہیں۔ کاشتکار اس گھاس وغیرہ کی رکھوالی اور دیکھ بھال بھی کرتا ہے اور بعد میں کاٹ کر ایسی کو فروخت کرتا ہے۔ تو کیا ایسی خودرو پیداوار میں عشر واجب ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خودرو گھاس میں عشر واجب نہیں ہوتا،لیکن جب اس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر کے آمدنی کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسی صورت میں اس کی آمدنی میں عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فلاعشر في الحطب، والحشيش، والقصب ......ولو كان يقطعه ،ويبيعه، يجب فيه العشر.(٢)

ترجمہ: لکڑی، گھاس اور بانس میں عشر نہیں۔۔۔۔البتہ اگر اس کو کاٹے اور بیچے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

(١) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة،فصل في شرائط المحلية:٢/٥١٤

(٢)الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،الباب السادس في زكوة الزرع والثمار:١/١٨٦

ٹیکس دہندہ کاشت کار کی زمین میں عشر

سوال نمبر(16):

اگر کسی زمین پر حکومت کی طرف سے ٹیکس لگایا جائے اور زمیندار حکومت کو ٹیکس ادا کرے تو کیا ایسی زمین کی پیداوار پر عشر کی ادائیگی واجب ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

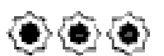
ٹیکس اور عشر میں فرق ہے۔ اگر حکومت کسی کاشت کار سے ٹیکس لیتی ہے تو اس کی وجہ سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔ اگر حکومت کے پاس عشر کی وصولی اور اس کے مصرف کا صحیح انتظام ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اپنا عشر حکومتی ٹیکس کے علاوہ ادا کرنا ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

و أما سلاطین زماننا الذین إذا أخذوا الصدقات، والعشور، والخراج، لایضعونها مواضعها ...... فأما الزکوۃ والصدقات، فإنهم لایضعونها في أهلها. وقال أبوبکر الإسکاف: إن جمیع ذلك یسقط و یعطی ثانیا.(۱)

ترجمہ:

اور ہمارے زمانے کے بادشاہ جب زکوۃ یا عشور یا خراج لیتے ہیں تو ان کو اپنی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے۔ پس وہ زکوۃ اور صدقات کو ان کے اہل لوگوں کو نہیں دیتے۔ ابوبکر اسکاف فرماتے ہیں کہ: یہ تمام ساقط ہوکر دوبارہ ادائیگی واجب رہے گی۔



گھریلو استعمال کے لیے اُگائی گئی سبزیوں میں عشر

سوال نمبر(17):

ایک شخص قلیل مقدار میں سبزی کاشت کرتا ہے۔ بمشکل گھر کے استعمال کے لیے کافی ہوتی ہے۔ تو کیا ایسی

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في من له المطالب بأداء الواجب: ۴۴۹/۲

فصل میں عشر واجب ہوگا، جو گھر کے افراد کے لیے بھی کافی نہ ہو؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عشر زمین کی ہر پیداوار میں واجب ہوتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ، بہر حال عشر واجب ہوگا۔

صورت مسئولہ میں اگر چہ اپنے خاندان کے افراد کے لیے مذکورہ فصل کافی نہ ہو۔لیکن زمین سے حاصل ہونے کی وجہ سے ان سبزیوں میں بھی عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال أبو حنیفةؒ :في قلیل ماأخرجته الأرض ،و کثیره العشر.(۱)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کی کم یا زیادہ پیداوار میں عشر ہے۔

۞۞۞

چشموں کے پانی سے سیراب شدہ زمین میں عشر

سوال نمبر(18):

ہماری زمینیں پہاڑی علاقے میں ہیں ،وہاں پر کاشتکار لوگ چشموں کے پانی کے ذریعے زمین کو سیراب کرتے ہیں تو چشموں کے پانی سے سیراب شدہ زمین کی فصل میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عشر کا دارومدار محنت اور مؤنت پر ہوتا ہے،یعنی جس زمین میں محنت زیادہ ہو اور مالی بوجھ اٹھانا پڑتا ہو تو ایسی زمین میں نصف عشر لازم ہوگا،جبکہ محنت ومؤنت کم ہونے کی صورت میں عشر ادا کرنا واجب ہوگا،چونکہ

---

(۱)الهدایة، کتاب الزکوة،باب زکوة الزروع والثمار:۱/۲۱۷

چشموں سے سیراب ہونے والی زمین میں محنت اور مالی بوجھ وغیرہ کم اٹھانا پڑتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ثم ماء العشر ماء البئر التي حفرت في أرض العشر، وماء العين التي تظهر في أرض العشر، وكذالك ماء السماء، وماء البحار العظام عشري. (۱)

ترجمہ:

عشر کا پانی اور اس کنویں کا پانی جو عشری زمین کو سیراب کرے اور چشمے کا پانی، بارش کا پانی اور بڑے دریاؤں کا پانی جن سے عشری زمین سیراب کی جائے، یعنی ان تمام طریقوں سے سیراب ہونے والی فصل میں عشر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

❁❁❁

ٹیوب ویل والی زمین کا عشر

سوال نمبر(19):

اگر ٹیوب ویل کے ذریعے زمین سیراب کی جائے جس میں بجلی کے بل کے علاوہ دیگر اخراجات بھی ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس صورت میں اس زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہوگا یا نصف عشر؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیوب ویل کے ذریعے جو زمین سیراب کی جاتی ہے، اس پر بجلی کے بل کے علاوہ دیگر اخراجات بھی آتے ہیں، لہٰذا جس زمین کی آب پاشی پر مالی اخراجات اور مشقتیں اٹھانی پڑیں تو ایسی زمین میں نصف عشر واجب ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اخراجات کی وجہ سے نصف عشر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۱۸۶، ۱۸۷

والدّلیل علیٰ ذلك:

وماسقي بالدولاب، والدالية، ففيه نصف العشر، وإن سقي سيحا، وبدالية يعتبر أكثر السنة، فإن استويا يجب نصف العشر. (١)

ترجمہ:

اور جو کھیت رہٹ یا ڈول سے سیراب کیا جاتا ہو تو اس کی فصل میں نصف عشر واجب ہوگا اور اگر چشمے کے پانی اور ڈول (دونوں) سے سیراب کیا تو سال کے اکثر حصے کا اعتبار ہوگا، اگر دونوں برابر ہوں تو نصف عشر واجب ہوگا۔

❁❁❁

کاٹی گئی لکڑیوں میں عشر

سوال نمبر(20):

جو درخت انسان خود لگاتے ہیں، پھر ان کی دیکھ بھال کرنے کے بعد ان سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتے ہیں تو ایسی لکڑیوں میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

چونکہ درختوں کی لکڑیاں عام طور پر زراعت میں مقصود نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان میں پیداوار کی نیت ہوتی ہے، اس وجہ سے ان میں عشر واجب نہیں، تاہم اگر درخت صرف اس مقصد کے لیے لگائے جائیں کہ ان سے لکڑی کاٹ کر آمدنی حاصل کروں گا اور اس کی نگرانی پیداوار بڑھانے کی نیت سے ہو تو پھر ایسے درختوں کی لکڑیوں میں عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

أماالحطب، والقصب، والحشيش لاتستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها، حتى لواتخذها مقصبة، أومشجرة، أومنبتاللحشيش يجب فيها العشر. (٢)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ١/ ١٨٦

(٢) الهداية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ١/ ٢١٨

ترجمہ:

لکڑی، بانس اور گھاس وغیرہ جو کہ باغات وغیرہ میں عادتاً بالقصد نہیں اگائے جاتے، بلکہ ان سے باغات کو صاف کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر باغ، بانس یا درخت یا گھاس اگانے کی نیت سے حاصل کیا جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

❁❁❁

عشر کی رقم مسجد میں استعمال کرنا

سوال نمبر (21):

ایک شخص نے گندم کی فصل سے عشر نکال کر اس کی قیمت پر مسجد کے لیے پنکھا خریدا، چونکہ عشر کے لیے تملیک کی ضرورت ہوتی ہے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس نے دوسرے آدمی سے پنکھے کی تملیک کروا کر مسجد میں لگوایا کیا ایسی صورت میں عشر ادا ہو جائے گا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

چونکہ زکوۃ وعشر میں تملیک واجب ہوتی ہے، اس لیے اس کو مسجد یا رفاہی ادارے میں صَرف کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی غریب کو مالک بنائے اور وہ بخوشی مسجد وغیرہ میں صَرف کردے تو عشر کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہو سکتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر عاشر (عشر دینے والا) عشر کی قیمت سے پنکھا خرید کر دوسرے غریب شخص کے قبضہ میں دے کر باقاعدہ مالک بنادے اور وہ بخوشی مسجد کے لیے وقف کردے تو ایسی صورت میں عشر کی ادائیگی ہو جائے گی، لیکن اس میں فقیر کو اس پر آگاہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی ضروریات کو بالائے طاق رکھ کر ثواب کی نیت سے پنکھا مسجد کو دے رہا ہے، ورنہ محض حیلہ کا سہارا لینا مفید نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والحيلة في الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدارزكوته على فقير،ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة ،وللفقير ثواب هذه القرب.(۱)

(۱)البحر الرائق،كتاب الزكوة،باب المصرف،تحت قوله(وبناء مسجد) : ۲/ ٤٢٤

ترجمہ:

اوران چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ زکوۃ کی مقدار فقیر کو دے دے، پھر اس کو اس کے بعد حکم دے دے کہ وہ یہ زکوۃ ان مصارف میں خرج کرے تو صاحبِ مال کو زکوۃ کا ثواب ملے گا اور فقیر کو اس نیکی کا ثواب ملے گا۔

❁❁❁

بھوسہ اور چارہ میں عشر

سوال نمبر(22):

بسا اوقات گندم سے بھوسہ کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ آیا ایسی صورت میں بھوسہ سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا؟ اور اگر ایک شخص زمین میں چوپایوں کے لیے چارہ بوئے تو اس میں عشر ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ گندم یا مکئی کی زراعت سے مقصود غلہ کی پیداوار ہے، بھوسہ وغیرہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی گندم کاشت نہیں کرتا، لہٰذا عشر یا نصف عشر کا وجوب غلہ تک محدود رہے گا، یہ الگ بات ہے کہ بسا اوقات بھوسہ کی قیمت ضرورت کی وجہ سے غلہ کی قیمت سے بڑھ جاتی ہے، لیکن مقصود بالزرع نہ ہونے کی وجہ سے عشر کے وجوب سے یہ مستثنیٰ رہے گا، البتہ اگر کہیں معاشرتی حالات کی وجہ سے غلہ سے بھوسہ کی ضرورت زیادہ محسوس ہوئی، یہاں تک کہ لوگ زمین میں بھوسہ کی نیت سے گندم کاشت کرتے ہوں اور دانہ تیار ہونے سے قبل یہی گندم کاٹ کر حیوانات کو کھلائی جاتی ہو تو پھر اس صورت میں عشر یا نصف عشر بھوسہ میں واجب رہے گا، جیسا کہ بعض علاقوں میں مکئی کی کاشت صرف حیوانات کی ضرورت کے پیشِ نظر کی جاتی ہے اور دانے کے ظہور سے قبل ہی حیوانات کو بطورِ چارہ کھلائی جاتی ہے، اس لیے اس میں عشر یا نصف عشر واجب رہے گا، جیسا کہ ابن ہمامؒ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وإنما لم يجب في التبن ؛لأنه غير مقصود بزراعة الحب غير أنه لو حصده قبل انعقاد الحب وجب العشرفيه ؛لانه صارهو المقصود. (۱)

ترجمہ: بے شک بھوسہ میں عشر اس لیے واجب نہیں ہوتا کہ یہ دانے بونے سے مقصود نہیں ہوتا، تاہم اگر کہیں دانے

(۱) فتح القدير، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۲/ ۱۹۰

سے قبل کاٹ لیا جائے تو پھر عشر یا نصف عشر واجب رہے گا، کیونکہ ابھی زراعت کا مقصد ہی بھوسہ ہے۔

❁❁❁

کھیت کے کنارے پر لگایے گئے درخت میں عشر

سوال نمبر (23):

کھیت کے کنارے یا کھیت سے متصل نالے کے کنارے پر درخت لگائے جاتے ہیں جن کی حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ جب یہ کاٹ کر فروخت کر دیے جائیں تو ان کی قیمت میں عشر ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی کھیت کے کناروں پر یا اس کے نالوں سے متصل جو جھاڑی بوٹیاں، خودرو گھاس یا خود بخود قدرتی طور پر اُگنے والے پودے ہوں، وہ زمین کے تابع شمار ہو کر اُن میں عشر واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ درخت جو کھیتوں کے کنارے سایہ کے حصول کے لیے یا گھریلو ضروریات جیسے ایندھن وغیرہ کی غرض سے اُگائے جاتے ہوں اُن میں بھی عشر واجب نہ ہوگا، تاہم اگر کھیت یا نالوں کے کنارے درختوں کے لیے زمین باقاعدہ تیار کی جائے، اور فروخت کی نیت سے اُس میں درخت اُگائے جائیں تو مقصود بالزرع ہونے کی وجہ سے اِن میں عشر واجب ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

حتی لو استنمت(الأرض) بقوائم الخلاف والحشیش والقصب، وغصون النحل أو فیها دلب أو صنوبر ونحوها، وکان یقطعه ویبیعه یجب فیه العشر.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص بید کے درختوں، گھاس، بانس اور کھجور کی شاخوں سے پیداوار فائدہ حاصل کرتا ہو، یا زمین میں چنار یا صنوبر یا اس قسم کے دیگر درخت ہوں جنہیں وہ کاٹ کر بیچتا ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوة، الباب السادس في زکوة الزرع والثمار: ۱/۱۸۶

تمباکو کی پیداوار میں عشر

سوال نمبر(24):

جولوگ تمباکو کی زراعت کرتے ہیں۔تو ان پر تمباکو کی پیداوار میں عشر دینا واجب ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ وجوب عشر کا مدار اس بات پر ہے کہ جو پیداوار زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جائے اس میں عشر واجب نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ عشر گندم میں واجب ہے بھوسہ میں نہیں۔کیوں کہ گندم ہی کے لیے زمین کی کاشت کی جاتی ہے،بھوسہ تبعاً حاصل ہوتا ہے۔اگر کہیں کسی نے گھاس ہی کے لیے زمین کی کاشت کی ہو تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا۔

اس اصول کے تحت چونکہ تمباکو کو بطور فصل کاشت کی جاتی ہے اور وہ مقصود ہوتا ہے۔تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

تاہم چونکہ تمباکو کا استعمال ہیروئن،افیون،مارفین،چرس اور بھنگ وغیرہ نشہ آور اور مہلک اشیا میں ہوتا ہے،اس لیے شریعتِ مطہرہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی اور اس کی ذخیرہ اندوزی،ترسیل یا کاروبار یا اس معاملے میں کسی درجہ میں معاون کا کردار ادا کرنے یا آلۂ کار بننے سے روکتی ہے۔معاشرتی حالات کو دیکھتے ہوئے ان اشیا کے نقصانات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے،اس لیے علامہ ابن عابدینؒ کی رائے کے مطابق ان اشیا کی کاشت اور خرید و فروخت مکروہ ہے۔

والدلیل علی ذلک:

قال أبو حنيفةؒ :في قليل ماأخرجته الأرض ،و كثيره العشر.(١)

ترجمہ:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زمین کی کم یا زیادہ پیداوار میں عشر ہے۔

(وصح بيع غير الخمر) مما مر، ومفاده صحة بيع الحشيشة والأفيون.قلت :وقد سئل ابن نجيم عن بيع الحشيشة هل يجوز؟،فكتب لايجوز،فيحمل أن مراده بعدم الجواز عدم الحل .قال

(١)الهداية،كتاب الزكوة،باب زكوة الزروع والثمار:١/٢١٧

ابن عابدین: ثم إن البیع وإن صح لکنه یکره کما في الغایة (۱)

ترجمہ: اور شراب کے علاوہ جن چیزوں کا تذکرہ ہوا، ان کی بیع صحیح ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع جائز ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ سے حشیش (خشخاش) کی بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا: جائز نہیں ہے، یعنی حلال نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس کی بیع کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

❁❁❁

عشر دیتے وقت اخراجات منہا کرنا

سوال نمبر (25):

عشر نکالتے وقت زمین کی کاشت پر کیے گئے اخراجات اور ملازمین کی اجرت وغیرہ نکال کر عشر واجب ہے یا تمام پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زمین سے حاصل شدہ کل پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ فصل کی تیاری تک ہونے والے جملہ اخراجات کو منہا کر کے عشر ادا کرنے کی شرعاً اجازت نہیں، بلکہ مجموعی پیداوار سے عشر ادا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ عشر اور نصف عشر کا مدار خرچہ ومحنت پر ہے۔ جب خرچہ منہا کیا جائے تو پھر نصف عشر کا فائدہ کیا؟ پھر تو ہر صورت میں عشر ہی دینا پڑے گا، جبکہ احادیث میں ان دونوں میں فرق کرنے کو کہا گیا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وکل شيء أخرجته الأرض ممافیه العشر، لایحتسب فیه أجر العمال، ونفقة البقر؛ لأن النبي ﷺ حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة، فلامعنی لرفعها. (۲)

ترجمہ: ہر وہ چیز جس کو زمین نے اگایا ہو اور اس میں عشر واجب ہو تو اس میں کام کرنے والوں کی اجرت اور بیلوں کا چارہ شمار نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ حضور ﷺ نے مشقتوں کے تفاوت کی وجہ سے واجبات کے تفاوت کا حکم دیا ہے، پس خرچہ شمار نہ کرنا صحیح نہیں۔

(۱) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الأشربة: ۳۵/۱۰

(۲) الهدایة، کتاب الزکوة، باب زکوة الزروع والثمار: ۲۱۹/۱

پیداوار میں عشر ونصفِ عشر کا مدار

سوال نمبر(26):

اگر کھیت دریا کے کنارے سے کچھ فاصلے پر ہو، دریا سے ندی کے ذریعے اسے سیراب کیا جاتا ہو، آب پاشی کے تمام اخراجات مالکِ زمین برداشت کرتا ہو یا ملازم کے ذریعے آب پاشی کرواتا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا یا نصفِ عشر؟ کیوں کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ چونکہ پانی دریا کا ہے اور حدیث شریف کے مطابق اس میں عشر ہونا چاہیے، لیکن دوسری طرف اس میں عمل، محنت اور خرچہ کا بھی دخل ہے، اس کو مدِ نظر رکھ کر نصف عشر معلوم ہوتا ہے

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ زمین کی پیداوار میں عشر یا نصفِ عشر کا مدار مشقت اور خرچ پر ہے، اگر زمین بارش یا قدرتی چشموں کے ذریعے براہِ راست بغیر کسی مشقت کے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا، لیکن اگر کسی اور طریقے سے سیراب ہوتی ہو جس میں بوجھ، خرچ اور مشقت کو بھی دخل ہو تو پھر نصفِ عشر واجب ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ مالکِ زمین خود محنت کرتا ہے یا کسی کو اجرت دے کر زمین کی آب پاشی کرواتا ہے تو اس صورت میں نصفِ عشر واجب ہو گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ثم ماء العشر ماء البئر التي حفرت في أرض العشر، وماء العين التي تظهر في أرض العشر، و كذلك ماء السماء، وماء البحار العظام عشري.(١)

ترجمہ:

پھر عشر کے پانی سے مراد ایسے کنووں کا پانی ہے جو عشری زمین میں کھودے گئے ہوں اور ان چشموں کا پانی جو عشری زمین میں ظاہر ہوں، اس طرح بارش کا پانی اور بڑے دریاؤں کا پانی بھی عشری ہے۔

قوله: (لكثرة المؤنة) علة لوجوب نصف العشر فيما ذكر، ولو رفعت المؤنة كان الواجب

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ١٨٦/١، ١٨٧

واحداً، وهو العشر دائماً .(۱)

ترجمہ:

جس طرح ذکر ہوا کہ نصف عشر کے وجوب کی وجہ کثرتِ مشقت کا ہونا ہے۔ اگر مشقت ومحنت ختم ہو تو پھر ہمیشہ کے لیے عشر ہی واجب ہوگا۔

❁❁❁

جنریٹر کے ذریعے سیراب ہونے والی زمین میں عشر

سوال نمبر(27):

کسی کھیت کی آب پاشی کے لیے اگر جنریٹر استعمال ہوتا ہو جس میں کھیت کا مالک تیل کے علاوہ مزید کچھ اخراجات بھی برداشت کرتا ہو تو اس صورت میں آمدنی پر عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات کے مطابق جس کھیت کی زراعت میں آب پاشی کے لیے محنت وبوجھ اٹھانا پڑے، اس میں نصف عشر واجب ہوگا۔ جب کہ جنریٹر کے ذریعے آب پاشی کی صورت میں مالی خرچ کسی سے مخفی نہیں، اس لیے اس میں نصفِ عشر واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وما سقي بالدولاب والدالية، ففيه نصف العشر، وإن سقى سيحاً وبدالية يعتبر أكثر السنة، فإن استويا يجب نصف العشر.(۲)

ترجمہ:

جس (کھیتی یا پھل دار درخت) کو رہٹ یا چرخہ سے پانی دیا جائے تو اس میں نصفِ عشر واجب ہوگا اور اگر چشمہ اور چرخہ دونوں سے پانی دیا جائے تو اکثر سال کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں کا عرصہ برابر ہو تو نصفِ عشر واجب ہوگا۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۲۶۸/۳، ۲۶۹

(۲) الفتاوی الهندية، کتاب الزکوة، باب زکوة الزروع والثمار: ۱۸۶/۱

عشر میں پانی کا اعتبار کرنا

سوال نمبر (28):

ایک زمین کو پہلے بارانی پانی سے سیراب کیا جاتا تھا، لیکن امسال بارش کی کمی کی وجہ سے جنریٹر کے ذریعہ کنواں چلانے کی ضرورت پیش آئی تو کیا سابقہ حساب سے پورا عشر ادا کیا جائے گا یا نصف عشر؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عشر کا تعلق پانی سے ہے۔ فصل جس پانی سے بھی سیراب ہوتی ہو اسی کے مطابق عشر واجب ہوگا۔ اصل علت پانی کی نوعیت ہے، یہی وجہ ہے کہ بارانی پانی سے سیراب کی جانے والی زمین پر خرچ کم ہونے کی وجہ سے عشر ہے جب کہ ٹیوب ویل سے آب پاشی کی صورت میں مالی بوجھ اٹھانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے نصفِ عشر ہے۔

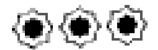
صورتِ مذکورہ میں جنریٹر کے ذریعے کنواں چلانے سے مالی بوجھ بڑھ جانے کی وجہ سے نصفِ عشر دینا پڑے گا۔ زمین کا پہلے بارانی ہونا نصفِ عشر پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وماسقي بالدولاب والدالية، ففيه نصف العشر، وان سقى سيحاً وبدالية يعتبرأكثرالسنة، فإن استويايجب نصف العشر.(۱)

ترجمہ:

جس (کھیتی یا پھل دار درخت) کو رہٹ یا چرخہ سے پانی دیا جائے تو اس میں نصفِ عشر واجب ہوگا اور اگر چشمہ اور چرخہ دونوں سے پانی دیا جائے تو اکثر سال کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں کا عرصہ برابر ہو تو نصفِ عشر واجب ہو گا۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۱۸۶

شفتل (چارہ) میں عشر

سوال نمبر(29):

مالکِ کھیت نے اپنے کھیت میں شفتل (چارہ) اُگایا ہوتو کیا اس میں عشر ہے؟ اگر ہے تو ادائیگی عشر کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس میں عشر/نصف عشر دینا لازم ہے، اس میں نصاب کا پورا ہونا ضروری نہیں، لہٰذا پیداوار کا حساب کر کے اس میں عشر یا نصفِ عشر فقرا اور مستحقین کو دینا چاہیے۔

صورتِ مسئولہ میں شفتل (چارہ) جو کہ باقاعدہ طور پر اُگایا جاتا ہے اور پھر اسے کاٹ کر استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس میں عشر دینا لازم ہے، کیوں کہ اس سے زمین کا استغلال پایا جاتا ہے۔

تاہم اگر زمین سیرابی ہو تو نصفِ عشر اور اگر بارانی ہو تو عشر کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ پھر چونکہ یہ بار بار کاٹا جاتا ہے تو چاہیے کہ کاٹتے وقت ہر بار عشر ادا کرتا رہے، ورنہ مجموعی آمدنی کا حساب کر کے عشر یا نصفِ عشر ادا کیا جائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

لما قال أبي بكر بن علي بن محمدؒ: أما إذا اتخذ أرضه مقصبة، أو مشجرة، أو منبتاً للحشيش وساق إليه الماء، ومنع الناس منه يجب فيه العشر.(۱)

ترجمہ:

اور اگر کسی نے اپنی زمین میں بانس یا درخت یا گھاس کاشت کی اور پانی سے سیراب بھی کرتا رہا اور لوگوں کو اس سے منع بھی کرتا رہا تو اس میں عشر واجب ہے۔



(۱) أبي بكر بن علي بن محمد، الجوهرة النيرة، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۲۰۷، دارالكتب العلمية بيروت لبنان

سبزیوں اور پھلوں میں عشر

سوال نمبر (30):

زمین کی ایسی پیداوار جس کا ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا، جیسے پھل، سبزیاں وغیرہ تو ان میں عشر ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر کے وجوب کے لیے اس چیز میں لمبی مدت تک باقی رہنے کی صفت کا پایا جانا ضروری ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ہر وہ پیداوار جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر یا نصف عشر کے وجوب کے لیے زمین سے حاصل شدہ پیداوار میں کسی ایسی صلاحیت کا ہونا ضروری نہیں کہ جس کی بنا پر وہ ذخیرہ کی جاسکتی ہو اور آج کل تو ہر قسم کی اشیا کے ذخیرہ کرنے کے معقول انتظامات بھی ہیں، لہٰذا پھل اور سبزیوں میں عشر یا نصفِ عشر واجب رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قال ابن عابدين: قوله (بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيمادون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، وقيل نصفه، وفي الخضروات التي لاتبقى، وهذا قول الإمام، وهو الصحيح.(۱)

ترجمہ:

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: اس قول (بغیر نصاب اور بقا کی شرط کے) کا مطلب یہ ہے کہ نصاب سے کم میں بھی (عشر) واجب ہے۔ بشرط یہ کہ ایک صاع کو پہنچ جائے اور بعض نے کہا کہ (نصف صاع) کو پہنچ جائے اور یہ ان سبزیوں میں بھی ہے، جو باقی نہیں رہتی ہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور یہی صحیح ہے۔



(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب العشر:۳/۲٦٥

عشر میں پیداوار کی بجائے قیمت ادا کرنا

سوال نمبر(31):

کاشت کار نے عشر ادا کرنے سے قبل ہی فصل فروخت کر کے رقم وصول کر لی ہے تو کیا اب قیمت سے عشر ادا کیا جاسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی بناپر پیداوار کا عشر ادا نہ کر سکے تو عشر کی مقدار کے برابر قیمت ادا کرنے سے بھی عشر ادا ہو جائے گا۔ لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں اگر کاشت کار نے باغات فروخت کر دیے ہوں تو ان سے حاصل شدہ رقم دینے سے بھی عشر ادا ہو جائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وجاز دفع القیمة في زکوة، وعشر، وخراج، وفطرة، ونذر، وکفارة.(١)

ترجمہ: زکوۃ، عشر، خراج، فطرانہ، نذر اور کفارہ میں قیمت کا دینا جائز ہے۔

❁❁❁

بند باندھنے کی صورت میں مقدارِ عشر

سوال نمبر(32):

اگر لوگ زمینوں کی سیرابی کے لیے بارش کے پانی کو ایک جگہ جمع کرنے کے واسطے بند باندھ لیں اور بند باندھنے کے سوا دوسرا ذریعہ آب پاشی نہ ہو تو بند باندھنے پر کافی خرچہ اور محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس صورت میں عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جس پیداوار کی آب پاشی بغیر کسی خرچ و محنت کے محض قدرتی پانی سے ہو تو اس پیداوار میں عشر

(١) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الغنم: ٣/ ٢١٠، ٢١١

یعنی دسواں حصہ واجب ہوگا اور جس پیداوار کی آب پاشی میں خرچ ومحنت کو دخل ہو تو اس پیداوار میں نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ فقہاے کرام کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر ونصف عشر کا دارومدار پانی اور مشقت پر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں زمین کی سیرابی کے لیے بارش کے پانی کو ایک جگہ جمع کرنے کے سوا اگر کوئی اور چارہ نہ ہو اور بند باندھنے کی صورت میں لوگ لازمی اخراجات کرتے ہوئے زمین کی آب پاشی کے لیے پانی حاصل کرتے ہوں تو پھر پیداوار میں نصفِ عشر لازم آئے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قولہ:(لکثرۃ المؤنۃ)علۃ لوجوب نصف العشرفیماذکر.... ولو رفعت المؤنۃ کان الواجب واحداً وھوالعشر دائماً.(۱)

ترجمہ:

جس طرح ذکر ہوا کہ نصفِ عشر کے وجوب کی وجہ کثرت مشقت کا ہونا ہے۔ اگر مشقت ختم ہو تو پھر ہمیشہ کے لیے عشر ہی واجب ہوگا۔

❁❁❁

پھل دار درختوں کے تنوں میں عشر

سوال نمبر(33):

ایک شخص کا پھل دار درختوں کا باغ ہو اور باقاعدگی سے پھلوں کا عشر ادا کرتا ہو۔ پھلوں میں ادائیگی عشر کے بعد وہ درختوں کو بطورِ ایندھن استعمال کرنے کے لیے کاٹ دے تو کیا ان درختوں میں بھی عشر لازم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

علماے احناف کے نزدیک عشر زمین کی اس پیداوار میں واجب ہوتا ہے جو پیداوار میں مقصود ہو۔ پھل دار درختوں کی پیداوار سے مقصود پھل ہوتے ہیں، لکڑیاں نہیں، اس لیے پھلوں میں تو عشر واجب ہوگا، جبکہ لکڑیاں پھلوں کے تابع ہوتی ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں درختوں میں عشر واجب نہ ہوگا۔

---

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب العشر:۳/۲۶۸،۲۶۹

والدّلیل علیٰ ذلک:

كذا التبن، لاشيء فيه أيضاً؛ لأنه ساق الحبوب كالشجر للثمار، ولأن المقصود غيرهما وهو الثمر.(۱)

ترجمہ:

اسی طرح بھوسے میں بھی کچھ نہیں، کیوں کہ یہ غلے کے لیے تنا ہے، جس طرح پھلوں کے لیے درخت ہے اور اس لیے کہ مقصود ان دونوں کے علاوہ ہے جو کہ پھل ہے۔

❁❁❁

پیداوار کے طور پر مقصود گھاس میں عشر

سوال نمبر(34):

اگر کوئی آدمی کھیت میں جانوروں کے چارہ کے لیے گھاس کاشت کرے تو اس میں عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عشر زمین کی ہر اس پیداوار میں واجب ہے جس کے بونے سے حصول نفع کی نیت اور قصد کیا گیا ہو۔ چاہے اس کو کاٹ کر فروخت کیا جائے یا جانوروں کو کھلایا جائے۔ جانوروں کے چارہ کے لیے جو گھاس کاشت کی جاتی ہے، اس میں مقصد گھاس کا حصول ہی ہوتا ہے، اس لیے اس گھاس میں عشر یا نصف عشر لازم آتا ہے۔ اسی طرح ٹریکٹر اور دیگر اخراجات اس سے منہا نہیں کی جائیں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

أما الحطب، والقصب، والحشيش لاتستنبت في الجنان عادة، بل تنقى عنها، حتى لو إتخذها مقصبة، أو مشجرة، أو منبتاً للحشيش، يجب فيها العشر.(۲)

---

(۱) الجوهرة النيرة، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۳۰۷

(۲) الهداية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۲۱۸

ترجمہ: رہی ایندھن کی لکڑی اور نرکل اور گھاس تو عادتاً یہ چیزیں باغوں میں نہیں اگائی جاتیں، بلکہ باغوں کو ان سے پاک کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مالک نے نرکل، درخت یا گھاس کو مقصود بنا کر کاشت کیا تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

❁❁❁

زمین پر شجرکاری میں عشر

سوال نمبر (35):

اگر کسی مالکِ زمین نے ایک کنال اراضی پر شجرکاری کی، پھر وہ سردی کے موسم میں ان درختوں کی شاخ تراشی کرکے ان کو فروخت کر دیتا ہے تو ان تراش شدہ شاخوں میں عشر ادا کرنا زمین دار پر لازم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عشر کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص زمین پر شجرکاری کرے اور اس سے اس کا مقصد لکڑیاں وغیرہ حاصل کرنا ہو تو پھر اس میں عشر واجب رہے گا، البتہ اگر یہ درخت خود بخود اُگ چکے ہوں تو اس صورت میں عشر واجب نہ ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ درخت فصل کے طور پر کاشت کیے گئے ہیں، اس لیے ان درختوں میں عشر یا نصف عشر لازم ہوگا اور تراش شدہ شاخیں بھی پیداوار میں شمار ہوتی ہیں، ان میں بھی عشر لازم ہوگا، تاہم اگر درخت کی کاشت سے مقصود ایندھن کا حصول نہ ہو، بلکہ تبعاً مقصود ہو جو دیگر امور کے لیے حاصل کیا جاتا ہو تو اس صورت میں مقصود بالزرع نہ ہونے کی وجہ سے شاخوں میں عشر لازم نہ ہوگا جیسا کہ بھوسہ وغیرہ۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

أما الحطب، والقصب، والحشیش لاتستنبت في الجنان عادة، بل تنقی عنها، حتی لو إتخذها مقصبة، أو مشجرة، أو منبتاً للحشیش، یجب فیها العشر. (۱)

ترجمہ: رہی ایندھن کی لکڑی اور نرکل اور گھاس تو عادتاً یہ چیزیں باغوں میں نہیں اگائی جاتیں، بلکہ باغوں کو ان سے پاک کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مالک نے نرکل، درخت یا گھاس کو مقصود بنا کر کاشت کیا تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

(۱) الھدایۃ، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الزروع والثمار: ۱/۲۱۸

مباح پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں عشر

سوال نمبر(36):

اس مسئلہ کے متعلق مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں کہ اگر کسی علاقے میں زمین دار اپنی زمینوں کو کسی دریا یا نہر وغیرہ کے پانی سے سیراب کرتے ہوں جس پر حکومت پانی کا کوئی ٹیکس ان سے وصول نہ کرتی ہو تو ایسی زمینوں سے عشر ادا کیا جائے گا یا نصف عشر؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عشر یا نصفِ عشر کا دارومدار محنت اور مشقت پر ہے۔ اگر کسی زمین کی آب پاشی نہر یا دریا وغیرہ سے کی جاتی ہو اور اس میں محنت اور مشقت زیادہ ہو تو اس کی پیداوار میں نصفِ عشر ہے، چاہے حکومت آبیانہ وصول کرے یا نہ کرے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ زمین کی آب پاشی نہر یا دریا سے کی جاتی ہے اور زمین دار کو باقاعدہ طور پر زمین کی سیرابی کے لیے نمبرواری سلسلہ کے علاوہ نالے کے ذریعے نہر یا دریا سے پانی لا کر کھیتوں کی سیرابی میں کافی محنت اور مشقت درپیش ہوتی ہے، اس لیے اس میں نصفِ عشر واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

تجب العشرفي(مسقی سماء)أي مطر(وسیح) کنهر. قال ابن عابدینؒ :قال في المغرب : ساح الماء سیحاً جری علی وجه الأرض ،ومنه ماسقی سیحاًیعني ماء الأنهاروالأودیة.... فلواشتری ماء بالقرب،أوفي حوض ینبغي أن یقال بنصف العشر؛لأن کلفته ربماتزیدعلی السقي بغرب أو دالیة.(۱)

ترجمہ:

نہری اور بارانی پانی سے سیراب ہونے والی زمین میں عشر واجب ہے۔ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: مغرب میں کہا گیا ہے کہ "ساح الماء سیحاً" سے مراد زمین پر بہنے والا پانی اور اسی طرح وادی یا نہری پانی سے سیراب کیا جائے۔۔۔ پس اگر بڑے ڈول اور حوض میں پانی خریدا گیا تو یہ کہنا چاہیے کہ اس میں نصفِ عشر واجب ہوگا کیونکہ تکلیف

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ،باب العشر:۳/۲۶۵۔۲۶۹

کبھی کبھار ڈول وغیرہ کے ذریعے سیرابی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

❁❁❁

فصل بیچنے کے بعد اس کا عشر ادا کرنے کا طریقہ

سوال نمبر(37):

بسا اوقات زمین دار لوگ عشر نکالے بغیر فصل بیچ دیتے ہیں، مثلاً: گندم منڈی میں بیچ دیں اور بعد میں عشر ادا کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ آیا یہ مال زکوۃ میں داخل ہوگا کہ جس پر سال کا گزرنا ضروری ہو یا پھر عشر ادا کی جائے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعت میں عشر کی ادائیگی علی الفور واجب ہے، اس کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ زمین داروں کو چاہیے کہ فصل کاٹتے وقت ہی سب سے پہلے اس کا عشر ادا کرنے کا خیال رکھیں۔ اس کے بعد فصل بیچیں یا خود استعمال کریں۔ تاہم اگر کسی وجہ سے فصل سے عشر ادا کیے بغیر ہی اس کو استعمال کیا یا بیچ دیا تو اس کی قیمت سے فوری طور پر عشر نکالنا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو باع العنب ،أخذ العشر من ثمنه، و كذلك لو إتخذه عصيراً، ثم باعه، فعليه عشر ثمن العصير....ولا يأكل شيئاً من طعام العشر،حتى يودي عشره.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی نے عشری انگور بیچے تو (صدقہ لینے پر مقرر شخص) اس کی قیمت سے عشر لے گا اور اسی طرح یہی حکم اس صورت میں ہے کہ اگر اس نے انگوروں کا شیرہ نکالا اور پھر اسے بیچا تو اس کے ذمہ شیرے کی قیمت کا عشر لازم ہوگا ---عشری اناج میں سے جب تک عشر ادا نہ کرے، تب تک اس اناج کو نہ کھائے۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب زكوة الزروع والثمار: ۱/۱۸۷

فارمی شہد میں عشر واجب ہونے کی تحقیق

سوال نمبر(38):

قدیم فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک عشری زمین میں شہد پیدا ہونے پر عشر واجب ہوتا، لیکن موجودہ وقت میں شہد ایک مستقل کاروبار کی شکل اختیار کر گیا ہے اور اس میں بڑی تبدیلیاں دیکھی جاتی ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں سے ملنے والے شہد پر کسی تکلیف اٹھانے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جبکہ فارمی شہد میں مستقل سرمایہ لگوانا پڑتا ہے اور پھر اس کے لیے مزدور رکھ کر بڑی محنت کی جاتی ہے، بلکہ مکھیوں کے فارموں والے لوگ مکھیوں کی پیٹیاں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کی مشقت بھی اٹھاتے رہتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں فارم کی مکھیوں میں وہی عشر یا نصف عشر کا اعتبار ہوگا یا اسے اموال تجارت میں ڈال کر زکوۃ کا حکم لگایا جائے گا۔ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قدیم دور میں شہد کی پیداوار کے لیے اس قسم کے ذرائع نہیں تھے جس طرح آج کل باقاعدہ ایک کاروبار کی شکل اختیار کر کے اس سے شہد کی پیداوار کے علاوہ مکھیوں کی افزائش نسل بھی کی جاتی ہے اور اس کے لیے مستقل طور پر پیٹیاں بنا کر مکھیوں کے لیے خوراک کا بندوبست کیا جاتا ہے، پھول اور پتوں کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پیٹیاں منتقل کی جاتی ہیں اور اس میں بڑی سرمایہ کاری ہوتی ہیں۔ جبکہ قدیم ادوار میں صحرا اور جنگلوں میں شہد کی مکھیوں کا چھتہ کہیں مل جاتا یا بسا اوقات لوگ گھروں کے اندر ہی اس کا اہتمام کرتے تھے، جس میں زمین کی حالت کو مدنظر رکھ کر عشر یا نصف عشر واجب ہوتا۔

صورتِ مسؤلہ میں شہد کی مکھیوں کے اس کاروبار سے اس کی قدیم حیثیت کا بدلنا مشکل ہے، یعنی اس کو اموالِ تجارت میں سے شمار کرنا درست نہیں، کیوں کہ اموال تجارت میں شمار کر کے پھر اس میں نصاب کا لحاظ بھی رکھنا ہوگا، جو زکوۃ کے وجوب کے لیے سبب کے درجے میں ہے، جبکہ شہد میں عشر کے وجوب کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نصاب کا کوئی دخل نہیں۔ محنت یا بوجھ برداشت کرنے کی وجہ سے موجودہ وقت میں شہد کی پیداوار قدیم دور سے اتنی حد تک مختلف نہیں، جس سے اس کی حیثیت ہی بدل جائے، کیونکہ اُس وقت بھی گھروں کے اندر ہی شہد کی مکھیوں کی حفاظت کے لیے مستقل طور پر جگہیں بنائی جاتی تھیں اور باقاعدہ ان مکھیوں کی دیکھ بھال بھی کی جاتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کل

اس پر آنے والے اخراجات قدیم دور سے زیادہ ہیں، تاہم بڑھتے ہوئے مشقت یا زیادہ اخراجات کی بنا پر اس کو اموال تجارت میں شمار کر کے اس کی عشری حیثیت ختم کرنا درست نہیں، لہٰذا اب بھی مکھیوں کو جس عشری یا نصف عشری زمین سے رس پلایا جاتا ہو یا اس میں محنت و مؤنت کا عمل دخل کم یا زیادہ ہو تو انہی عناصر کو مدنظر رکھ کر دیگر عشری پیداوار کی طرح اس میں بھی عشر یا نصف عشر واجب رہے گا۔

والدّليل على ذلك:

ماروى أبو عبيد أن عمر بن الخطابؓ قال في عشور العسل ماكان منه في السهل ففيه العشر، وماكان منه في الجبل ففيه نصف العشر. (۱)

ترجمہ:

ابو عبید نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ عشری شہد کے بارے میں فرمایا: جو شہد ہموار زمین میں ہو تو اس میں عشر واجب ہے اور جو شہد پہاڑوں سے حاصل کیا جاتا ہو تو اس میں نصف عشر واجب ہے۔

قال الحصكفيؒ: (يجب) العشر (في عسل) وإن قل (أرض غير الخراج) ولو غير عشرية كجبل ومفازة ...... (بلا شرط نصاب).(۲)

ترجمہ:

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ: غیر خراجی زمین سے حاصل شدہ شہد میں عشر واجب ہے، اگر چہ قلیل ہی کیوں نہ ہو اور اگر چہ یہ زمین بذاتِ خود غیر عشری ہو، جیسے پہاڑ اور جنگل و صحرا۔۔۔۔۔۔ بغیر کسی نصاب کی شرط کے۔

❁❁❁❁❁

(۱) كتاب الأموال: ۴۹۷/۱

(۲) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب العشر: ۲۶۴/۳، ۲۶۵

باب المصارف

مباحث ابتدائیہ

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

زکوٰۃ کی حیثیت چونکہ محض عام انفاق اور انسانی مدد کی نہیں، بلکہ یہ ایک اہم اسلامی عبادت اور شرعی فریضہ ہے، اس لیے شریعت نے اس کے مصارف اور مدات خود متعین کر دیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾(۱)

ترجمہ: بے شک زکوٰۃ فقراء، مساکین، عاملین (زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے کارکنان)، مؤلفۃ القلوب، غلام، مقروض، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے اور مسافروں کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔

مذکورہ آیت میں "حرف لام" اختصاص کے لیے ہے، لہٰذا شریعتِ مطہرہ کی رُو سے صرف مذکورہ مصارف میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ: مذکورہ مصارف کے نام اگرچہ مختلف ہیں، مگر عاملینِ زکوٰۃ کے علاوہ بقیہ تمام مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی حکمت معاشرے سے فقر و احتیاج کو دفع کرنا ہے، البتہ عاملینِ زکوٰۃ اپنی محنت اور کوشش کی وجہ سے غنی ہونے کے باوجود زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔(۲)

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل:

(۱،۲) فقراء و مساکین:

فقیر و مسکین کی اصطلاحات کلامِ عرب میں ہر حاجت مند شخص کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ لفظِ فقیر کا تذکرہ لفظِ مسکین کے بغیر انفراداً ہو جائے تو یہ مسکین کے معنی کو بھی شامل ہوتا ہے۔ یہی کیفیت لفظِ مسکین کی بھی ہے جو تنہا ذکر ہونے کی صورت میں فقیر کو بھی شامل ہوتا ہے، تاہم ایک ہی سیاق، ایک ہی عبارت یا ایک ہی آیت میں دونوں ساتھ ذکر ہو جائیں تو ان کے معانی میں اختلاف کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ خود حنفیہ کے ہاں بھی ان دونوں الفاظ کی تعریف

(۱) التوبة: ٦٠

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ٢/٤٦٥

میں دس بارہ اقوال منقول ہیں، تاہم حنفیہ کے ہاں چونکہ تمام زکوۃ کو مذکورہ مصارف میں سے کسی ایک مصرف میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، اس لیے فقہائے حنفیہ کتاب الزکوۃ میں فقراو مساکین کے درمیان فرق کرنے کی بجائے اس کو ایک ہی جنس شمار کرتے ہیں۔ فائدے کی خاطر مشہور تعریف پیشِ خدمت ہے۔

حنفیہ کے ہاں مشہور قول کے مطابق فقیر وہ شخص ہے، جس کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو، لیکن وہ مال یا تو نصاب کے برابر ہی نہ ہو یا نصاب کے برابر تو ہو، لیکن نامی نہ ہو، بلکہ وہ اس کے ذاتی استعمال میں ہو، لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس کئی نصابوں کے بقدر مال ہو، لیکن وہ اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو وہ ''باب المصارف'' میں فقیر ہی کہلائے گا۔ فقیر کے بارے میں کچھ مزید تفصیل آگے لفظ ''غنی'' کے تحت بھی آجائے گی۔

فقہائے حنفیہ کے ہاں مسکین وہ شخص ہے، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، بلکہ وہ ادنیٰ خوراک اور لباس کے لیے بھی لوگوں کا محتاج ہو، یعنی وہ مالی طور پر اتنا خستہ حال ہو کہ اس کے لیے سوال کرنا بھی جائز ہو۔(۱)

فقیر سے متعلق کچھ ضروری مسائل:

(۱) فقیر، یعنی وہ شخص جو ضروریاتِ زندگی کے علاوہ زائد اشیا کے اعتبار سے صاحبِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک) نہ ہو، وہ زکوۃ لے سکتا ہے، اگرچہ صحت مند اور کمانے والا ہی کیوں نہ ہو۔(۲)

(۲) ذاتی گھر، گھر کا ضروری سامان، خادم، ضروری اسلحہ، ضروری لباس، صاحبِ علم شخص کے لیے مطالعہ کی کتابیں، ضروری سواری کے لیے گھوڑا (سائیکل وغیرہ) زکوۃ لینے میں مانع نہیں۔ اسی طرح امام محمدؒ کے ہاں اگر کسی شخص کے پاس کرایہ کی دکانیں اور مکانات ہوں، لیکن ان کا کرایہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے ناکافی ہو تو اس شخص کے لیے بھی زکوۃ لینی جائز ہے۔ باغات اور کھیتوں کی پیداوار اگر دوسو درہم کے برابر ہو، لیکن وہ سال بھر کی ذاتی ضرورت سے زائد نہ ہو، تب بھی زکوۃ لینی جائز ہوگی۔(۳)

(۳) اگر کسی دوسرے شخص کے ذمے دین ہو، لیکن ادائیگی کے لیے مہلت مقرر ہو، جو ابھی دور ہو اور اسے اپنی ضروریات

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۶۶، ۴۶۷، الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/ ۱۸۷، ۱۸۸، الموسوعة الفقهية، مادة زكوة: ۲۳/ ۳۱۲

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۷۸، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/ ۱۸۹

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۷۷، ۴۷۸

کے لیے رقم مطلوب ہو تو ایسا شخص زکوۃ لے سکتا ہے۔اور اگر قرض مؤجل ہو، لیکن مقروض غربت کی وجہ سے ادا کرنے سے قاصر ہو تب بھی اس کے لیے زکوۃ لینی جائز ہوگی۔یہی حکم اس عورت کا بھی ہے، جس کا مہر مؤجل ہو اور وہ اپنی گزر اوقات کے لیے محتاج وضرورت مند ہو تو ایسی عورت بھی زکوۃ لے سکتی ہے۔(۱)

(۳) عاملین:

عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کو امام المسلمین نے زکوۃ وعشر کی وصولی کے لیے مقرر کیا ہو۔یہ عاملین چونکہ اپنے اوقات غربا اور اہل حاجت کے لیے صرف کرتے ہیں، اس لیے زکوۃ ہی کے مال سے ان کی بھی کفالت کی جاتی ہے، تاہم فقہا نے اس کو اجرت سے تعبیر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو کفالت یا مالی معاونت کہا ہے۔علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ:''اس میں چونکہ اجرت کا بھی شبہ ہے اور صدقہ کا بھی، اس لیے اجرت کی جہت کو دیکھتے ہوئے غنی اور مالدار عامل کے لیے اس کا لینا جائز ہے اور صدقہ کی جہت کو دیکھتے ہوئے ہاشمیوں، یعنی آلِ رسول کے لیے اس کا لینا جائز نہیں''۔وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:''سادات کا بحیثیتِ عامل زکوۃ کام کرنا جائز ہے، تاہم اس کو زکوۃ کی مد سے اجرت دینے کی بجائے کسی اور مد سے اجرت دی جائے''۔سادات عاملین کی اجرت سے متعلق عام فقہا نے مطلقاً''لاتحل'' کا لفظ استعمال کیا ہے، تاہم علامہ ابن نجیم نے بعض فقہا سے ''لاینبغی لہ'' اور ''مکروہ لاحرام'' کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

عاملین کی حیثیت چوں کہ فقرا کی طرف سے نائب اور وکیل کی ہوتی ہے، اس لیے اگر زکوۃ وصول کرنے کے بعد اس سے ضائع ہو جائے تو زکوۃ ادا کرنے والوں کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔فقہاے کرام کے ہاں عاملین کے لیے اجرت کی مقدار مقرر نہیں، بلکہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے مناسب خرچ دیا جائے، تاہم زکوۃ کی نصف مقدار سے زیادہ مقدار نہ دی جائے۔(۲)

(۴) مؤلفۃ القلوب:

اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وہ کفار تھے، جن کے بارے میں امید ہوتی تھی کہ وہ اس طرح کی امداد واعانت سے اسلام قبول کریں گے یا اس سے مراد کفار کے وہ سردار تھے جن کے شر سے بچنا مقصود ہوتا تھا یا وہ

(۱) حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوة، باب المصرف، ص:۵۹۲، البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۰

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/۴۶۸، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، البحرالرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۰، ۴۲۱

نومسلم جن کو ثابت قدم رکھنے کے لیے اور کفار کی طرف سے دی گئی لالچ کو ختم کرنے کے لیے ان کی مالی اعانت کی جاتی تھی۔حنفیہ کے ہاں مؤلفۃ القلوب کی یہ تمام صورتیں بالاجماع منسوخ ہو چکی ہیں۔مؤلفۃ القلوب اب زکوۃ کا مصرف نہیں رہا۔(۱)

(۵) غلام کی آزادی:

قرآن میں ایک مصرف غلاموں کو آزادی دلانا بھی ہے، لیکن اب نہ غلام ہیں اور نہ آزادی کا مسئلہ، اس لیے اس مد کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۶) غارمین:

غارم کا لفظ مقروض اور قرض دہندہ دونوں ہی معنوں میں آتا ہے۔قرض دہندہ کے معنی ہوں تو مراد یہ ہوگی کہ ایسا شخص جس کے دوسرے لوگوں پر قرضہ جات ہوں، لیکن وہ ان کی وصولی پر قادر نہ ہو اور نصاب زکوۃ بھی اس کے پاس نہ ہو اور اگر مقروض مراد ہو تو مقصود وہ شخص ہوگا، جس پر واجب شدہ قرض اس کے مملوکہ مال سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو یا قرض کم ہو، لیکن ادائیگی کے بعد بقیہ مال نصاب کے برابر نہ ہو۔حنفیہ کے ہاں مقروض شخص کو زکوۃ دینا عام فقیر کو زکوۃ دینے سے زیادہ افضل ہے۔(۲)

(۷) فی سبیل اللہ:

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ: فی سبیل اللہ سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں کسی نہ کسی طریقے سے محنت سرانجام دے رہے ہوں، بشرطیکہ وہ محتاج وفقیر ہوں، تاہم اکثر حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد محتاج اور فقرا مجاہد ہیں۔امام محمدؒ کے ہاں اس کا مصداق وہ شخص ہے جس پر پہلے حج فرض ہو چکا ہو اور اب وہ حج ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں علوم دینیہ کے طلبہ کو ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ مراد جو بھی ہو، ہر ایک میں فقر واحتیاج کی قید کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في الذي يرجع إلى المودى إليه: ۲/۴۶۸۔۴۷۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل في الذي يرجع إلى المودى إليه: ۲/۴۷۱، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، الهداية مع فتح القدير، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز: ۲/۲۰۴

(۳) بدائع الصنائع حواله بالا: ۲/۴۷۱، ۴۷۲، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۳/۲۸۹، البحر الرائق، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲/۴۲۲

(۸) ابن السبیل یعنی مسافرین:

مسافر شخص اگرچہ اپنے وطن میں صاحبِ ثروت ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر حالتِ سفر میں محتاج ہو جائے تو زکوۃ لے سکتا ہے۔ اس حالت میں بھی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی سے قرض لے کر ضرورت پوری کر لے، تاہم اگر قرض نہ مل سکے تو بقدرِ حاجت زکوۃ لے سکتا ہے۔ اگر سفر پورا ہونے کے بعد زکوۃ کی کچھ رقم بچ جائے تو اس کو صدقہ کرنا ضروری نہیں۔ فقہائے کرام نے ان لوگوں کو بھی مسافر ہی کے حکم میں رکھا ہے، جو اپنے ہی وطن میں موجود ہوں، لیکن اپنے مال تک ان کی رسائی نہ ہو۔(۱)

کن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں؟

(۱) مالدار، یعنی غنی شخص کو زکوۃ سمیت کوئی بھی "صدقہ واجبہ" دینا جائز نہیں، البتہ صدقاتِ نافلہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ کاسائیؒ نے مختلف احکام کے اعتبار سے غنیٰ، یعنی مال داری کی تین قسمیں ذکر کی ہیں:

(الف) ایسی مال داری (غنا) جس سے زکوۃ واجب ہو جائے۔ اس سے مراد کسی بھی مال نامی کا بقدرِ نصاب مالک ہونا ہے۔ ایسا شخص بالاتفاق زکوۃ نہیں لے سکتا۔

(ب) ایسی مال داری جس سے زکوۃ دینا تو واجب نہ ہو، لیکن زکوۃ لینا حرام ہو جائے۔ اس سے مراد ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس سے کسی آدمی پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہو جائے، یعنی بنیادی ضروریات کے علاوہ بھی اس کے پاس اتنی اشیا موجود ہوں جن کی قیمت نصابِ زکوۃ (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کو پہنچ جائے، بشرطیکہ مذکورہ اشیا نہ تو تجارت کے لیے ہوں اور نہ اس سے مالی افزائش اور بڑھوتری مقصود ہو، یعنی مال نامی کے تحت داخل نہ ہوں۔

(ج) ایسی مالداری جس سے آدمی پر سوال کرنا حرام ہو جائے، البتہ زکوۃ لینا اس کے لیے جائز رہے۔ اس سے مراد وہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک دن رات کے لیے کھانا پینا اور لباس موجود ہو۔ بنیادی طور پر فقہا اسی قسم کو فقیر سے تعبیر کرتے ہیں۔(۲)

(۲) ذمیوں یعنی مسلمانوں کے ملک میں باضابطہ طور پر رہنے والے کافروں کو زکوۃ دینا جائز نہیں، البتہ زکوۃ کے علاوہ بقیہ

---

(۱) الفتاوی الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۲۲

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/۴۷۷-۴۸۰

تمام صدقات واجبہ (صدقہ فطر، کفارات اور نذر وغیرہ) ان کو دیے جاسکتے ہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے، تاہم ان کے ہاں بھی یہ محض جواز کا قول ہے، ورنہ مسلمان فقرا کو دینا ان کے ہاں بھی ذمیوں سے افضل ہے۔

(۳) حربی کافروں یا مستأمنین کو نہ تو زکوۃ دی جاسکتی ہے اور نہ صدقات واجبہ۔(۱)

(۴) حنفیہ کے راجح قول کے مطابق سادات کے لیے زکوۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ لینا جائز نہیں، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک خاندان کی عزت واحترام کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ نے نقل کیا ہے کہ: ''یہ حکم ہر زمانے اور ہر صورت کے لیے ہے، لہٰذا جن فقہا نے سادات کی زکوۃ کو دوسرے سادات پر خرچ کرنے کو جائز کہا ہے، وہ قول درست نہیں''۔

جہاں تک صدقاتِ نافلہ اور موقوفہ اشیا کی بات ہے تو ان کا لینا فقہائے کرام کے ہاں جائز ہے، لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سادات کی ضروریات کو صدقاتِ نافلہ سے پورا کرنا ضروری ہے۔

موجودہ دور میں سادات کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے ان کو بچانے کی خاطر بہتر یہی ہے کہ ان کو زکوۃ کی رقم دینے کی بجائے دوسرے مدات کا انتظام کیا جائے، انفرادی طور پر لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ سادات کے ساتھ تعاون کریں۔(۲)

(۵) زکوۃ دینے والے اور وصول کرنے والے کے درمیان ایسا رشتہ نہ ہو جس کی وجہ سے ان کے اموال باہم مشترک سمجھے جاتے ہوں، تاکہ زکوۃ کا مال اپنی ہی ملکیت میں آنے کی بجائے معاشرے کے دیگر حاجت مند افراد تک پہنچ جائے لہٰذا والدین، تمام آبائی سلسلے اور اولاد کے تمام سلسلے کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح اپنی بیوی کو زکوۃ دینا بھی بالاجماع جائز نہیں، البتہ بیوی اپنے شوہر کو دے سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس میں امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ نہیں دے سکتی، جبکہ بعض دوسرے فقہا اور صاحبین کے ہاں دے سکتی ہے۔ اکثر فقہائے احناف نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ زنا سے پیدا شدہ اولاد کے بارے میں عالمگیری نے لکھا ہے کہ زکوۃ نہ دینے میں ان کا حکم بالکل حلال اولاد جیسا ہے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۸۰_۴۸۲، الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱/ ۱۸۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۸۲، ۴۸۳، البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/ ۴۲۹_۴۳۰

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/ ۴۸۳، ۴۸۴، الفتاوى الهندية، الباب السابع، في المصارف: ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹

(۶) عام رفاہی کاموں، یعنی مساجد، پلوں، مسافر خانوں اور سڑکوں کی تعمیر، میت کی تجہیز و تکفین، مہمان نوازی وغیرہ میں زکوۃ کا مال خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح حج یا جہاد کی تیاری یا میت کے قرضے کی ادائیگی کے لیے بھی زکوۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ مذکورہ اشیا میں ''تملیکِ زکوۃ'' کی شرط نہیں پائی جاتی۔(۱)

(۷) مالدار شخص کے نابالغ بچوں کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، البتہ مال دار شخص کے تنگ دست اور بالغ بیٹے، بیٹی اور بیوی کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح کسی مالدار بیٹے کے فقیر باپ کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ: اگر مال دار شخص کی بیوی کے لیے قاضی نے شوہر کے مال میں نفقہ مقرر کر دیا ہو تو اس کو زکوۃ نہیں دی جائے گی۔(۲)

(۸) مجنون اگر تنگ دست ہو تو اس کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے، تاہم اس کے لیے اس کا باپ یا کوئی اور ولی یا رشتہ دار زکوۃ قبض کر سکتا ہے۔ قبض کرنے کا یہی اصول نابالغ بچے کے حق میں بھی ہے۔(۳)

لاعلمی میں کسی غیر مصرف شخص کو زکوۃ دینے کا حکم:

(۱) اگر کوئی شخص تحقیق اور قلبی اطمینان کے حصول کے بغیر ہی کسی شخص کو زکوۃ دے دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر بعد میں یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ وہ مصرف مذکورہ بالا شرائط کے مطابق نہیں تھا تو اس پر اعادۂ زکوۃ واجب ہے اور پہلی دی ہوئی زکوۃ نفل شمار ہو جائے گی جس کا واپس لینا اس کے لیے جائز نہیں۔

(۲) اگر کسی شخص کے دل میں پہلے ہی سے کسی مصرف کے بارے میں شک ہو، لیکن اس نے چھان بین اور تحقیق کے بغیر اس کو زکوۃ دے دی تو اس کی یہ زکوۃ جائز نہیں، البتہ اگر بعد میں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ مصرف صحیح ہے تو زکوۃ درست ہو جائے گی۔

(۳) اگر کسی شخص نے زکوۃ دیتے وقت خوب تحقیق کی اور لوگوں سے بھی مصرف کے بارے میں پوچھ گچھ کی یا کسی شخص کو فقیرانہ لباس میں سوال کرتے دیکھا یا اس کو فقرا کے صف میں کھڑا دیکھا جس کے بعد اس کا دل مصرف کے استحقاق کے بارے میں مطمئن ہو گیا اور اس نے زکوۃ دے دی تو بعد میں اگر وہ مصرف غلط نکلا، تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، مثلاً قلبی اطمینان کے بعد زکوۃ دے دی، پھر وہ شخص مالدار، ہاشمی، کافر، والد، بیٹا، بیٹی یا بیوی وغیرہ میں سے کوئی نکل آیا تو

(۱) بدائع الصنائع، فصل في ركن الزكوة: ۲/۴۵۶، ۴۵۷، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/۴۷۶، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في ركن الزكوة: ۲/۴۵۷

طرفین کے ہاں زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے اور اعادے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۱)

زکوٰۃ کی کتنی مقدار دی جائے؟

حنفیہ کے ہاں کسی ایک شخص کو اتنی زکوٰۃ دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہو جائے، مکروہ ہے، البتہ اگر وہ قرض دار ہو یا کثیر العیال ہو یا اس کو کوئی اور سخت ضرورت درپیش ہو تو نصاب کی مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں، بلکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعے کسی کو دستِ سوال دراز کرنے سے بچانا زیادہ بہتر اور افضل عمل ہے۔علامہ طحاویؒ نے لکھا ہے کہ: صاحبِ نصاب بنائے بغیر ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل ہے، تاکہ وہ اس سے اپنی حاجات پوری کرلے۔(۲)

چند اہم متفرق مسائل:

(۱) حنفیہ کے ہاں ایک ہی مصرف یا ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ہر مصرف کے تین تین افراد پر زکوٰۃ تقسیم کرنا ضروری نہیں۔(۳)

(۲) فقیر عالم کو زکوٰۃ دینے میں فقیر جاہل کو زکوٰۃ دینے سے زیادہ اجر و ثواب ہے۔(۴)

(۳) زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں افضل یہ ہے کہ حاجت مند بہن بھائیوں اور ان کی اولاد، پھوپھی پھوپھیوں اور ان کی اولاد، خالہ خالو اور ان کی اولاد کو مقدم کیا جائے۔اس کے بعد ذوی الارحام، پھر پڑوسی، پھر اپنے ہم پیشہ لوگ اور پھر اپنے ہم محلہ لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھے۔

(۴) زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کسی دوسرے شہر کو اپنی زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے، تاہم واجب ہونے کے بعد کسی اور شہر کو زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر دوسرے شہر میں اس کے حاجت مند رشتہ دار ہوں یا رشتہ دار تو نہ ہوں، لیکن اپنے شہر کے لوگوں سے وہ زیادہ محتاج ہوں تو منتقل کرنے میں کوئی کراہت نہیں شہر سے مراد وہ شہر ہے جس میں زکوٰۃ کا مال موجود ہو(۵)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة فصل في الذي يرجع إلى المودى إليه: ٢/٤٨٤، ٤٨٥، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ١/١٨٩، ١٩٠

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة فصل في الذي يرجع إلى المودى إليه: ٢/٤٧٩، ٤٨٠، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ٥٩٣، ٥٩٤، الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ١/١٨٨

(۳) الفتاوى الهندية حواله بالا: ١/١٨٨، بدائع الصنائع، كتاب الزكوة فصل في الذي يرجع إلى المودى إليه: ٢/٤٧٣

(٤) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ١/١٨٧   (٥) الهندية حواله سابقه: ١/١٩٠

باب المصارف

مصارف زکوۃ کے مسائل

امامِ مسجد کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (39):

زید ایک محلّہ کا پیش امام ہے۔ اہلِ محلّہ کی طرف سے اس کے لیے کوئی تنخواہ مقرر نہیں۔ کچھ لوگ اس کو زکوۃ وغیرہ دیتے ہیں، لیکن کچھ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام مسجد کو زکوۃ وغیرہ دینا جائز نہیں، کیوں کہ زکوۃ فقراء کا حق ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول کس حد تک درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو شخص نصاب کا مالک نہ ہو اُس کو زکوۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ دیے جاسکتے ہیں، خواہ وہ عام فقیر ہو یا مسجد کا امام ہو، البتہ امامت کے عوض بطور اجرت زکوۃ اور عشر دینا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں امام مسجد اگر مالک نصاب نہ ہو تو اس کو زکوۃ، صدقۃ الفطر یا دیگر صدقاتِ واجبہ دینا جائز ہے، بلکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عالم فقیر پر صدقہ کرنا جاہل فقیر سے افضل ہے، تاہم بہتر یہی ہے کہ اہلِ محلّہ امام مسجد کے لیے مستقل تنخواہ مقرر کریں، تاکہ وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر دین کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویجوز دفعها إلی من یملك أقلّ من النصاب، و إن کان صحیحًامکتسبًا.(۱)

ترجمہ: جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہے تو وہ خواہ تندرست اور کمانے والا ہو، اُسے زکوۃ کا مال دینا جائز ہے۔

التصدّق علی العالم الفقیرأفضل ....أي من الجاهل الفقیر.(۲)

ترجمہ: عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے، یعنی جاہل فقیر پر صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۹/۱

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیة: ۳۰۴/۳

باپ کی اجازت کے بغیر بیٹے کا مالِ زکوۃ استعمال کرنا

سوال نمبر(40):

عمر نے اپنے بیٹے بکر کو زکوۃ کی رقم دی تاکہ اس کو مدرسہ میں خرچ کرے اور بکر نے خود کو مستحق سمجھ کر اس کو اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کرلی۔ایسی صورت میں عمر کی طرف سے زکوۃ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اپنے مصارف میں خرچ کیا جائے، جہاں کہیں یہ غیر مصرف میں خرچ ہوجائے تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں جب مذکورہ شخص نے اپنے بیٹے کو زکوۃ میں وکیل بنادیا اور اس نے اپنے آپ کو مستحق سمجھ کر زکوۃ اپنے ذاتی استعمال میں خرچ کرلی ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، کیوں کہ مسئولہ صورت میں بکر عمر کا بیٹا ہے اور شرعاً اپنی اولاد کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا یعطي من الزکوۃ والدًا، وإن علا، ولا ولدًا وإن سفل .(۱)

ترجمہ:

اور زکوۃ دینے والا اپنے والد کو اگرچہ اوپر کے درجے تک پہنچ جائے (یعنی دادا اور اس سے اوپر کے سلسلہ تک) زکوۃ نہ دے اور نہ ہی اپنے بیٹے کو اگرچہ نچلے درجے میں ہو (یعنی پوتا یا اس سے نچلے درجے کی اولاد)۔

❁❁❁

لاعلمی سے مالدار پڑوسیوں کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(41):

زید صاحبِ نصاب ہے، اس نے اپنی زکوۃ کی رقم سے کچھ حصہ اپنے پڑوسیوں کو زکوۃ کی نیت سے دے دیا،

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الزکوۃ،الفصل الثالث في المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکوۃ:۲/۲۰۴

بعد میں کسی سے معلوم ہوا کہ وہ پڑوسی صاحبِ نصاب ہے۔ ایسی صورت میں زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے غنی صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں پوچھ گچھ کرے اور اس کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ ادا کرے اور بعد میں وہ غیر مستحق ثابت ہو تو ایسی صورت میں اس پر زکوٰۃ کا اعادہ لازمی نہیں، لہٰذا اس شخص نے جب اپنے پڑوسیوں کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ ادا کر دی اور بعد میں اپنی غلطی کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس پر زکوٰۃ کا اعادہ واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا شك و تحرّى، فوقع في أكبر رأيه أنّه محل الصدقة، فدفع إليه .... إذا ظهر أنه غني، أو هاشمي، أو كافر، أو مولى الهاشمي، أو الوالدان، أو المولودون، أو الزوج، أو الزوجة، فإنه يجوز و تسقط عنه الزكاة.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے (کسی کے متعلق زکوٰۃ کا مصرف ہونے میں) شک کیا اور اس کا غالب گمان یہ ٹھہرا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف ہے، پس اس نے دے دی۔۔۔۔۔اگر یہ معلوم ہوگیا کہ وہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا یا ہاشمی کا غلام تھا یا اس کے ماں باپ تھے یا اس کی اولاد تھی یا اس کا خاوند تھا یا اس کی بیوی تھی تو اس کے ذمے سے وہ زکوٰۃ ساقط قرار پائے گی۔

❁❁❁

مقروض شخص کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(42):

ہمارے ایک عزیز ہیں، ان کی ملکیت میں ۹ کنال زرعی اراضی ہے، جس کی مالیت تقریباً ٦ لاکھ روپے بنتی ہے اس اراضی کو ٦ ہزار روپے کے عوض اجارہ پر دیا ہے، اس کے علاوہ مارکیٹ میں ایک کنال جگہ ہے جس کے فرنٹ میں دو دُکانیں ہیں اور ان کے پیچھے دو گودام خستہ حالت میں پڑے ہیں، جن کا مجموعی کرایہ چار ہزار روپے بنتا ہے، اس کے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ۱۸۹/۱، ۱۹۰

ساتھ ساتھ اس پر تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ روپے قرض بھی ہے۔ان حالات کے پیش نظر ہمارے اس عزیز کے لیے زکوٰۃ لینا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اگر کسی کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے،تاہم اگر کسی کی ملکیت میں غیر منقولہ جائیداد ہو اور اُس جائیداد کو اس نے کرایہ پر دیا ہو تو زکوٰۃ کے نصاب میں اُس غیر منقولہ جائیداد کے کرایہ کا اعتبار ہوگا،اُس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب آپ کے عزیز کی ملکیت میں غیر منقولہ جائیداد موجود ہے،لیکن اُس کو کرایہ پر دیا ہے، اگر وہ کرایہ اُس کے اور اُس کے بال بچوں کے لیے کافی نہ ہو اور اس کے علاوہ وہ ساڑھے پانچ لاکھ روپے مقروض بھی ہو تو ایسی صورت میں اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(فيعطى..........ومديون لايملك نصابًا فاضلًا عن دينه)وفي الظهيرية :الدفع للمديون أولى منه للفقير.قال ابن عابدين:أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه.(١)

ترجمہ:

(پس زکوٰۃ دی جائے گی۔۔۔۔۔اور اُس قرض دار کو جو قرض سے زائد مال نصاب کا مالک نہ ہو)اور ظہیریہ میں ہے کہ مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر کو دینے سے بہتر ہے۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:''یعنی اُس فقیر کو جو مدیون نہیں'' کیوں کہ مدیون فقیر زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

۞۞۞

بیوی کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(43):

اگر کسی صاحبِ نصاب عورت کا شوہر زکوٰۃ کا مستحق ہو تو کیا یہ عورت اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؟

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار،کتاب الزکوٰۃ،باب المصرف:٣/٢٨٤،٢٨٩

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے جہاں پر منافع میں اشتراک پایا جاتا ہو وہاں زکوۃ دینا جائز نہیں، چونکہ خاوند اور بیوی کے مابین عام طور پر منافع میں اشتراک پایا جاتا ہے، اس لیے زوجین آپس میں ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر عورت صاحبِ نصاب ہو اور اس کا شوہر مستحق زکوۃ ہو تو دوسرے لوگ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، لیکن بیوی اس کو زکوۃ نہیں دے سکتی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا یدفع إلی امرأته للاشتراك في المنافع عادةً، ولاتدفع المرأة إلیٰ زوجها عند إبي حنیفة.(۱)

ترجمہ: اور زکوۃ کا مال اپنی بیوی کو دینا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ عادتاً منافع میں شریک ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عورت زکوۃ کا مال خاوند کو نہیں دے سکتی۔

❁❁❁

بہو کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(44):

بہو اگر صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو زکوۃ دینا کیسا ہے؟ نیز بہو اس رقم کو اپنے شوہر اور بچوں پر خرچ کرسکتی ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اصول وفروع کے علاوہ کسی اور رشتہ دار کو زکوۃ وغیرہ کی رقم دینا نہ صرف جائز، بلکہ افضل بھی ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کی بہو صاحبِ نصاب نہ ہو اور وہ اس کو زکوۃ وغیرہ دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رقم ملنے کے بعد وہ رقم اس کی ملکیت میں آجاتی ہے، اس لیے اس عورت کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ جہاں بھی اس رقم کو خرچ کرنا چاہے، خرچ کرسکتی ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوة،الباب السابع في المصارف:۱/۱۸۹

والدّلیل علیٰ ذلك:

(وأصله وإن علا وفرعه وإن سفل) أي لا یجوز الدفع إلی أبیه وجده .... وقید بأصله وفرعه لأنّ من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو أولی لما فیه من الصلة.(۱)

ترجمہ:

(اور اس کے اصول اگرچہ اوپر تک ہوں اور اس کے فروع اگرچہ نیچے تک ہوں) یعنی اپنے باپ دادا کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔۔۔۔۔۔اور اصول وفروع کی قید اس لیے لگائی کہ ان کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بلکہ صلہ رحمی کی وجہ سے اولیٰ ہے۔

❁❁❁

مدیون کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(45):

ایک آدمی صرف فقیر ہے،اس کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود نہیں اور دوسرا شخص فقیر ہونے کے ساتھ مدیون بھی ہے۔پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں میں سے زکوٰۃ کا زیادہ مستحق کون ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جو شخص فقیر ہو اور اس کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے،تاہم اگر کوئی شخص ایسا ہو جو فقیر ہونے کے ساتھ ساتھ مقروض بھی ہو تو عام فقیر کے مقابلے میں اس کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے۔

لہٰذا جہاں عام فقیر اور مقروض فقیر دونوں موجود ہوں تو مقروض فقیر کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(فیعطی............ومدیون لا یملك نصابًا فاضلًا عن دینه)وفي الظهیریة :الدفع للمدیون أولی منه

---

(۱) البحرالرائق،کتاب الزکوٰۃ،باب المصرف:۲/۴۲۵

للفقیر. قال ابن عابدین: أي أولی من الدفع للفقیر الغیر المدیون.(۱)

ترجمہ:

(پس زکوۃ دی جائے گی ـــــ اور اُس قرض دار کو جو قرض سے زائد مال نصاب کا مالک نہ ہو) اور ظہیریہ میں ہے کہ مدیون کو زکوۃ دینا فقیر کو دینے سے بہتر ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ''یعنی اُس فقیر کو جو مدیون نہیں''۔

❁❁❁

مدارسِ دینیہ کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(46):

مدارسِ دینیہ کو زکوۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز جائز ہونے کی صورت میں اربابِ مدارس زکوۃ کو کن مدّات میں خرچ کرسکتے ہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی مدارس کے طلبہ کرام زکوۃ کا بہترین مصرف ہیں۔ ان کو زکوۃ دینے میں زکوۃ کی ادائیگی کے علاوہ دین کی اشاعت اور سربلندی کے لیے ایک بہترین کوشش ہے، اس لیے فقہائے کرام کے نزدیک طلبہ کو زکوۃ دینا ایک عام مسلمان کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔

وہ دینی مدارس جو غریب طلبہ کے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، انہیں زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے، لیکن اس بات کی تصریح ضروری ہے کہ زکوۃ کی یہ رقم غریب وفقیر طلبہ کرام کو نقد، کھانے پینے اور کپڑوں کی صورت میں دی جائے اور اربابِ مدارس کے لیے اس رقم کو براہِ راست مدرّسین وملازمین کی تنخواہوں اور مکانات کی تعمیر وغیرہ کے انتظامات میں خرچ کرنا جائز نہیں، البتہ طلبہ کو نقد دینے کے بعد اگر وہ ماہانہ اخراجات کی مد میں مدرسہ کو واپس کریں یا اپنی مرضی سے تعاون کی نیت سے یہ رقم مدرسہ میں جمع کریں تو پھر مدرسہ طلبہ سے لی ہوئی رقم ہر مد میں خرچ کرسکتا ہے۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲۸۹،۲۸٤/۳

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایجوز أن یبني بالزکاۃ المسجد، وکذا القناطیر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنہار، والحج، والجہاد، وکل مالاتملیك فیہ.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کے مال سے مسجد بنانا، پل بنانا، پانی پلانے کی جگہ بنانا اورراستے دُرست کرنا،نہریں کھودنا،حج اور جہاد کے لیے دینااور ہروہ کام جس میں تملیک نہ ہو،ان سب صورتوں میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

غیر مقیم طالب علم کوزکوۃ دینا

سوال نمبر(47):

مدرسہ کے طالب علم کو جوزکوۃ دی جاتی ہے، کیااس میں طالبِ علم کا مسافرِ شرعی ہوناضروری ہے یا جوطلبہ اپنے گاؤں کے مدارس میں پڑھتے ہیں اور سبق پڑھنے کے بعد گھروں کو واپس جاتے ہیں، مدرسہ میں ان کی مستقل رہائش نہیں، ایسے طلبہ کو بھی زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ کے دیگر مصارف کی طرح علم دین کے حصول میں مصروفِ عمل طلبہ کرام بھی زکوۃ کے مستحق ہیں، بشرطیکہ طالب علم سونا، چاندی یا کسی نقدی وغیرہ کا مالک نہ ہو، تاہم اس میں مسافر ہونا شرط نہیں۔

لہٰذا جوطلبہ کرام مقامی مدارس میں پڑھتے ہیں اوراسباق سے فارغ ہوکر گھر چلے جاتے ہیں، وہ بھی زکوۃ لینے کے مستحق ہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال الحصکفي: إن طالب العلم یجوزلہ أخذ الزکاۃ ولوغنیاً،إذا فرّغ نفسہ لإفادۃ العلم. قال

---

(۱) الفتاوی الہندیۃ، کتاب الزکوۃ، الباب السابع في المصارف:۱/ ۱۸۸

ابن عابدین: المراد أنه لاتعلّق له بغیر ذلك.(۱)

ترجمہ:

بے شک طالب علم کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے، اگر چہ وہ مال دار ہو، جب وہ اپنے آپ کو حصول علم کے لیے فارغ کرے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حصول علم کے علاوہ کسی اور چیز سے تعلق نہ ہو۔

❁❁❁

صاحبِ نصاب شخص کی بیوی کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (48):

ایک شخص کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود ہے اور اس کی بیوی کے پاس اس کی ملکیت میں اتنا مال موجود نہیں جس سے وہ غنی شمار ہو سکے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت کو زکوۃ دینا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کوئی شخص صاحبِ نصاب اُس وقت شمار ہوگا، جب اس کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی بقدر مال موجود ہو اور اس مال پر اس شخص کو مِلک تام حاصل ہو۔

صورتِ مسئولہ میں جب شوہر غنی ہے اور بیوی کے پاس اپنی ملکیت میں کچھ نہیں تو ایسی صورت میں یہ عورت شوہر کے مال سے غنی شمار نہ ہوگی اور اس عورت کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(و) لاإلی (طفله) بخلاف ولده الکبیر ....فإنّه لایعدّ غنیًا بغنی أبیه، ولا الأب بغنی ابنه، ولاالزوجة بغنی زوجها.(۲)

ترجمہ:

اور غنی شخص کے چھوٹے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں، بخلاف بالغ کے ۔۔۔۔ کہ وہ باپ کے مالدار ہونے سے

(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف:۳/۲۸۵

(۲) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیة:۳/۲۹۸،۲۹۹

غنی شمار نہیں ہوگا اور نہ باپ بیٹے کے غنی ہونے سے غنی شمار ہوتا ہے اور نہ بیوی شوہر کے غنی ہونے سے غنی شمار ہوتی ہے۔

زکوۃ دیتے وقت مصرف متعین کرنا

سوال نمبر(49):

زید نے بکر کو زکوۃ کی رقم دی اور کہا کہ اس سے کتابیں خریدو۔اگر بکر اس رقم کو اپنی دوسری ضروریات میں خرچ کرے تو بکر کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے زکوۃ کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ زکوۃ کی رقم کسی مستحق کو تملیکاً دی جائے اور جب وہ مستحق اس رقم پر قبضہ کرلے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اور اس رقم کو اپنی ہر قسم کی ضرورت میں خرچ کرسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب زید نے بکر کو زکوۃ دے دی اور بکر نے اس پر قبضہ کرلیا تو بکر کی ملکیت میں آنے کے بعد وہ اس رقم کو اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے،اس لیے اگر کتابوں کے علاوہ دیگر ضروریات میں خرچ کرے تو جائز ہے لہٰذا زکوۃ دینے والے کا بکر کو خاص کتابوں کی خریداری پر مجبور کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

يتصدّق على الفقير، ثمّ يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل لهٗ أن يخالف أمرهٗ؟..........والظاهر: نعم.قال في شرحه: لأنّه مقتضى صحة التمليك.(١)

ترجمہ:

کوئی شخص فقیر پر صدقہ کرکے پھر اس کو حکم دیتا ہے کہ اس کو ان خاص چیزوں میں خرچ کرے،اس کے لیے اس کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔۔۔۔ظاہر یہی ہے کہ ہاں!اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔اس کی شرح میں لکھا ہے: کیوں کہ یہی تملیک کی صحت کا تقاضہ ہے۔

---

١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب المصرف:٣/٢٩٣،٢٩٤

الأمربالتصرف في ملك الغير باطل.(۱)

ترجمہ:

دوسرے کی ملک میں تصرف کرنے کا حکم باطل ہے۔

۞۞۞

نصاب کی بقدر مال موجود ہونے کی صورت میں زکوۃ لینا

سوال نمبر(50):

میں ایک سکول ٹیچر ہوں، میری تنخواہ ماہانہ بارہ ہزار روپے بنتی ہے جو گھریلو ضروریات میں خرچ ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ میرے پاس پچیس ہزار روپے نقد موجود ہیں۔ میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں، لیکن میرے پاس اتنی رقم موجود نہیں کہ میں گھر بنا سکوں، اس صورت حال کے پیش نظر میرے لیے زکوۃ لینا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے زکوۃ لینے کا مستحق شخص وہ ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہو، اگر کسی شخص کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب سائل کے پاس پچیس ہزار روپے موجود ہیں، موجودہ وقت کے لحاظ سے چونکہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم ہے تو مالک نصاب نہ ہونے کی بنا پر مذکورہ شخص زکوۃ لے سکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولايجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابًا ....فاضلًا عن حاجته في جميع السنة.(۲)

ترجمہ:

اور جو شخص نصاب کا مالک ہو۔۔۔۔۔جو سارا سال اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں۔

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۹۵،ص:۶۱

(۲)الفتاوى الهندية،كتاب الزكوة،الباب السابع في المصارف:۱/۱۸۹

زکوۃ کمیٹیوں کے ملازمین کی حیثیت

سوال نمبر (51):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن کریم میں زکوۃ کے مصارف میں جن عاملین کا ذکر آتا ہے، اس سے کون مراد ہیں؟ کیا اس کا اطلاق موجودہ دور میں سرکاری یا پرائیویٹ اداروں کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو زکوۃ کی وصولی کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو مسلمانوں کے امام نے زکوۃ کی وصولی کے لیے مقرر کیے ہوں اور اُن کو زکوۃ دینے میں مصلحت یہ ہے کہ اُن کے اوقات زکوۃ کی وصولی میں مشغول ہوتے ہیں، اگر اُن کو زکوۃ میں حصہ نہ دیا جائے تو زکوۃ کی وصولی کا اجتماعی نظام صحیح طور پر جاری رکھنا ممکن نہ ہوگا۔

اداروں کی جانب سے جو لوگ زکوۃ کی وصولی اور غربا میں اُس کی تقسیم کرنے پر مامور ہیں، اُن کی حیثیت اُن عاملین کی طرح نہیں جن کو مصارف زکوۃ میں شمار کیا گیا ہے۔

لہٰذا کسی ادارہ کا زکوۃ کی رقم کو اس ادارے کے ملازمین کی تنخواہوں میں دینا صحیح نہیں ہوگا، البتہ اگر یہ رقم کسی مسکین یا فقیر کی ملکیت میں دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے بخوشی اس کو ہبہ کرے تو پھر اس کو ملازمین کی تنخواہوں اور ادارے کے دوسری اخراجات میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ومنها العامل) وهو من نصبه الإمام لاستيفاء الصدقات والعشور.(١)

ترجمہ:

(اُن مصارف میں سے ایک عامل ہے) اور یہ وہ شخص ہے جس کو امام نے زکوۃ اور عشر کے وصولی کے لیے مقرر کیا ہو۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الز- -، باب السابع في المصارف:١/١٨٨

نوکر کو زکوۃ کی رقم دینا

سوال نمبر (52):

ایک شخص کے پاس نصاب کی بقدر مال موجود ہے۔ سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ واجب ہوگئی، اب یہ شخص اپنے کسی نوکر کو زکوۃ کی نیت سے کچھ رقم دے دے تو ایسی صورت میں اس کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ ہر اُس شخص کو دی جاسکتی ہے جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اُس کے بقدر ضرورت سے زائد مال موجود نہ ہو اور اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ جس کو زکوۃ دی جائے، وہ اس شخص کے اصول وفروع میں سے نہ ہو اور نہ ہی زکوۃ اجرت میں دی جاتی ہو۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو زکوۃ کی نیت سے رقم ادا کرے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، تاہم یہ رقم محنت کے عوض دینا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله: (هو الفقير والمسكين)......... والأولى أن يفسّر الفقير بمن لهٗ مادون النصاب كما في النقاية أخذًا من قولهم يجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب.(۱)

ترجمہ:

(اور زکوۃ کا مصرف فقیر اور مسکین ہے) اور بہتر یہ ہے کہ فقیر کی تعریف یوں کی جائے کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو، جس طرح نقایہ میں فقہاء کے اقوال سے لیا گیا ہے کہ اس شخص کو زکوۃ دینا جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو جائز ہے۔

❁❁❁

(۱) البحر الرائق، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲/ ۴۱۹

زکوۃ کی رقم فقیر کی طرف سے کرایہ میں دینا

سوال نمبر(53):

زید پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہے اگر زید کسی شخص کی طرف سے دورانِ سفر کرایہ ادا کرے یا کسی مشترکہ خرچ میں اُس زکوۃ کی رقم کو کسی مستحق کی طرف سے ادا کرے تو ایسی صورت میں زید کا ذمہ زکوۃ کی ادائیگی سے فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے زکوۃ کی درست ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو کسی مستحق کی ملکیت میں دے دیا جائے ،بصورت دیگر زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی فقیر کا قرضہ ادا کرنے میں زکوۃ کا مال دے دیا تو اس میں فقیر کی اجازت معتبر ہوگی ،اگر فقیر کی اجازت سے قرض ادا کر چکا ہے تو یہ شخص فقیر کی طرف سے وکیل بن کر زکوۃ کا مال قبض کر لیتا ہے۔اس صورت میں تملیک کی شرط موجود ہونے کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی صحیح ہو جاتی ہے،البتہ اگر فقیر کی اجازت کے بغیر قرضہ ادا کرے تو تملیک نہ پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی صحیح نہیں ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں جب زید کسی مستحق کی طرف سے کرایہ یا کسی مشترکہ خرچ میں اس کی طرف سے زکوۃ کی نیت سے ادئیگی کرتا ہے تو اس میں اس مستحق کی اجازت کو ملحوظ رکھا جائے گا ،اگر اس مستحق کی اجازت کے بغیر ادائیگی کی گئی ہو تو ایسی صورت میں اس کی زکوۃ ادا نہ ہوگی ،تاہم اگر اجازت سے ادائیگی کر دی ہو تو پھر زکوۃ کی ادائیگی صحیح ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو قضىٰ دين حي فقير،إن قضى بغير أمره لم يجز؛لأنه لم يوجد التمليك من الفقير لعدم قبضه، وإن كان بأمره يجوز عن الزكوة؛ لوجود التمليك من الفقير؛لأنه لما أمره به صار وكيلا عنه في القبض فصار كأن الفقير قبض الصدقة بنفسه.(١)

(١) بدائع الصنائع،كتاب الزكوة، فصل في ركن الزكوة:٢/٤٥٧

ترجمہ:

اگر کوئی شخص کسی زندہ فقیر شخص کا قرض (زکوۃ کی نیت سے) ادا کرے تو اگر فقیر کے حکم کے بغیر ادا کی ہو تو جائز نہیں، اس لیے کہ فقیر کی طرف سے تملیک نہیں پائی گئی اور اگر فقیر کے حکم سے ہو تو فقیر کی طرف سے تملیک پائے جانے کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی کے طور پر جائز ہے، اس لیے کہ جب فقیر نے اس کو حکم دیا تو یہ شخص اس کی طرف سے قبض کرنے کا وکیل بن گیا، پس یہ ایسا ہے گویا فقیر نے بذاتِ خود ہی زکوۃ قبض کر لی۔

❁❁❁

نابالغ بچے کو عیدی کے طور پر زکوۃ کی رقم دینا

سوال نمبر (54):

میرے والد صاحب عید کے دن غریب رشتہ داروں میں زکوۃ کی رقم عیدی کے طور پر تقسیم کرتے ہیں جن میں اکثر بچے ہوتے ہیں۔ کیا غریب رشتہ داروں کی نابالغ اولاد کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نابالغ بچے کو عیدی کے نام پر زکوۃ کی رقم دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے غریب والدین کو زکوۃ دینا چاہیے، تاہم اگر ان نابالغ بچوں میں زکوۃ کی رقم قبض کرنے کی اہلیت موجود ہو تو ان کو عیدی کے نام پر زکوۃ دینے سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غریب رشتہ دار کی اولاد جب عقل مند ہوں تو عیدی کے نام پر ان کو زکوۃ کی رقم دینے سے ذمہ فارغ ہوتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

دفع الزکوۃ إلی صبیان أقاربه برسم عیدأو إلی مبشر أو مهدي الباکورة جاز. قال ابن عابدین قوله (إلی صبیان أقاربه) أي العقلاء، وإلا فلا یصح إلا بالدفع إلی ولي الصغیر.(۱)

ترجمہ:

رشتہ داروں کے بچوں کو عیدی کے نام سے یا کسی خوشخبری سنانے والے کو یا ابتدائی پھل ہدیہ کرنے والے

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیة: ۳۰۷/۳

کوزکوۃ کے طور پر دینا جائز ہے۔تاہم بچوں سے عاقل بچے مراد ہیں، ورنہ بصورتِ دیگر بچوں کوزکوۃ دینا درست نہیں ،البتہ بچے کے ولی کوزکوۃ دینا جائز ہے۔

ولا یجوز إلی صغیروالدہ غني، فإن کان الابن کبیراجاز.(۱)

ترجمہ:

اور مالدار کے چھوٹے بچے کوزکوۃ دینا جائز نہیں،البتہ مالدار کے بڑے بیٹے کوزکوۃ دینا جائز ہے۔

❁❁❁

مستحقین کوزکوۃ کی رقم بطورِقرضِ حسنہ دینا

سوال نمبر(55):

ہمارے علاقے میں ایک تنظیم بنی ہے جس میں لوگ زکوۃ کی رقم جمع کر کے غریب لوگوں کوتجارت اور کاروبار کے لیے بطورِقرضہ دیتے ہیں۔نفع حاصل کرنے کے بعد اصل رقم بغیر کسی سود کے واپس لی جاتی ہے۔کیا اس طریقہ سے غریب لوگوں کوزکوۃ کی رقم بطورِقرض حسنہ دینا جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

صدقات واجبہ میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں تملیک بلاعوض شرط ہے۔کسی کوزکوۃ کی رقم بطورِقرض دینے میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہوتی ہے،اس لیے کسی غریب کوبطورِقرضہ رقم دینے سے زکوۃ ادانہیں ہوگی۔

لہٰذاصورتِ مسئولہ میں ضرورت مند غریب کو جوزکوۃ کی رقم دی جائے، جب تک اسے رقم کا مالک نہ بنادیا جائے،زکوۃ ادانہ ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویشترط أن یکون الصرف(تملیکاً)لاإباحۃ کمامرّ (لا)یصرف(إلی بناء)نحو(مسجد و)لا إلی (کفن میت ،وقضاء دینہ).(۲)

---

(۱) الفتاوی الخانیۃ،کتاب الزکوۃ،فصل فیمن توضع فیہ الزکوۃ:۱/۲۶۶

(۲) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الزکوۃ،باب المصرف:۳/۲۹۱

ترجمہ: زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، اباحت درست نہیں، جیسا کہ گزر گیا کہ اس کو مسجد کی تعمیر، میت کے کفن اور قرض کی ادائیگی کے لیے خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ ❁❁❁

نہر کی صفائی میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال نمبر(56):

ہمارے گاؤں کے درمیان ایک نہر گزری ہے جس سے اکثر غریب لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اب اس کی صفائی میں زکوۃ کی رقم خرچ کی جارہی ہے۔ کیا زکوۃ کی رقم نہر کی صفائی میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی محتاج یا فقیر کو اس کا مالک بنایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے مسجد کی تعمیر اور میت کے کفن پر بھی تملیک کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے زکوۃ کی رقم خرچ کرنے کو ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے۔ چونکہ نہر کی صفائی میں جو رقم خرچ کی جاتی ہے، اس میں تملیک کی شرط کا نہ پایا جانا واضح ہے، اس لیے اس کی صفائی میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویشترط أن یکون الصرف(تملیکاً)لاإباحة كمامرّ (لا) یصرف(إلى بناء)نحو(مسجد و)لا إلى (كفن میت ،وقضاء دینه).(۱)

ترجمہ: زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے اباحت درست نہیں، جیسا کہ گزر گیا، چنانچہ اس کو مسجد کی تعمیر، میت کے کفن اور اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

فلاحی تنظیم کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(57):

گاؤں کی ایک مشترکہ تنظیم نے خوشی وغمی کے لیے اجتماعی طور پر تجہیز وتکفین، قبر کھودنے کے آلات اور کرسیاں،

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲۹۱/۳

ٹینٹ وغیرہ خریدنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے۔لیے لوگوں نے زکوۃ کے پیسے اکٹھے کیے ہیں۔کیا ایسی کمیٹی اور تنظیم کو زکوۃ کے پیسے دینا شرعاً درست ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ میں بلاعوض تملیک کرانا شرط ہے،اس لیے زکوۃ کی رقم کسی کو معاوضہ میں دینا یا مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لیے خرچ کرنا جائز نہیں۔صورتِ مسئولہ میں چونکہ مشترکہ مفاد کے لیے اشیا اور آلات وغیرہ خریدی جاتی ہیں اور اس میں کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں،اس لیے تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح کی تنظیموں کو زکوۃ کی رقم دینا جائز نہیں۔اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ولا يجزئ في الزكاة عتق رقبة ولاالحج ولاقضاء دين ميت ولاتكفينه ولابناء مسجد والأصل فيه أن الواجب فعل الإيتاء في جزء من المال ولايحصل الإيتاء إلّا بالتمليك، فكل قربة خلت عن التمليك لاتجزئ عن الزكاة.(١)

ترجمہ: زکوۃ میں کسی غلام کو آزاد کرنا،حج کرنا،کسی میت کا قرض اتارنا،اُس کو کفن دینا،یا مسجد کی تعمیر کرنا جائز نہیں۔اس میں قاعدہ یہ ہے کہ زکوۃ میں ''مال ایک جز دینا'' واجب ہے اور ''دینا'' تملیک (مالک بنانے) کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔چنانچہ ہر وقت ثواب کا کام جو تملیک سے خالی ہو وہ زکوۃ میں جائز نہیں۔



زکوۃ کی رقم سرمایہ کاری میں لگانا

سوال نمبر(58):

ایک صاحبِ نصاب شخص نے اپنے دوست کے نام زکوۃ کی رقم علیحدہ کرکے اس سے کہا کہ میں نے تمہارے لیے زکوۃ کی رقم علیحدہ کرلی ہے اور اس رقم پر تجارت کرکے تمہیں نفع دوں گا،اس نے اجازت دے دی۔کیا ایسی صورت

١) المبسوط للسرخسي، ٢/٢٠٢

میں موصوف کا ذمہ زکوۃ ادا کرنے سے فارغ ہو جائے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقیر کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، لیکن اس کی صحت کے لیے بنیادی شرط تملیک ہے۔ صورتِ مسئولہ کو سامنے رکھتے ہوئے چونکہ مزکی نے اپنے دوست کو زکوۃ کی رقم کا قطعی طور پر مالک نہیں بنایا ہے، بلکہ زکوۃ کی رقم جدا کر کے اپنے ساتھ رکھی ہے اور اس میں سے صرف نفع اس فقیر کو ملے گا اور اصل مال اس مزکی کے ملک میں رہے گا، اس لیے تملیک کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، البتہ اگر مذکورہ دوست کو زکوۃ کی رقم تملیکاً دی جائے اور پھر وہ بخوشی اس کو تجارت کی غرض سے دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لاإباحة کمامرّ (لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد و) لا إلی (کفن میت، وقضاء دینه). (۱)

ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے اباحت درست نہیں، جیسا کہ گزر گیا، کہ اس کو مسجد کی تعمیر، میت کے کفن اور قرض کی ادائیگی کے لیے خرچ نہیں کیا جا سکتا۔

❁❁❁

زکوۃ کی رقم دوسرے گاؤں لے جانا

سوال نمبر(59):

کالونی میں ایک تاجر رہائش پذیر ہے، وہ ہر سال زکوۃ کی رقم اپنی کالونی کے غربا پر تقسیم کرنے کی بجائے دوسرے گاؤں میں اپنے غریب اقربا پر تقسیم کرتا ہے۔ کیا از روئے شریعت ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوۃ کی رقم منتقل کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ۲۹۱/۳

الجواب وباللہ التوفیق :

شریعت مقدسہ کی رُو سے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو زکوۃ کی رقم منتقل کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر دوسرے گاؤں میں رشتہ دار رہائش پذیر ہوں اور وہ زکوۃ لینے کے مستحق ہوں تو ان کی طرف زکوۃ منتقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لہٰذا قرابت کا خیال رکھتے ہوئے تاجر کے لیے دوسرے گاؤں میں رہائش پذیر غریب رشتہ دار کو زکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وكره نقلها إلا إلى قرابته بل في الظهيرية :لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج، حتى يبدأبهم فيسد حاجتهم.(١)

ترجمہ:

زکوۃ کا منتقل کرنا مکروہ ہے، مگر یہ کہ رشتہ داروں کے لیے ہو، بلکہ فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ آدمی کا صدقہ مقبول نہیں، جبکہ اس کے رشتہ دار محتاج ہوں، یہاں تک کہ ان سے ابتدا کرے اور ان کی حاجت پوری کرے۔

❁❁❁

آمدنی والے مقروض کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(60):

ایک شخص چائے کا کاروبار کرتا ہے، اس کی ماہانہ آمدنی نصاب سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، لیکن وہ شخص اتنا مقروض ہے کہ اگر ایک سال تک اسی طرح کماتا رہے، تب بھی مشکل سے اپنے قرض سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔ کیا ایسے مقروض شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

اگر کسی شخص کی آمدنی زیادہ ہو، لیکن وہ اتنا مقروض ہو کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال باقی نہ

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف:٣/٣٠٤

بچا ہو جو نصابِ زکوۃ تک پہنچ سکے تو ایسی صورت میں اس کو زکوۃ دینا جائز ہے، لیکن جب قرض سے چھٹکارا پالے اور پھر سے صاحبِ نصاب بن جائے تب اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ومنها الغارم) وهو من لزمه دين، ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه، أو كان له مال على الناس لايمكنه أخذه، والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير. (۱)

ترجمہ:

اور ان (مصارفِ زکوۃ) میں سے ایک قرض دار ہے اور یہ وہ شخص ہے کہ جس کے ذمے قرض دینا لازم ہے اور قرضہ کے علاوہ نصابِ زکوۃ کا مالک نہ ہو یا اس کا لوگوں پر ایسا قرض ہو کہ ان سے لینا ممکن نہ ہو اور فقیر کو زکوۃ دینے کی بجائے اس شخص کو زکوۃ دینا زیادہ بہتر ہے جس پر قرض ہو۔

❁❁❁

سید کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (61):

سنا ہے کہ آل رسول ﷺ یعنی سید خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد کو زکوۃ نہیں دینا چاہیے، خواہ وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، کیوں کہ زکوۃ مال کا میل ہوتا ہے اور کوئی گندی چیز آل رسول ﷺ کو نہیں دینی چاہیے۔ کیا شرعاً یہ مسئلہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

چونکہ رسول اللہ ﷺ کا خاندان معزز اور قابلِ تعظیم ہے، اس وجہ سے اس کے تقدس اور عظمت کی رعایت ہر وقت ضروری ہے۔ زکوۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی سے عموماً مسلمان کی ذمہ داری فارغ ہو کر معنوی اعتبار سے مال مستعمل سمجھا جاتا ہے اور اس کا مال پاکیزہ ہو کر زکوۃ وغیرہ میل کچیل کی حیثیت اختیار کرتی ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کے خاندان کو دینے سے لازمی طور پر وہ عظمت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان پر

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في الزكوة: ۱/۱۸۸

زکوٰۃ ممنوع قرار دی ہے۔ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

وإنالاتحل لنا الصدقة. (۱)

ترجمہ: اور ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔

آپ ﷺ نے زکوٰۃ کے عوض غنیمت سے 1/25 حصہ مقرر کیا،تاہم غنیمت کا یہ حصہ باقی نہ رہنے کی صورت میں بعض علما نے سادات کو زکوٰۃ دینے کا قول کیا ہے،لیکن محققین علما کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سادات کو زکوٰۃ کی ممانعت چونکہ ان کی عظمت اور تقدس کی وجہ سے ہے،اس لیے یہ حکم حالات اور زمانہ کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوتا۔اب بھی سادات کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں،البتہ مالدار لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ کی جگہ ہدایا اور عطایا سے سادات کی مدد کریں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ولاتدفع إلى بني هاشم) لقوله عليه السلام :يابني هاشم إن الله تعالىٰ حرم عليكم غسالة الناس ،وأوساخهم .(۲)

ترجمہ:

بنی ہاشم کو آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کہ:’’اے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کے باقی ماندہ میل کو حرام ٹھہرایا ہے‘‘۔

وأطلق الحكم في بني هاشم ،ولم يقيده بزمان، ولا بشخص لاشارة إلى رد رواية أبي عصمة عن الإمام أنه يجوزدفع إلى بني هاشم في زمانه ،لأن عوضها،وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمرالغنائم ،وإيصالهاإلى مستحقيها،وإذالم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض .(۳)

ترجمہ:

اور بنی ہاشم کے بارے میں حکم (زکوٰۃ نہ دینے کا) مطلق ہے جسے کسی زمانے یا شخص کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا جس میں امام صاحب سے نقل کردہ ابی عصمہ کی روایت کا رد مقصود ہے کہ بنی ہاشم کو زمانہ گزرنے کی بنا پر زکوٰۃ دینا

(۱) سنن أبي داؤد،كتاب الزكوة،باب الصدقة على بني هاشم:۱/۲۴٤

(۲) الهداية،كتاب الزكوة،باب من يجوزدفع الزكوة إليه ومن لايجوز:۱/۲۰۳

(۳) البحرالرائق،كتاب الزكوة،باب المصرف،تحت قوله(وبني هاشم وموالیهم):۲/٤۳۱

درست ہے، کیوں کہ غنیمت اور اس کو مستحقین تک پہنچانے کے معاملے میں لوگوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ان کو عوض یعنی خمس الخمس نہیں ملتا اور جب اس کا عوض نہیں تو معوض (زکوۃ) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

❁❁❁

مستحق کو مقدارِ نصاب یا اس سے زیادہ زکوۃ دینا

سوال نمبر (62):

الف خان ایک بڑے کنبے کا سربراہ ہے جس میں تقریباً بیس بالغ افراد ہیں جو کہ سب مفلس اور غریب ہیں۔ ان کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اکثر دوسرے لوگوں سے قرضہ لیتا ہے۔ کیا اسے مقدارِ نصاب سے زیادہ زکوۃ دینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ کسی فقیر یا غریب کو زکوۃ کی اتنی رقم دینا کہ اس سے وہ صاحبِ نصاب بن جائے، مکروہ ہے۔ البتہ اگر مذکورہ شخص مقروض ہو یا اس کے کنبے کے افراد اتنے ہوں کہ اگر ان میں زکوۃ کی رقم تقسیم کی جائے تو وہ صاحبِ نصاب نہ بنیں تو ایسی صورت میں مقدارِ نصاب یا اس سے زائد رقم مذکورہ شخص کو دینا مرخص رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وکرہ إعطاء فقیر نصابا)أو أکثر(إلا إذا کان)المدفوع إلیہ (مدیونا و) کان (صاحب عیال بحیث (لوفرقہ علیھم لایخص کلا).(۱)

ترجمہ:

کسی فقیر کو پورا نصاب یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے، ہاں اگر لینے والا مقروض ہو یا صاحبِ عیال ہو تو اس کو دینا جائز ہے، اس طور پر کہ ان پر متفرق تقسیم کرے اور کسی کو خاص نہ کرے۔

❁❁❁

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف:۳۰۳/۳، ۳۰۴

سرکاری ملازم کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(63):

اگر کوئی شخص سرکاری ملازم ہو اور اس کی آمدنی اتنی ہو کہ اس سے بمشکل گھریلو اخراجات پورے ہوتے ہوں، بلکہ اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ شخص عموماً مقروض رہتا ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر مذکورہ شخص کے گھریلو اخراجات تبذیر اور اسراف سے پاک ہوں اور آمدن سے بمشکل پورے ہوتے ہوں، اس کے علاوہ اس کے پاس نقد رقم بھی موجود نہ ہو جو نصاب تک پہنچے تو ایسا شخص مصرفِ زکوۃ ہے اور اس کو زکوۃ دینا جائز ہوگا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وكذالو كان له حوانيت،أو دار غلة تساوي ثلثة آلاف دراهم، وغلتها لاتكفي لقوته،وقوت عياله يجوز صرف الزكوة إليه في قول محمد.(١)

ترجمہ:

اگر اس کی دکانیں ہوں یا آمدنی کا کوئی ذریعہ ہو جو کہ تین ہزار درہم کے برابر ہو اور اس کی آمدنی اس کے خوراک اور بال بچوں کے خوراک کے لیے ناکافی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب،وإن كان صحيحامكتسبا.(٢)

ترجمہ:

جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو، اس کو زکوۃ دینا جائز ہے، اگرچہ وہ صحت مند کمانے والا ہو۔

❀❀❀

(١)الفتاوى الهندية،كتاب الزكوة،الباب السابع في المصارف:١٨٩/١

(٢)الفتاوى الهندية،كتاب الزكوة،الباب السابع في المصارف:١٨٩/١

مستحقین کوزکوۃ کی رقم سے کھانا کھلانا

سوال نمبر(64):

ہمارے علاقے میں ایک معزز شخص زکوۃ کی رقم سے کھانا تیار کر کے غربا وفقرا کو کھلاتا ہے اور اس دعوت میں مالدار اور صاحبِ نصاب لوگوں کو اجازت نہیں ہوتی۔کیا غریب لوگوں کو زکوۃ کی رقم سے کھانا کھلانا جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوۃ ادا کرنے کے لیے چونکہ تملیک بلاعوض شرط ہے،اس لیے کھانا تیار کر کے کھلانے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔البتہ اگر کھانا ہر غریب کو علیحدہ علیحدہ تملیک کے طور پر دیا جائے اور وہ غربا اس کو کھالیں یا ساتھ لے جائیں تو اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی،لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تملیک کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(هي تمليك)خرج الإباحة ،فلو أطعم يتيمانا ويا الزكوة، لايجزيه إلاإذادفع إليه المطعوم كمالو كساه.(۱)

ترجمہ:

(وہ مالک بناتا ہے)اس سے اباحت نکل گئی،پس اگر یتیم کو کھانا زکوۃ کی نیت سے کھلائے تو یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ کھانا اس کو دے دے جیسا کہ اس کو کپڑا پہنا دے۔

❁❁❁

زکوۃ کی رقم سے مسجد تعمیر کرنا

سوال نمبر(65):

گاؤں کی ایک مسجد بہت پرانی ہو چکی ہے۔اہلِ محلہ زکوۃ کی رقم سے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔کیا مسجد کی تعمیر پر زکوۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

(۱)الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ:۳/۱۷۰،۱۷۱

الجواب وباللہ التوفیق :

زکوٰۃ درحقیقت فقراء وغرباء کے ساتھ تعاون کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس میں شریعتِ مقدسہ نے تملیک کو شرط قرار دیا ہے۔جہاں کہیں زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک کی شرط مفقود ہوگی،وہاں زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہ ہوگی۔مسجد میں چونکہ تملیک ممکن نہیں،اس لیے زکوٰۃ کا مال مسجد یا دیگر رفاہی کاموں میں صَرف کرنا درست نہیں،تاہم اگر مستحقِ زکوٰۃ سے اس کی تملیک کرائی جائے اور وہ برضا ورغبت اس رقم کو مسجد مذکور کی تعمیر پر خرچ کرے تو اس میں شرعاً گنجائش پائی جاتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولا یجوز أن یبنی بالزکوۃ المسجد، وکذا القناطیر، والسقایات، واصلاح الطرقات، وکری الأنهار، والحج، والجهاد، وکل مالاتملیك فیه. (۱)

ترجمہ:

اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنانا درست نہیں اور اسی طرح پل،حوضیں،راستوں کی مرمت،نہروں کی کھدائی،حج، جہاد اور ہر وہ عمل جس میں تملیک نہ ہو اس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔

وقدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء . قال ابن عابدینؒ :ویکون له ثواب الزکوۃ، وللفقیر ثواب هذه القرب.(۲)

ترجمہ: ہم نے حیلہ بیان کیا کہ فقیر پر زکوٰۃ کی رقم صدقہ کرے،پھر ان چیزوں میں صَرف کرنے کو کہے۔ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ:''اس کو زکوٰۃ دینے کا ثواب اور فقیر کو ان نیکی کے کاموں میں صَرف کرنے کا ثواب ملے گا''۔

❀❀❀

سود خور مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال نمبر(66):

ایک شخص کئی سالوں سے لوگوں کے ساتھ سودی معاملات کرتا رہا ہے جس کی وجہ سے بہت زیادہ مقروض ہو

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوۃ، الباب السابع فی المصارف:۱/ ۱۸۸

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف:۳/ ۲۹۳

چکا ہے،اب غریب اور زکوٰۃ کا مستحق ہے۔کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

واضح رہے کہ مقروض شخص کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کا قرض کسی گناہ کی وجہ سے ہو،لہذا اگر کوئی شخص مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔اگر کوئی مقروض ایسا ہو جس کو زکوٰۃ دینے سے اس کی معصیت اور فسق وفجور میں اضافہ ہوتا ہو،اور بے دینی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو تو پھر ایسی صورت میں ایک فاسق اور فاجر آدمی کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیے، اس کی بجائے ایک دین دار فقیر کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے۔تاہم اگر تائب ہوکر قرض سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کی اعانت درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

التصدق علی الفقیر العالم أفضل من التصدق علی الجاھل.(۱)

ترجمہ:　فقیر عالم کو زکوٰۃ دینا،جاہل فقیر کو زکوٰۃ دینے سے افضل ہے۔

❁❁❁

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم خود لینا

سوال نمبر(67):

فقرا اور مساکین پر زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لیے ایک شخص کو وکیل بنایا گیا،جبکہ یہ شخص خود فقیر ہے اور خود بھی زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے تو کیا اس وکیل کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے اور جس شخص نے زکوٰۃ کا وکیل بنایا ہے،اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

اگر وکیل کو اس شرط پر زکوٰۃ کی رقم دی جائے کہ اس کو مخصوص افراد یا مخصوص مدرسہ تک پہنچائے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم ذاتی طور پر خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی،اس صورت میں وکیل اس کا ضامن ہوگا،لیکن اگر مزکی

(۱)الفتاوی الهندیة،کتاب الزکوة،الباب السابع في المصارف:۱/۱۸۷

(زکوۃ دینے والے نے) مطلقاً اختیار دیا ہو کہ جہاں تو مناسب سمجھے، یہ زکوۃ خرچ کر و اس کلی اجازت کے بعد اگر یہ شخص خود زکوۃ کا مستحق ہو تو زکوۃ اپنے لیے قبض کرنے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وللوکیل أن یدفع لولده الفقیر،وزوجته لالنفسه إلا إذاقال ربھا ضعھا حیث شئت. (۱)

ترجمہ:

اور وکیل کے لیے جائز ہے کہ زکوۃ اپنے فقیر بیٹے اور بیوی کو دے دے، اپنے لیے نہ لے، لیکن اس وقت (خود بھی استعمال کر سکتا ہے) جب اس کے مؤکل نے اسے کہا ہو کہ اس کو جہاں چاہو خرچ کرو۔

❁❁❁

مال دار مسافر کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (68):

اگر کوئی شخص گھر سے شرعی مسافت پر ہو اور وہ گھر میں صاحبِ نصاب ہو، لیکن وطن سے باہر پردیس میں صاحبِ نصاب نہ ہو، بلکہ تنگدست ہو تو ایسی صورت میں اس کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر مسافر شخص گھر میں صاحبِ نصاب ہو، لیکن سفر کے دوران اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو جو مقدارِ نصاب تک پہنچ جائے تو ایسے شخص کو زکوۃ دینا شرعاً جائز ہوگا، لہٰذا اگر مذکورہ شخص نے شرعی مسافت طے کی ہو اور وہ سفر کے دوران تنگدست ہو تو ایسے شخص کو زکوۃ دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

مصرف الزکوۃ ......ھو فقیر،وھو من له أدنی شيء) ......(وابن السبیل ......وھو) کل(من له مال لا معه) (۲)

---

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ:۳/۱۸۸،۱۸۹

(۲) الدر المختار علی ردالمحتار، کتاب الزکوۃ،باب المصرف:۳/۲۸۳_۲۹۰

ترجمہ:

زکوۃ کے مصارف میں فقیر ہے، جس کی پاس ملک میں تھوڑی سی چیز ہو۔۔۔۔اور مسافر وہ ہے کہ جس کا مال تو ہو،مگر اس کے پاس نہ ہو۔

❁❁❁

زکوۃ کے وکیل کا اپنے رشتہ داروں کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(69):

ایک شخص کو زکوۃ کا وکیل بنایا گیا ہے،اسے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو شخص بھی اس گاؤں میں زکوۃ کا مستحق ہو، اس کو زکوۃ دو۔کیا وکیل اپنے اقربا کو یہ زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر وکیل کو زکوۃ تقسیم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو یہ وکیل خود زکوۃ نہیں لے سکتا،البتہ اصول وفروع یا قریبی رشتہ دار جو زکوۃ کے مصرف ہوں تو ان کو زکوۃ دے سکتا ہے؟

والدّلیل علیٰ ذلک:

الوکیل بأداء الزکوۃ إذا صرفه إلی ولده الکبیر أو الصغیر أو إمرأته، وهم محاویج جاز، ولا یمسك لنفسه شیئاً.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے مقرر کردہ وکیل اگر اپنے بڑے بیٹے،چھوٹے بیٹے یا بیوی کو زکوۃ دے اور وہ محتاج ہوں تو یہ جائز ہے،البتہ اپنے لیے کچھ بھی نہیں رکھے گا۔

❁❁❁

(۱)الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة،کتاب الزکوۃ،الفصل الثاني في المصرف:۴/۸۶

کفن کے لیے زکوۃ دینا

سوال نمبر(70):

ایک غریب شخص فوت ہوگیا ہے،جس کے کفن کا بندوبست ایک معزز شخص نے زکوۃ کی رقم سے کیا ہے تو کیا میت کے کفن پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا از روئے شریعت جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ کی رقم میں یہ ضروری ہے کہ یہ مستحق زکوۃ کو تملیکاً دی جائے،چونکہ میت کسی چیز کو اپنی ملک میں نہیں لاسکتا، اس لیے تملیک کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اس کے لیے زکوۃ کی رقم سے کفن خریدنا جائز نہیں،تاہم اگر اس کے ورثا یا کسی بھی مستحق زکوۃ شخص کو یہ رقم تملیکاً دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے اس رقم سے مذکورہ میت کے لیے کفن خریدلے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً)لاإباحة کمامرّ (لا)یصرف (إلی بناء) نحو(مسجدو)لا إلی (کفن میت ،وقضاء دینه)(۱)

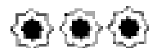
ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے نہ کہ اباحت۔جیسا کہ ذکر ہوا کہ اس کو مسجد کی تعمیر،میت کے کفن اور اس کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

وحیلة التکفین بهاالتصدق علی فقیر، ثم هو یکفن ،فیکون الثواب لهما.(۲)

ترجمہ:

تکفین کا حیلہ اس طرح ہے کہ فقیر کو زکوۃ کی رقم دی جائے،پھر وہ اس سے کفن خریدلے تو دونوں کو ثواب ملے گا۔



(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الزکوۃ:۳/۲۹۱

(۲)حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،کتاب الزکوۃ،باب المصرف،ص:۵۹۳

مقروض غیر مسلم کوزکوۃ دینا

سوال نمبر(71):

ہمارے گاؤں کے ہسپتال میں ایک غیر مسلم خاکروب میرا مقروض ہے، وہ غربت اور مفلسی کی وجہ سے میرا قرضہ نہیں اتار سکتا، میں اس کوزکوۃ کی رقم دینا چاہتا ہوں، تا کہ یہ شخص اس رقم کا مالک بن کر مجھے اپنا قرضہ واپس کردے۔ کیا شریعت کی رُو سے غیر مسلم کوزکوۃ کی رقم دے کر اس سے قرضہ وصول کیا جاسکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس آدمی کو شریعت نے زکوۃ دینے کا مستحق قرار دیا ہے، دوسری شرائط کے ساتھ ساتھ اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے غیر مسلم کوزکوۃ کی رقم دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ مقروض شخص ایک غیر مسلم ہے اور غیر مسلم کوزکوۃ کی رقم دینا شرعاً جائز نہیں، اس لیے مذکورہ شخص کوزکوۃ دینے سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ولایجوزأن یدفع الزکوۃالی ذمي) لقوله علیه السلام لمعاذؓ :خذها من أغنیائهم ،وردها في فقرائهم (ویدفع إلیه ماسوی ذلك من الصدقة) (۱)

ترجمہ: ذمی کوزکوۃ دینا جائز نہیں، آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ارشاد فرمایا تھا کہ: "ان کے اغنیا سے زکوۃ لے کر ان کے فقرا کو دے دو"، جبکہ ان کوزکوۃ کے علاوہ رقم دی جاسکتی ہے۔

❁❁❁

بہن، بھائی کوزکوۃ دینا

سوال نمبر(72):

اگر بہن، بھائی محتاج ہوں اور زکوۃ کے مستحق ہوں تو ان کوزکوۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۱) الهدایة، کتاب الزکوۃ، باب من یجوزدفع الصدقات إلیه ومن لایجوز: ۱/ ۲۲۲

الجواب وباللہ التوفیق :

زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ بہن، بھائی کو دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اس میں ضروری ہے کہ یہ محتاج اور مستحق ہوں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اجنبی مستحقین کی بجائے رشتہ دار کے ساتھ مالی تعاون کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس سے صلہ رحمی کو تقویت ملے گی اور شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، تاہم اگر کہیں اجانب کا احتیاج زیادہ ہو تو پھر اقارب کی جگہ اجانب سے ترجیحی سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وقید بالولاد لجوازہ لبقیة الأقارب ، کالأخوة، والأعمام، والأخوال الفقراء بل هم أولی لأنه صلة وصدقة.(۱)

ترجمہ:

ماتن نے ولادت کی شرط لگائی، کیوں کہ باقی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ بھائی، چچا، ماموں وغیرہ جب فقراء ہوں، بلکہ ان کے ساتھ تعاون کرنا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ صلہ رحمی بھی ہے۔

❁❁❁

بیرون ملک رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(73):

ایک شخص کے رشتہ دار بیرون ملک رہائش پذیر ہیں، جو کہ مستحق زکوٰۃ ہیں۔ کیا ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے؟ جبکہ مذکورہ شخص کے محلہ میں بھی غریب اور فقیر لوگ موجود ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

فقہائے کرام نے ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ کی رقم منتقل کرنے کو مکروہ لکھا ہے، لیکن اگر دوسرے شہر میں رشتہ دار مستحق زکوٰۃ موجود ہوں تو ان کو قرابت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، لہذا اعزہ واقارب جو بیرون ملک رہائش پذیر

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف: ۲۹۳/۳

ہیں، ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی قباحت نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد إلی بلد إلا أن ینقلھا الإنسان إلی قرابتہ، أو إلی قوم ھم أحوج إلیھا من أھل بلدہ.(۱)

ترجمہ:

زکوٰۃ کی رقم ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص اس کو دوسرے شہر میں اپنے فقیر رشتہ داروں کی طرف یا ایسے لوگوں کی طرف جو اس کے شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہوں، منتقل کرے تو یہ مکروہ نہیں۔

❁❁❁

زکوٰۃ کے مصرف میں غلبہ ظن کا اعتبار

سوال نمبر(74):

ایک کاروباری شخص ہونے کی وجہ سے دوران کاروبار مختلف قسم کے لوگوں سے میرا واسطہ پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا اچھا خاصا کاروبار ہوتا ہے، لیکن حالات سے مجبور ہو کر وہ مالی طور پر نہایت کمزور ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں اگر ان لوگوں سے پوچھنے پر مجھے معلوم ہو یا دوسرے ذرائع سے پتہ لگے کہ یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور میرا یقین ہو کہ واقعی یہ لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینے سے میرا ذمہ فارغ ہو گا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوٰۃ کا مصرف ہونے میں بنیادی کردار زکوٰۃ دہندہ کے غلبہ ظن کا ہے۔ جب قابل اعتماد ذرائع سے ایک شخص کی حالت معلوم ہو جائے یا اس سے پوچھ کر اس کا اقرار موجب غلبہ ظن ہو تو یہی غلبہ ظن زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔ معن بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ: "میرے والد نے ایک دفعہ صدقہ کے کچھ دینار مسجد میں کسی شخص کے حوالے کیے، تاکہ وہ فقراء میں تقسیم کرے۔ میں نے اس سے کچھ لیے میرے باپ نے کہا میں نے تمہارا ارادہ نہیں کیا تھا"۔ میں نے یہ مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۹۰

(لك مانويت يايزيد، ولك ماأخذت يامعن). (١)

ترجمہ:

''اے یزید! تمہارے لیے تمہاری نیت ہے (یعنی اس کا ثواب ملے گا) اور اے معن! جو کچھ تم نے لیا وہ تمہارے لیے ہے''۔

اگر چہ یہ نفلی صدقہ کے بارے میں وارد ہے، لیکن حدیث کے الفاظ میں عموم کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ زکوۃ دیتے وقت دل کی جو کیفیت ہو اس پر دارومدار ہے، لہٰذا اس وقت اگر کسی شخص کے مصرف ہونے کا یقین ہو اور اس کو زکوۃ دی جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، چونکہ باطن کی حالت تک رسائی انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کی باطنی حالت بہتر جانتے ہیں، اس لیے حقیقتِ حال سے آگاہی پر زکوۃ کی ادائیگی موقوف رکھنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ ظاہری حالت پر اعتماد کر کے جب زکوۃ دی جائے اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہو تو ادا شدہ زکوۃ صحیح شمار ہوگی، اس کا دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

إذاشك، وتحرى، فوقع في أكبر رأيه أنه محل الصدقة، فدفع إليه، أو سأل منه فدفع، أوراه في صف الفقراء، فدفع فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وكذاإن لم يظهر حاله عنده، وأماإذا ظهر أنه غني، أوهاشمي، أو كافر، أومولى الهاشمي، أوالوالدان، أوالمولودون، أوالزوج، أوالزوجة، فإنه يجوز، وتسقط عنه الزكوة في قول أبي حنيفة، ومحمد. (٢)

ترجمہ:

جب (کسی شخص کے بارے میں) شک ہو اور سوچ بچار کے بعد اس کا غالب گمان ہو کہ یہ محل صدقہ ہے، اس کو زکوۃ دی یا اس سے پوچھا، تب اس کو زکوۃ دی یا فقرا کی صف میں اس کو دیکھ کر زکوۃ دے دی، بعدازاں کہیں یہ واضح ہو کہ یہ صدقہ کا مصرف ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے اور اگر اس کی حالت اس پر ظاہر نہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اور اگر یہ ظاہر ہو کہ یہ شخص مالدار ہے یا سید ہے یا کافر یا ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہے یا والدین یا اولاد اور یا خاوند، بیوی میں سے کوئی ہو تو یہ جائز ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے زکوۃ ساقط ہوگی، دوبارہ اس پر اعادہ نہیں۔

(١) صحيح البخاري، كتاب الزكوة، باب إذا تصدق على ابنه وهو لايشعر: ١٩١/١

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ١٨٩/١، ١٩٠

اولاد کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(75):

ایک غریب شخص ہے، جو باپ سے علیحدہ اپنے لیے مزدوری کرتا ہے، لیکن اس کا باپ ایک غنی اور سرمایہ دار شخص ہے، وہ اپنے مال کی زکوۃ اپنے غریب بیٹے کو دینا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

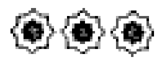
شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اصول وفروع اور میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔ خواہ مذکورہ افراد علیحدہ علیحدہ کاروبار کرتے ہوں یا ایک ساتھ اکٹھے رہ کر محنت ومزدوری کرتے ہوں، چونکہ بیٹا باپ کے فروع میں سے ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ کو سامنے رکھتے ہوئے بیٹے کو زکوۃ دینا شرعاً جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایدفع المزکي زکوة ماله إلی أبیه، وجده، وإن علا، ولاإلی ولده، وولد ولده، وإن سفل. (۱)

ترجمہ:

اور زکوۃ دینے والا اپنے مال کی زکوۃ اپنے باپ، دادا یا اس سے اوپر کو نہیں دے سکتا اور نہ ہی اپنی اولاد اور پوتوں وغیرہ کو دے سکتا ہے، اگرچہ فروع نیچے کی طرف کے ہوں (مثلاً پڑپوتا وغیرہ)۔



زکوۃ کے استحقاق میں آمدنی کا اعتبار

سوال نمبر(76):

ایک شخص کے پاس ایک جریب زمین ہے اور اس کے علاوہ اس کا اپنا گھر ہے جس کی قیمت نصاب سے کئی گنا زیادہ ہے، لیکن زمین کی آمدنی اور مزدوری کرنے کے باوجود بھی اس کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں تو اس شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الهدایة، کتاب الزکوة، باب من یجوزدفع الصدقات إلیه ومن لایجوز:۱/۲۲۳

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق استحقاقِ زکوۃ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں، بلکہ حاصل ہونے والی آمدنی کا اعتبار ہوتا ہے۔لہٰذا اگر زمین کی آمدنی اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحب جائیداد ہونے کی وجہ زکوۃ لینے کا مستحق نہیں،اگر جائیداد کی آمدنی اخراجات کے لیے ناکافی ہو اور بمشکل ضروریات پوری ہوتی ہوں تو پھر ایسے شخص کے لیے زکوۃ جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف،ولا يحصل منه مايكفي له، ولعياله ،اختلف فيه ،قال ابن مقاتل: يجوزصرف الزكوة إليه. (۱)

ترجمہ:

اور اگر اس کے پاس زمین ہو،جس کی قیمت ہزاروں کے برابر ہو اور اس کی آمدنی سے اس کا اور اس کے بچوں کا گزارہ نہ ہوتا ہو تو اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ابن مقاتل کے نزدیک ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

❁❁❁

زکوۃ کی رقم سے مسجد کے لیے سامان خریدنا

سوال نمبر(77):

ہمارے گاؤں کی مسجد کو پنکھوں کی ضرورت ہے۔ایک شخص زکوۃ کے پیسوں سے مسجد کے لیے پنکھے خریدنا چاہتا ہے تو کیا مسجد کے لیے زکوۃ کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی جاسکتی ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے،مسجد کے لیے پنکھے خریدنے پر تملیک کی شرط پوری نہیں ہوتی،اس وجہ سے مسجد کے لیے زکوۃ کے مال سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

---

(۱)الفتاوی البزازية على هامش الهندية،كتاب الزكوة،الفصل الثاني في المصارف:۴/۸۵

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسجد کے لیے زکوۃ کے پیسوں سے پنکھے خریدنا تملیک کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ہاں اگر کوئی فقیر قبضہ کرکے مسجد کے لیے وقف کرے تو پھر استعمال کرنا درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحة کمامرّ، (لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد و) لا إلی (کفن میت، وقضاء دینه) (۱)

ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے اباحت (درست) نہیں جیسا کہ گزر گیا کہ اس کو مسجد کی تعمیر، میت کے کفن اور اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

❁❁❁

مال دار شخص اگر غریب ہو جائے تو اس کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (78):

ایک شخص کے پاس بہت مال تھا۔ ہر سال فقرا و مساکین میں زکوۃ تقسیم کیا کرتا تھا۔لیکن کسی حادثہ کی وجہ سے اب غریب ہو چکا ہے، یہاں تک کہ اب مزدوری کرکے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، کیا اس شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس شخص کے پاس نصاب کی مقدار کے برابر مال موجود نہ ہو، اس کو زکوۃ کی رقم دینا جائز ہے۔مذکورہ شخص اگرچہ کسی وقت میں مال دار تھا، لیکن اب چونکہ فقیر ہوا، اگرچہ مزدوری کے ذریعے گھریلو اخراجات پوری کرتا ہے، لیکن صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کو زکوۃ کی رقم دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویجوز دفعها إلی من یملك أقل من النصاب، وإن کان صحیحاً مکتسباً. (۲)

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ: ۳/۲۹۱

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوۃ، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹

ترجمہ: اور اس شخص کو زکوۃ دینا جائز ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو، اگرچہ صحیح اور کمانے والا ہو۔

زکوۃ کی قسط وار ادائیگی

سوال نمبر (79):

ایک شخص کاروبار کی رقم سے ہر ماہ تھوڑا تھوڑا حصہ بطور زکوۃ مستحق لوگوں کو دیتا رہتا ہے، کیا زکوۃ قسط وار ادائیگی سے ادا ہو جائے گی یا اس کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوۃ کی ادائیگی کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ادا کرتے وقت اس کی نیت کی جائے خواہ زکوۃ یکمشت ادا کی جائے یا آسانی کے لیے قسطوں میں ادا کی جائے، دونوں صورتوں میں ادائیگی جائز ہوگی۔ زکوۃ کی یکمشت ادائیگی ضروری نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وشرط أدائها نية مقارنة للأداء، أو لعزل ما وجب، أو تصدق بكله.(١)

ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ ادائیگی کے وقت زکوۃ کی نیت ہو یا واجب شدہ زکوۃ کو مال سے جدا کرتے وقت (زکوۃ کی نیت) ہو یا سارے مال کو صدقہ کر دے۔

(أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء.(٢)

ترجمہ:

کل مال یا بعض مال علیحدہ کرتے وقت زکوۃ کی نیت کی ہو اور مال جدا کرنے کے ساتھ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی بلکہ فقرا کو ادا کرنے کے ساتھ ذمہ فارغ ہوگا۔

(١) محمود النسفي، عبدالله بن أحمد، كنز الدقائق، كتاب الزكوة: ٥٧/١، ايچ ايم سعيد كمپني كراچي

(٢) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الزكوة: ١٨٩/٣

زکوۃ میں گھر وغیرہ کی منفعت دینا

سوال نمبر(80):

ایک صاحبِ نصاب شخص نے اپنے مال کا حساب لگا کر اس سے زکوۃ کی رقم الگ کردی، جس سے ایک مکان اس غرض سے تعمیر کیا کہ اس میں پانچ سال کوئی فقیر آدمی بغیر کسی کرایہ کے رہائش پذیر ہوگا اور پھر اپنے استعمال میں لائے گا تو کیا زکوۃ میں صرف رہائش کے لیے مکان مہیا کرنا کافی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ میں ایک اہم شرط تملیک ہے اور بغیر تملیک کے زکوۃ کی رقم کسی جگہ میں استعمال کرنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں زکوۃ کی رقم سے مکان تعمیر کرکے کسی فقیر کو پانچ سال رہائش کے لیے دینے سے چونکہ تملیک کی شرط پوری نہیں ہوتی، کیونکہ منافع پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس سے صرف مفاد پرستی معلوم ہوتی ہے، اس لیے زکوۃ کی ادائیگی درست نہ ہوگی، البتہ زکوۃ کی رقم سے تعمیر شدہ پورا مکان کسی مستحقِ زکوۃ کو دیا جائے تو اس صورت میں زکوۃ کی ادائیگی درست ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأخرج بالتمليك الإباحة فلا تكفي فيها، فلو أطعم يتيماً ناوياً به الزكوة ،لاتجزيه إلىٰ قوله وخرج بالمال المنفعة ،فلو أسكن فقيراً داره سنة ناوياً للزكوة لايجزيه۔ (۱)

ترجمہ:

اور تملیک یعنی مالک بنانے کی قید سے اباحت نکل گئی، لہذا یہ کافی نہ ہوگا، پس اگر یتیم کو زکوۃ کی نیت سے اپنے ساتھ کھلائے تو یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی اور مال کی قید سے منفعت نکل گئی، لہذا اگر فقیر کو اپنے گھر میں ایک سال تک زکوۃ کی نیت سے ٹھہرائے تو یہ جائز نہیں۔

❀❀❀

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوة: ص ۵۸۷

فقیر کی اجازت سے اس کے گھر کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم لگانا

سوال نمبر(81):

(الف) نے (ب) سے فون پر رابطہ کیا کہ میں تمھارے لیے گھر بنانا چاہتا ہوں اور اس پر صرف ہونے والی رقم کا آپ سے مطالبہ نہیں کروں گا۔ (ب) نے اجازت دے دی۔ اس کے بعد (الف) نے زکوۃ کی رقم سے (ب) کے لیے گھر بنانا شروع کر دیا۔ کیا ایسی صورت میں (الف) کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، جبکہ (ب) ایک فقیر آدمی ہے اور زکوۃ لینے کا مستحق ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ کی صحت کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ مزکی زکوۃ کی رقم فقیر کو دے کر اس کو اس کا مالک بنادے۔

صورتِ مسئولہ میں محض مکان کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، البتہ مکان بنا کر فقیر کے حوالہ کرنے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، چونکہ (الف) نے زکوۃ کے مال سے مکان تعمیر کر کے (ب) کو اس مکان کا مالک بنایا ہے، گویا اس مکان کی ملکیت فقیر کو حوالہ کر دی، لہٰذا شرطِ تملیک پائی جانے سے زکوۃ ادا ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحۃ کما مرّ. (۱)

ترجمہ: زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، اباحت (درست) نہیں جیسا کہ گزر گیا۔

أما الذي یرجع إلی المؤدی فمنھا: أن یکون مالا متقوما علی الإطلاق سواء کان منصوصا علیه، أو لا، من جنس المال الذي وجبت فیه الزکوۃ، أو من غیر جنسه. (۲)

ترجمہ: (مال) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ مال متقوم ہو، چاہے وہ منصوص ہو یا نہ ہو، جس میں زکوۃ واجب ہو، چاہے اس مال کے جنس سے ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ: ۲۹۱/۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، فصل فیما یرجع إلی المؤدی: ۲/۱۶۱

غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا

سوال نمبر(82):

ہمارے علاقے میں ایک نادار غیر مسلم آباد ہے۔ایک مال دار مسلمان اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا چاہتا ہے۔کیا غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی کے لیے فقہائے کرام نے شرط قرار دیا ہے کہ لینے والا مسلمان ہو،چونکہ غیر مسلم میں یہ شرط مفقود ہے،اس وجہ سے اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں،البتہ نفلی صدقہ غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ولا)تدفع (إلی ذمي) لحدیث معاذؓ (وجاز)دفع (غیرها وغیرالعشر) والخراج(إلیه) أي الذمي،ولوواجباً کنذر، وکفارة،وفطرة خلاف للثاني.(۱)

ترجمہ:

حضرت معاذؓ کی حدیث کے حوالے سے ذمی کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی،جبکہ زکوٰۃ،عشر اور خراج کے علاوہ جیسے، نذر،کفارہ،اور صدقۂ فطر اگرچہ صدقات واجبہ میں سے ہیں،ذمی کو دینا جائز ہیں۔

۞۞۞

غنی شخص کے بیٹوں کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(83):

ایک مال دار صاحبِ نصاب شخص کے چار بیٹے ہیں جن میں تین نابالغ اور ایک بیٹا بالغ ہے۔ہمارے علاقے کا ایک کارخانے دار اس شخص کے بیٹوں کو زکوٰۃ دینے کا خواہش مند ہے کیا ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ:۳/۳۰۱

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب کوئی شخص مال دار ہواوراس کے بیٹے نابالغ ہوں اور یہ بچے اس کے سرپرستی میں ہوں توان کوزکوۃ کی رقم دینا جائز نہیں،البتہ اگرکوئی بیٹاایسا ہو جو بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ خودغریب اور مفلس بھی ہوتو پھراس کوزکوۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔بالغ کی زکوۃ کاتعلق کسی اور کے مال کے ساتھ نہیں،بلکہ خوداس کی مال داری اورغریبی کے ساتھ ہے۔

لہٰذاصورتِ مسئولہ میں تین نابالغ بیٹوں کوزکوۃ نہیں دی جاسکتی اور بالغ اگرغریب ہے تواس کودی جاسکتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولایجوز إلی صغیر، والدہ غني، وإن کان الابن کبیراً جاز. (۱)

ترجمہ:

اور مالدار کے نابالغ بچے کوزکوۃ دیناجائزنہیں،البتہ مالدار کے بڑے بیٹے کوزکوۃ دیناجائز ہے۔

❁❁❁

مہمان کوکھاناکھلانے میں زکوۃ کی نیت کرنا

سوال نمبر(84):

(الف) کے حجرے میں ایک غریب مہمان آیا۔تین دن مہمان نوازی کے بعداس نے زکوۃ کی نیت سے اسے کھاناکھلاناشروع کردیا،لیکن خودبھی مہمان کے ساتھ کھانے میں شریک ہواتو کیاایسی صورت میں (الف) کی زکوۃ اداہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگرکوئی شخص دوسرے شخص کواپنے ساتھ بٹھاکرکھاناکھلائے اوراس میں زکوۃ کی نیت بھی کرے تواس سے زکوۃادانہیں ہوگی،تاہم اگرکھانے کی کوئی چیزتملیک کرائی جائے اوراس میں اپنا

(۱) الفتاوی الخانیة علی ھامش الھندیة،کتاب الزکوۃ،فصل في من توضع فیه الزکوۃ:۱/۲٦٦

اختیار ختم کر دیا جائے، تو پھر ادائیگی درست رہے گی۔

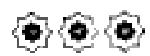
لہٰذا محررہ صورت کی روشنی میں غریب مہمان کو کھانا تملیک کے طور پر نہیں دیا گیا، اس لیے زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہوئی۔

والدّلیل علیٰ ذٰلک:

فلو أطعم يتيماًناوياالزكوٰة لايجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم .قال ابن عابدين:لأنه بالدفع إليه بنية الزكوة يملكه، فيصير آكلاًمن ملكه، بخلاف ماإذاأطعمه. (١)

ترجمہ:

پس اگر کوئی شخص یتیم کو کھانا زکوٰۃ کی نیت سے کھلائے تو یہ کافی نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ کھانا اس کو دے دے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں: ''اس لیے کہ زکوٰۃ کی نیت سے اس کو دینا اس کو مالک بنانا ہے تو گویا وہ اپنی ملکیت سے کھانے والا ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ وہ اس کو اپنے ساتھ کھلائے''۔



غریب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر (85):

خاندان کا ایک شخص بہت مال دار ہے، جبکہ اس خاندان کے چند افراد ایسے بھی ہیں، جو نادار اور غریب ہیں، ایسی صورت میں غریب دوست کو زکوٰۃ دینا چاہیے یا قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے، کیوں کہ زکوٰۃ دینے کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔

لہٰذا صورتِ محررہ کو سامنے رکھتے ہوئے غریب دوستوں کی بجائے غریب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا زیادہ افضل اور باعثِ ثواب ہے۔

---

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ:۳/۱۷۱

والدّلیل علیٰ ذلك:

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب ،كالإخوة، والعم ، والأخوال الفقراء، بل هم أولىٰ؛لأنه صلة وصدقة .وفي الظهيرية :ويبدأ في الصدقات بالأقارب، ثم الموليٰ ثم الجيران.(١)

ترجمہ:

اور زکوۃ نہ دینے کو اولاد کے ساتھ مقید کیا، کیوں کہ بقیہ رشتہ دار مثلاً بھائی، چچا اور ماموں جو غریب ہوں، ان کو زکوۃ دینا جائز، بلکہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ صلہ رحمی بھی ہے اور ادائیگی زکوۃ بھی۔ظہیریہ میں لکھا ہے کہ زکوۃ ادا کرتے وقت رشتہ داروں سے شروع کی جائے گی، پھر غلاموں کو، پھر پڑوسیوں کو دے گا۔

❁❁❁

زکوۃ میں گھی دینا

سوال نمبر(86):

ایک شخص صاحبِ نصاب ہے،لیکن وہ زکوۃ میں نقد رقم کی بجائے گھی خرید کر غربا و مساکین میں تقسیم کرتا ہے، کیا اس طرح متبادل چیز سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوۃ میں غربا و مساکین کی ضروریات کو مدِ نظر رکھنا چاہیے، جو چیز ان کے لیے مناسب اور فائدہ مند ہو، وہی چیز بطورِ زکوۃ دی جائے، تاہم اگر کوئی چیز ایسی ہو، جس کی وہ ضرورت محسوس نہ کرے، تب بھی ان کو دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔البتہ فقیر کو نقد رقم دینا زیادہ بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں گھی اس غریب کی ضرورت ہو یا نہ ہو، زکوۃ بہر حال ادا ہو جائے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وأماالذي يرجع إلى المودى فمنها:أن يكون مالاً متقوماً على الإطلاق سواء كان منصوصاً

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب المصرف:٢/٢٩٣

علیه ،أو لا، من جنس المال الذي وجبت فيه الزكوة،أو من غير جنسه. (۱)

ترجمہ:

اور ادا کی جانے والے (مال) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ مال مطلقاً متقوم ہو، چاہے وہ منصوص ہو یا نہ ہو جس میں زکوۃ واجب ہو، چاہے اس مال کے جنس سے ہو یا نہ ہو۔

❁❁❁

زکوۃ میں کتابیں دینا

سوال نمبر(87):

ایک سرمایہ دار شخص زکوۃ کے پیسوں سے دینی کتب خریدتا ہے اور پھر اپنے نوکروں اور علاقے کے دوسرے غریب لوگوں کو یہ کتب زکوۃ کی نیت سے دیتا ہے تو کیا اس طریقے سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جاتی ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس طرح زکوۃ میں کسی کو رقم اور پیسے تملیکاً دینا جائز ہے، اس طرح کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابل تملیک ہیں۔اس لیے کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ میں کتابیں دینا بھی جائز ہوگا،لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ کتابیں غریبوں کو تملیکاً دی جائیں،صرف عاریتاً دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما الذي يرجع إلى المؤدى فمنها:أن يكون مالاً متقوماً على الإطلاق سواء كان منصوصاًعليه،أو لا، من جنس المال الذي وجبت فيه الزكوة،أو من غير جنسه. (۲)

ترجمہ:

اور ادا کی جانے والے (مال) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ مال مطلقاً متقوم ہونا چاہیے چاہے وہ منصوص ہو یا نہ ہو، جس میں زکوۃ واجب ہو، چاہے اس مال کے جنس سے ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة،فصل فيما يرجع إلى المؤدى:۲/ ٤٦١

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة،فصل فيما يرجع إلى المؤدى:۲/ ٤٦١

سیّدہ عورت کے بیٹے کوزکوۃ دینا

سوال نمبر(88):

اگر کوئی شخص ایسے آدمی کوزکوۃ دینا چاہے جس کی ماں کا تعلق سید خاندان سے ہواور باپ سید نہ ہوتو اس کوزکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق چونکہ نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے، ماں کی طرف سے نہیں، اس لیے اگر کسی شخص کی ماں سیدہ ہواور باپ سید نہ ہوتو اس کوزکوۃ دینا جائز ہے، لیکن اگر باپ سید ہے تو اس کے بیٹے کوزکوۃ دینا جائز نہیں۔

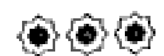
مذکورہ شخص کی ماں سیدہ ہے اور باپ سید نہیں ہے۔صرف والدہ کی سیادت کی وجہ سے کوئی سید نہیں بن سکتا، اس لیے اس کوزکوۃ دینا جائز ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

من كانت من أمها علوية مثلاً، وأبوها عجمي يكون العجمي كفوالها،وإن كان لهاشرف ما،لأن النسب للأباء ،ولهذا جازدفع الزكوة إليها، فلايعتبر التفاوت بينهمامن جهة شرف الأم.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی عورت کی ماں سیدہ ہواور اس کا باپ عجمی ہوتو عجمی اس کا کفو ہوگا، اگر چہ نسب کے لحاظ سے قدرے شرف حاصل ہے، کیوں کہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے،لہذا اس عورت کوزکوۃ دینا جائز ہے اور ماں کی طرف سے جہت نسب میں شرافت کا اعتبار نہیں۔



(۱) ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب النکاح،باب الکفاءۃ:۴/ ۲۱۰

رہائشی جگہ کی بجائے کاروباری جگہ میں زکوۃ کی رقم دینا

سوال نمبر(89):

ایک شخص کی رہائش ایک شہر میں ہے، جبکہ اس کی تجارت کسی دوسرے شہر میں ہے۔ ہر سال زکوۃ کی ادائیگی میں پریشانی یہ ہوتی ہے کہ کن لوگوں کو زکوۃ دینا زیادہ مناسب ہے۔ رہائشی جگہ کے لوگوں کو یا کاروباری جگہ کے لوگوں کو، شریعت کی رُو سے رہنمائی فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق :

فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق جہاں کہیں مال زکوۃ ہو یا کاروباری جگہ ہو تو اس کی زکوۃ وہاں کے مستحقین میں تقسیم کرنا بھی درست ہے، تاہم اگر اپنے شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند ہوں تو ان کی طرف منتقل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لہذا محررہ حالات کی روشنی میں کاروبار کی جگہ کے فقرا کو زکوۃ دینا رہائشی جگہ کے فقرا کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ تاہم اگر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہو کہ کاروباری جگہ کی نسبت رہائشی علاقہ کے لوگ زیادہ محتاج ہے تو ان کی طرف زکوۃ منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ویکره نقل الزكوة من بلدإلى بلد إلاأن ينقلها الإنسان إلى قرابته، أوإلى قوم هم أحوج إليهامن أهل بلده ......ثم المعتبر في الزكوة مكان المال، حتى لو كان هوفي بلد وماله في بلد أخر،يفرق في موضع المال.(۱)

ترجمہ: زکوۃ کی رقم ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر کوئی شخص اس کو دوسرے شہر میں اپنے فقیر رشتہ داروں کی طرف یا ایسے لوگوں کی طرف جو اس کے شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہوں، منتقل کرے تو یہ جائز ہے ۔۔۔۔۔ پھر زکوۃ میں مال کے موجودہ جگہ کا اعتبار ہوگا، چنانچہ اگر وہ ایک شہر میں ہو اور اس کا مال دوسرے شہر میں ہو تو وہ مال کی جگہ میں تقسیم کرے گا۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،الباب السابع في المصارف:۱/۱۹۰

گاؤں کے ٹیوب ویل میں زکوۃ کی رقم لگانا

سوال نمبر(90):

ہمارے گاؤں کے لوگ بہت غریب ہیں۔ایک شخص اس میں زکوۃ کی رقم سے ٹیوب ویل لگانا چاہتا ہے۔کیا زکوۃ کی رقم سے ٹیوب ویل لگانا جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کی ہے۔ چونکہ ٹیوب ویل لگانے میں یہ شرط نہیں پائی جاتی،اس لیے گاؤں کے لوگ اگرچہ غریب ہیں،لیکن ان کے لیے زکوۃ کی رقم سے ٹیوب ویل لگانا جائز نہیں،کیونکہ ٹیوب ویل لگانے میں تملیک نہیں پائی جاتی،البتہ اگر غریب لوگوں کو زکوۃ کی رقم نقد دی جائے اور وہ اپنی مرضی سے ٹیوب ویل لگادیں تو یہ مقصد باآسانی پورا ہوجائے گا اور زکوۃ کی ادائیگی بھی درست ہوگی۔

والدّليل علیٰ ذلك:

ولايجوزأن يبني بالزكوة المسجد، وكذا القناطير، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار، والحج، والجهاد، وكل مالاتمليك فيه. (١)

ترجمہ: اورزکوۃ کی رقم سے مسجد بنانا درست نہیں اوراسی طرح پل،حوضیں،راستوں کی مرمت،نہروں کی کھدائی،حج، جہاد اور ہراس عمل میں جس میں تملیک نہ ہو،زکوۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

حکومتی فارم کے بغیر زکوۃ

سوال نمبر(91):

بندہ ہسپتال میں سرکاری ملازم ہے۔میری ڈیوٹی زکوۃ کی دوائیوں پر ہے۔ان ادویات کے حصول کے لیے مستحقین حضرات کو پہلے ایک فارم پُر کرنا ہوتا ہے،جسے وہ گاؤں کے ناظم یا کچہری کے چیئرمین سے دستخط کراتے ہیں،

(١) الفتاوى الهندية،كتاب الزكوة،الباب السابع في المصارف:١/١٨٨

فارم بنانے میں بسا اوقات کئی دن لگ جاتے ہیں، کبھی کبھار ہمارے پاس ایسا مریض آتا ہے، جو فوری طور پر امداد کا محتاج ہوتا ہے اور زکوۃ کی دوائیوں کا بھی مستحق ہوتا ہے، لیکن اس کے پاس فارم نہیں ہوتا، اگر میں اس کی ضرورت اور حاجت کے پیش نظر فارم کے بغیر دوائی دوں تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ اس کے علاوہ اگر میں اپنے لیے یا اپنے رشتہ داروں کے لیے بغیر فارم کے دوائی حاصل کروں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے حکومت کے جو احکامات اسلامی تعلیمات سے متصادم نہ ہوں تو ان کی تعمیل لوگوں پر واجب ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ حکومت نے آپ کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ آپ فارم وصول کر کے ادویات متعلقہ شخص کے حوالہ کریں، فارم سے بنیادی طور پر بددیانتی کا تدارک مقصود ہے، اس لیے اس ذمہ داری میں آپ کے لیے کسی قسم کی کوتاہی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس زکوۃ کی وصولیابی کا فارم نہ ہو تو ایسے شخص کو دوائی دینا قانوناً اور شرعاً جرم ہے، ایسا کرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ واقعی زکوۃ کا مستحق ہو، یوں آپ قانون کی خلاف ورزی کر کے رشتہ داروں کو بھی دوائی نہیں دے سکتے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا. قوله: (أمر السلطان إنما ينفذ) أي يتبع، ولا تجوز مخالفته. (۱)

ترجمہ: بادشاہ کا حکم نافذ ہوگا اگر شریعت کے موافق ہو، ورنہ نہیں۔ یعنی اس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

❁❁❁

مدرسے کا چندہ دوسرے مصرف میں خرچ کرنا

سوال نمبر (92):

کیا مدرسے کا چندہ کسی دوسرے دینی کام میں خرچ کرنا جائز ہے؟

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب القضاء: ۱۱۷/۸

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے مدرسے کے وقف پیسے مہتمم اور متولی مدرسہ کے ہاتھ میں امانت ہوتے ہیں۔ چندہ دہندگان مدرسہ کی کارکردگی کو دیکھ کر چندہ دیتے ہیں جس میں تعلیمی امور مدنظر ہوتے ہیں، اس لیے یہ رقوم صرف طلباے کرام اور مدرسے کے مصالح میں خرچ کرنا ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مدرسے کے چندہ کو مدرسے کے علاوہ کسی دوسرے دینی کام میں خرچ کرتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔

تاہم اگر کسی واقف نے مدرسے کے علاوہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنے کی تصریح کی ہو تو اس صورت میں مدرسے کے علاوہ دوسرے مصرف میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ.(١)

ترجمہ: وقف کرنے والوں کی غرض کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

❁❁❁

زکوۃ میں سے سفیر کو رقم دینا

سوال نمبر(93):

آج کل مدارس دینیہ کے لیے بعض افراد کمیشن پر چندہ اکٹھا کرتے ہیں۔ جب چندہ میں زکوۃ کی مد میں رقم جمع ہوجائے تو چندہ جمع کرنے والے کو اسی مد میں سے رقم دینا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی ادارے کے سفیر کی حیثیت اجیر کی ہوتی ہے اور عقد اجارہ میں ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو اور عمل بھی۔ صورتِ مسئولہ میں کمیشن پر چندہ اکٹھا کرنا دو وجہ سے اجارۂ فاسدہ ہے: ایک بوجۂ جہالتِ اجرت، کیونکہ چندہ کی مقدار مجہول ہے اس لیے اجرت بھی مجہول ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس میں اجرت عمل اجیر سے حاصل ہوتی ہے اور شریعتِ مطہرہ میں یہ بھی ناجائز ہے۔ البتہ یہ صورت اختیار کرنا جائز ہے کہ سفیر کے لیے لوگوں کے پاس جانے اور مدرسہ کی ضروریات بتاکر چندہ کی ترغیب دینے کے عوض روزمرہ یا ماہانہ حساب سے اجرت مقرر کی جائے۔

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ: ٦/٦٦٥

اسی طرح چندہ میں زکوۃ کی مد میں جو رقم جمع ہو جائے، اس کی تملیک سے قبل سفیر کو تنخواہ میں دینا جائز نہیں، البتہ مستحق طلبہ سے تملیک کروانے کے بعد اگر وہ مدرسہ میں جمع کریں تو اس سے سفیر یا دیگر عملہ کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں۔

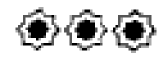
والدّلیل علیٰ ذلک:

وشرطها: كون الأجر والمنفعة معلومتين؛لأن جهالتهما تفضي الى المنازعة.(۱)

ترجمہ: اوراجارہ کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں اس لیے کہ ان دونوں کی جہالت سے جھگڑا پیدا ہوگا۔

(ولودفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه)أي بنصف الغزل ...... فسدت في الكل ؛لأنه استأجره ، بجزء من عمله. (۲)

ترجمہ: اور اگر کوئی کسی کو اون کاتنے کے لیے دے اس شرط پر کہ آدھا اون (اجرت میں) اُس کے لیے ہوگا یا ایک خچر کرایہ پر لیا، تا کہ اس پر کھانے کا سامان لاد کر لائے اور کچھ اس میں سے کھانا اس کی اجرت مقرر کی، یا بیل کرایہ پر لیا آٹا پیسنے کے لیے اور اس میں سے اجرت ٹھہرایا تو سب صورتوں میں اجارہ جاسدہ ہے، اس لیے کہ اجرت اس ٹھہرایا ہے جو اجیر کے عمل سے حاصل ہوگی۔



زکوۃ کے مال سے جہیز خریدنا

سوال نمبر(94):

اگر سفید پوش آدمی غربت کا شکار ہو، اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان مہیا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو بتائے بغیر زکوۃ کی رقم سے جہیز کا سامان مہیا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ کتنی رقم کی مقدار سے سامان جہیز دیا جائے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ادائیگی زکوۃ میں رضائے الٰہی اور ایک اہم فریضہ کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے اور اس کے ساتھ غربا کی امداد کا راز بھی اس میں مضمر ہے، اس لیے غربا کے حق میں جو طریقہ مفید اور زیادہ نفع پہنچانے والا ہو، فقہانے زکوۃ کی ادائیگی

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار:۹/۷ (۲) أيضاً:۹/۸۷

میں اس کو اختیار فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفروضہ زکوٰۃ کے جنس کے علاوہ بھی اس کی قیمت کے مقدار دیگر اشیا کی صورت میں ادائیگی جائز ہے، تاہم فقیر کی حالت کو دیکھ کر اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے اس کی ضروریات پوری ہونے کے بعد نصاب تک نہ پہنچے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی غریب ہو تو اس کی حالت کو مدِ نظر رکھ کر مال زکوٰۃ، سامان جہیز کی صورت میں تملیک کرائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ صاحبِ نصاب ہو جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں، نیز فقیر کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یکمشت ضرورت کی مقدار تک دینا بھی درست ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من ذلك، وإن كان صحيحاً مكتسباً؛ لأنه فقير، والفقراء هم المصارف، ولأن حقيقة الحاجة لا يوقف عليها، فأدير الحكم على دليلها وهو فقد النصاب، ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً، وإن دفع جاز.(١)

ترجمہ:

اور ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو اس سے کم کا مالک ہو، اگرچہ وہ شخص تندرست، کمانے والا ہو، کیونکہ وہ فقیر ہے اور فقرا ہی زکوٰۃ کے مصارف ہیں اور اس لیے کہ حقیقی محتاجی پر تو مطلع ہو نہیں سکتا، اس وجہ سے حکم اس کی دلیل پر دائر کیا گیا ہے اور وہ نصاب کا مفقود ہونا ہے۔ ایک شخص کو دو سو دراہم یا زیادہ دینا مکروہ ہے، اگر دے دیے تو جائز ہے۔

❁❁❁

عصری علوم حاصل کرنے والے کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر (95):

موجودہ دور میں کالج کے طالب علموں کو حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کے فنڈ سے رقم دی جاتی ہے، جبکہ یہ طالب علم صاحبِ نصاب نہیں اور مسافر بھی ہیں، اگرچہ ان کے والدین صاحبِ نصاب ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان جیسے طالب علموں کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(١) الهداية، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز: ١/٢٢٤

الجواب وباللہ التوفیق:

زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے۔ ایسے طالبِ علم جو عصری علوم حاصل کررہے ہوں ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ جب مسلمان، بالغ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو، کیوں کہ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز امر نہیں اور نہ ہی اس میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے۔

لہٰذا عصری علوم حاصل کرنے والے طالبِ علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگرچہ اس کا والد مالدار ہو، کیوں کہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار شمار نہیں ہوتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا إلى (طفله) بخلاف ولده الكبير، وأبيه، وفي ردالمحتار: (ولا إلى طفله) أي الغني، فيصرف إلى البالغ ولو ذكراصحيحاً .(۱)

ترجمہ:

اور نہ اس کے چھوٹے بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بخلاف اس کے بڑے بیٹے اور اس کے والد کے (ان دونوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے) ردالمحتار میں ہے کہ: ''مالدار آدمی کے چھوٹے بچے کو ذکر کرنے سے اس کا بالغ بیٹا اس حکم سے نکل گیا، اگرچہ وہ صحت مند ہو''۔

❁❁❁

طالبِ علم کو زکوٰۃ دینا

سوال نمبر(96):

کیا زکوٰۃ ونذر کی رقم غربا ومساکین کے علاوہ دینی علوم حاصل کرنے والے طالبِ علم کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ نذر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں اور مصارفِ زکوٰۃ میں سے ''فی سبیل اللہ'' اور ''ابن سبیل'' بھی ہیں۔ فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے تحت دینی علوم

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف:۲۹۸/۳

کے طلبہ بھی داخل ہیں، کیوں کہ دینی مدارس میں رہتے ہوئے طلبا ہمہ وقت علم دین کے حصول میں مشغول رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی فرصت نہیں ملتی، اس لیے زکوۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہیں، تاہم اگر طالب علم مالدار ہو تو پھر اس کو زکوۃ دینا درست نہیں۔

والدّليل على ذلك:

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل.(١)

ترجمہ:

جاہل فقیر کو صدقہ دینے کی بہ نسبت عالم فقیر کو صدقہ دینا افضل ہے۔

❁❁❁

مال دار عورت کے بچوں کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (97):

اگر کوئی سرکاری ملازم کسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو جائے اور ورثا میں ایک بیوہ اور دس بچے رہ جائیں اور بعد از وفاتِ خاوند بیوہ کے نام خاوند کے سرکاری کھاتہ میں سے جی پی فنڈ وغیرہ کے نام پر کچھ رقومات نکل آئیں۔ جس کی وجہ سے وہ بیوہ صاحبِ مال بنتی ہو تو اب اس بیوہ کے چھوٹے بچے مستحق زکوۃ ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں مصارف زکوۃ کا تعین کر دیا گیا ہے جس میں فقرا اور مساکین بھی تصریح کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، البتہ غنی شخص (مال دار شخص جو سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر مالیت کا مالک ہو) کو زکوۃ کی رقم دینا درست نہیں۔ ہاں جس کے پاس اتنی مقدار میں مال موجود نہ ہو تو اس کو زکوۃ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی عورت کے ہاں بقدرِ نصاب مال موجود ہو تو اس عورت کو زکوۃ کی رقم دینا جائز نہیں، البتہ اگر اس کے بچوں کے ہاں بقدرِ نصاب مال موجود نہ ہو تو بچوں کو زکوۃ کی رقم دینا درست ہے۔ کیوں کہ ماں کی

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب في المصارف: ١/١٨٧

مالداری کی وجہ سے بچے مالدار نہیں بنتے، اس لیے کہ ماں اور بچوں کی ملکیت میں تباین ہے۔ ایسی صورت میں نابالغ بچوں کے لیے والدہ بھی نیابۃً زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإنما منع من الدفع لطفل الغني؛ لأنه يعد غنيا بغناء أبيه، كذا قالوا، وهو يفيد أن الدفع لولد الغنية جائز، إذ لا يعد غنيا بغنى أمه، ولو لم يكن له أب. (١)

ترجمہ:

مالدار آدمی کے بچے کو زکوٰۃ دینے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ وہ اپنے باپ کے غنی ہونے کی وجہ سے غنی (مالدار) شمار ہوتا ہے اور اسی طرح کہا گیا ہے اس سے یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے مالدار ہونے کی وجہ سے مالدار شمار نہیں ہوتا تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جبکہ اس کا باپ نہ ہو۔

❁❁❁

عشر ادا کرنے والے کا استحقاقِ زکوٰۃ

سوال نمبر(98):

ایسا زمیندار شخص جو عشر ادا کرتا ہو، لیکن نقد مالیت کی نسبت سے صاحبِ نصاب نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ وصدقہ فطر وغیرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے صدقاتِ واجبہ کے مستحقین وہ غربا اور مساکین ہوتے ہیں جن کے پاس نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کے برابر مالیت نہ ہو یا نصاب کے برابر تو ہو لیکن حاجت میں مشغول ہو تو پھر بھی اس کے لیے صدقاتِ واجبہ لینے کی گنجائش ہے۔

لہٰذا مذکورہ شخص اگر عشر ادا کرتا ہو اور نقد مالیت کے اعتبار سے نصاب کا مالک نہ ہو تو دوسرے صدقاتِ واجبہ مثلاً: زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی کی کھال کی رقم وغیرہ لے سکتا ہے۔

---

(١) البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف: ۲/۴۲۹

والدّليل علىٰ ذلك:

و فيهاسئل محمدؒ عمن له أرض يزرعهاأو حانوت يستغلهاأو دارغلتها ثلاثة آلاف ،ولا تكفي لنفقته، و نفقة عياله سنة؟يحل له أخذالزكوة، وإن كانت قيمتهاتبلغ ألوفا وعليه الفتوىٰ و عندهما لايحل.(۱)

ترجمہ:

امام محمدؒ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس کی زرعی زمین ہو یا ایسی دکان جس سے کرایہ حاصل ہو یاایسا گھر جس کا کرایہ تین ہزار حاصل ہوتا ہواور وہ اس کے اوراس کے بچوں کے سال بھر نفقہ کے واسطے کافی نہ ہو؟ تو اس کے لیے زکوۃ کی رقم لینا جائز ہے اگرچہ اس کی قیمت نصاب بہت زیادہ ہواور فتوی اسی قول پر ہے اور شیخین کے نزدیک اس کے لیے زکوۃ کی رقم لینا جائز نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

يجوزدفع الزكوة إلى من يملك مادون النصاب ،أوقدرنصاب غير نام،وهومستغرق في الحاجة.(۲)

ترجمہ:

زکوۃ ایسے شخص کو دینا جائز ہے جو نصاب سے کم یا بقدرِ نصاب غیر نامی کا مالک ہو، جو کہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہو۔



زکوۃ کی رقم سے ملازمین کو تنخواہیں دینا

سوال نمبر(99):

محتاج لوگوں کی مدد وعلاج کے لیے قائم کسی رفاہی ادارے کو لوگ زکوۃ کی رقومات دیتے ہوں تو اربابِ ادارہ،

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب المصرف:۲۹٦/۳

(۲) البحرالرائق، كتاب الزكوة،باب المصرف:۲/ ٤١٩

ادارے سے منسلک ملازمین کی تنخواہوں میں یہ رقم استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ادارے کے ذمے مختلف قسم کی اشیا کے خریدنے کی وجہ سے قرضے ہیں تو زکوۃ کی رقم سے قرضے کی ادائیگی جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ کی رقم ملازمین کی تنخواہوں اور اشیا کی قیمت کے طور پر دینا اس وقت درست ہوگا جب پہلے یہ رقم کسی مسکین وفقیر کی ملکیت میں دے دی جائے پھر وہ اپنی طرف سے ادارے کو ہبہ کردے۔ اس تملیک کے بعد زکوۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کو شعبہ خدمتِ خلق کے مختلف اخراجات میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔ حیلہ کرنے میں قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں، تاہم حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وحیلة التکفین بها التصدق علی الفقیر،ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما، و کذافي تعمیر المسجد.(۱)

ترجمہ:

تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ پہلے کسی فقیر کو بطورِ صدقہ دیں، پھر فقیر اس کو تکفین پر خرچ کرے، پس اس کا ثواب دونوں کو ہوگا اور مسجد کی تعمیر کے لیے بھی یہی طریقہ ہے۔

❁ ❁ ❁

غریب خاتون کا زکوۃ کی رقم سے حج کرنا

سوال نمبر(100):

ایک غریب ومحتاج خاتون حجِ بیت اللہ کی شدید خواہش منداور آرزومند ہو، رشتہ دار اس کی حالت کو دیکھ کر اگر زکوۃ کی رقم سے اتنی مقدار میں اس کو رقم دیں کہ جس سے اس کے سفرِ حج کے اخراجات پورے ہوسکیں اور وہ حج کرے تو اس صورت میں ادائیگی زکوۃ اور حج ہو جائے گا یا نہیں؟

---

(۱) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الزکوۃ:۳/۱۹۱

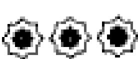
الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں ادائیگی زکوۃ کے لیے ضروری ہے کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے، ورنہ بصورتِ دیگر زکوۃ سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں زکوۃ لینے والے کو مالک بنانے کے ساتھ ساتھ فقیر کو اتنی رقم دینی چاہیے، جس سے وہ صاحب نصاب نہ بن سکے، پھر جب وہ اس رقم کا مالک بن جائے تو اس رقم کو وہ اپنی مرضی کے مطابق کہیں بھی خرچ کرسکتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی حج بیت اللہ کا آرزومند ہو اور اس کو زکوۃ کی اتنی رقم مل جائے کہ وہ اس سے سفرِ حج کرسکتا ہو تو اس طرح سے زکوۃ اور حج دونوں کی ادائیگی ہو جائے گی اور کسی خاتون کا سفرِ حج پر جانے کے لیے اس کے ہمراہ کسی محرم کا ہونا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما قوله تعالى: ﴿وفي سبيل الله﴾ عبارة عن جميع القرب؛ فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله، وسبيل الخيرات، إذا كان محتاجاً. (۱)

ترجمہ: کلام اللہ میں "في سبيل الله" تمام نیک افعال سے عبارت ہے، پس ہر وہ کوشش و محنت جو اللہ کی تابع داری کے واسطے اور نیکی کی راہ میں جس کی طرف احتیاج ہو، کی جائے، وہ اس میں داخل ہے۔



زمین کا مالک ہونے کے باوجود زکوۃ کا مستحق ہونا

سوال نمبر (101):

کسی کے پاس زمین ہو جس کی آمدنی بچوں کی ضروریات میں صرف ہوتی ہو، زائد کچھ بچتا نہ ہو، جو چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے۔ یہ شخص مستحقِ زکوۃ ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس شخص کے پاس کچھ مال ہو، لیکن زکوۃ کے مقرر کردہ نصاب تک نہ پہنچے یا اتنا مال ہو کہ اس کی مالیت کے بقدر ہو، مثلاً ایک شخص کے پاس رہنے کے لیے مکان، عام استعمال کی اشیا موجود ہیں، لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى إليه: ۲/۴۷۱

نقد رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو بقدرِ نصاب ہو، نہ ہو یا موجود تو ہو، لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہو تو ان حالات میں اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا درست ہے، تاہم زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ بطورِ عشر ادا کرے گا اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ومنهافراغ المال) عن حاجته الأصلية، فليس في دور السكنى، وثياب البدن وأثاث المنازل، ودواب الركوب، وعبيد الخدمة، وسلاح الاستعمال زكوة.(١)

ترجمہ:

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال ضروریاتِ اصلیہ سے زائد ہو۔ پس رہنے کے گھروں، بدن کے کپڑوں، گھر میں استعمال کے ساز وسامان، سواری کے جانور، خادموں اور استعمال کے ہتھیار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁

حاجتِ اصلیہ سے زائد اشیا کے مالک کا مستحقِ زکوٰۃ بننا

سوال نمبر(102):

اگر ایک شخص کے پاس پہننے کے کپڑے، چادر اور بوٹ وغیرہ ضرورت سے زائد موجود ہوں اور اسی طرح اندرونِ خانہ بھی ایسی اشیا موجود ہوں جو ضرورت سے زائد ہوں تو کیا شرعاً یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ کیا فریج، موبائل اور ٹیلیفون ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو شخص نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو تو وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں بن سکتا، لیکن یہ بات ضروری ہے کہ یہ مال ضرورت سے زائد ہو، چونکہ ہر شخص کی ضروریات دوسروں سے مختلف ہوا کرتی ہیں، اس لیے اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو چیز اس کی ضروریات سے زائد ہو، یعنی سال بھر میں ایک دفعہ بھی استعمال نہ ہوتی ہو تو اس کا حساب لگا کر اگر ساڑھے

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب في تفسيرها وصفتها: ١/١٧٢

باون تولے چاندی کی مالیت کے بقدر ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا درست نہیں، تاہم فریج، موبائل اور فون اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ موجودہ دور میں فریج، ٹیلیفون اور موبائل وغیرہ ضروریاتِ اصلیہ میں داخل ہیں۔

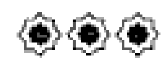
لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص کے پاس ضرورت سے زائد ایسی اشیا موجود ہوں، جو سال بھر استعمال نہ ہوتی ہوں تو ان کی قیمت لگا کر اگر نصاب ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولا یجوز دفع الزکوۃ إلی من یملك نصاباً،أي مال کان دنانیر،أو دراهم ،أو سوائم ،أو عروضاً للتجارة،أو لغیر التجارة فاضلاً عن حاجته في جمیع السنة .(۱)

ترجمہ:

جو شخص کسی نصاب کا مالک ہو مثلاً: دینار کے نصاب کا، درہم کے نصاب کا، چرنے والے جانوروں کے نصاب کا، تجارتی مال کے نصاب کا یا تجارتی مال کے علاوہ ایسے مال کا جو سارا سال اس کی ضرورت سے زائد ہو؛ تو ان سب کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں۔



اصول وفروع کو زکوۃ دینا

سوالِ نمبر(103):

ایک شخص اپنے مال کی زکوۃ سے بیٹے (دینی طالبِ علم) کے لیے کتب خرید کر دینا چاہتا ہے، کیا بیٹے کو زکوۃ کی رقم اس طرح دینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے زکوۃ کا مال اپنے اصول، یعنی آباؤ واجداد اور فروع یعنی اولاد، پوتوں وغیرہ کو دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، خواہ نقد کی صورت میں ہو یا زکوۃ کی رقم سے کچھ خرید کر دینے کی صورت میں ہو، لہٰذا مذکورہ شخص کا زکوۃ کے

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوۃ،باب في المصارف:۱۸۹/۱

مال سے کتابیں خرید کر طالب علم بیٹے کو دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایدفع المزکي زکوۃ ماله إلی أبیه وجده، وإن علا، ولاإلی ولده وولد ولده، وإن سفل ؛لأن منافع الأملاك بينهم متصلة، فلايتحقق التمليك على الكمال.(۱)

ترجمہ: اور زکوۃ دینے والا اپنے مال کی زکوۃ والد کو اور دادا کو نہ دے اگر چہ اس سے اوپر ہو اور نہ بیٹے کو اور نہ پوتے کو اگر چہ اس سے نیچے ہو، کیوں کہ اموال کے منافع ان کے درمیان متصل یعنی مشترک ہوتے ہیں تو تملیک پوری طرح متحقق نہ ہوگی۔

❁❁❁

مدرسہ میں نابالغ بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال نمبر(104):

ایک دینی مدرسہ میں طلبا زیرِ تعلیم ہوں، لیکن ان میں اکثریت نابالغ بچوں کی ہو تو زکوۃ کی رقومات اگر مدرسے میں آئیں اور وہ اوسطاً بالغ طلبا کے خرچے سے زائد ہوں تو نابالغ طلبا سے تملیک کرانے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ کی تملیک کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں، بلکہ اس کے لیے عقل ودانش مندی اور قبضہ ضروری ہے، اس لیے جو بچے مال کو قبضہ کرنا جانتے ہوں اور اتنے ہوشیار ہوں کہ دھوکہ دے کر کوئی ان سے پیسے نہیں لے سکتا ہو تو ان کو زکوۃ دینا یا ان پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا درست ہے، البتہ جو بچے اتنی تمیز بھی نہ کر سکتے ہوں تو ان کو زکوۃ دینا درست نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی مدرسے میں اکثریت تعداد نابالغ بچوں کی ہو تو اگر نابالغ بچوں میں سے جو مراہق ہوں یا قبضہ کرنا جانتے ہوں یا اتنے ہوشیار ہوں کہ دھوکہ دے کر ان سے کوئی مال نہیں لے سکتا ہو تو ان کو زکوۃ دینا صحیح ہے، تاہم اگر وہ خود اتنے ہوشیار نہ ہوں تو ان پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس میں بقدرِ ضرورت حیلہ تملیک

(۱) الهداية، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز: ۱/۲۲۳

سے کام لے کر ان بچوں پر خرچ کیا جائے تو ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

حیلۂ تملیک یہ کہ کسی فقیر، یعنی دوسرے مستحق طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا کر دوبارہ مدرسے میں جمع کرنے کی ترغیب دی جائے کہ وہ خود کو اس کا مالک سمجھ کر برضا و رغبت اور مدرسے سے ہمدردی کی بنا پر مدرسہ میں جمع کر دے۔ یوں زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور تملیک کرنے والے کو بھی ثواب مل جائے گا۔ بعدازاں تملیک شدہ رقم کسی بھی مد میں خرچ کی جا سکتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو قبض الصغير، و هو مراهق جاز و كذالو كان يعقل القبض بأن كان لا يرمي، ولا يخدع عنه، ولودفع إلى فقير معتوه جاز.(۱)

ترجمہ:

اگر چھوٹا بچہ قبضہ کرے جو سن بلوغ کے قریب ہو تو جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر کوئی بچہ ایسا ہو کہ قبضہ کرنا جانتا ہو اور وہ قبضہ کرے، اس طور پر کہ اس سے نہ چھینا جا سکتا ہو اور نہ اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہو، اسی طرح اگر کسی معتوہ فقیر کو حوالہ کیا جائے تو یہ سب جائز ہیں۔

وقدمناأن الحيلة أن يتصدق على الفقير،ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وقال ابن عابدينؒ: ويكون له ثواب الزكوة، و للفقير ثواب هذه القرب.(۲)

ترجمہ: ہم نے یہ حیلہ پہلے بیان کیا کہ پہلے کسی فقیر پر صدقہ کریں، پھر ان اشیا کی تکمیل کا حکم کریں۔ اور ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: ''دینے والے کو زکوٰۃ کا ثواب ملے گا اور فقیر کو اس عمل کے کرنے کا ثواب ہوگا''۔



زکوٰۃ کی رقم کو مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرنا

سوال نمبر (105):

ایک شخص زکوٰۃ کی رقم مدرسے کی تعمیر پر خرچ کرنے کا خواہاں ہے اور اس کے ساتھ طالب علموں کے لیے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،باب في المصارف:۱/۱۹۰

(۲) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الزكوة،باب المصارف:۳/۲۹۳

کتب اور دیگر ضروریات بھی زکوۃ کے فنڈ سے ادا کرنا چاہتا ہے۔ یہ مذکورہ اشیا زکوۃ کے مصارف بن سکتی ہیں یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے زکوۃ کا مصرف اور اس کے مستحقین فقرا اور مساکین ہیں۔ ان کو زکوۃ کا مال دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اس طرح زکوۃ کے مصارف میں سے دینی مدارس کے طلبا بھی ہیں، اس لیے دینی مدارس کے طلبا کو کتب اور دیگر اخراجات کے لیے زکوۃ کا مال دینا جائز ہے۔

تاہم زکوۃ کے مال میں چونکہ تملیک شرط ہے اور مدرسے کی تعمیر میں تملیک کی شرط کے فقدان کی وجہ سے زکوۃ کا مال خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ مدرسے کی تعمیر کے واسطے زکوۃ کے علاوہ دوسرے صدقات کا مال خرچ کیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولا يجوز أن يبني بالزكوة المسجد، وكذا القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار، والحج، والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، پانی پلانے کی جگہ بنانا اور راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج اور جہاد کے لیے دینا اور ہر وہ کام جس میں کسی کو مالک بنانا نہ پایا جاتا ہو، ان سب صورتوں میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔

وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوة، ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلى ما لا بد منه، كذا ذكره المصنف. قال ابن عابدين: قلت: وهو كذلك.(۲)

ترجمہ:

اور اس علت کی بنا پر اس بات کو جو ''واقعات'' کتاب کو منسوب ہے تقویت ملتی ہے، کہ طالب علم جس نے علم کے حصول اور نشر و اشاعت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو، اگرچہ وہ غنی ہو، اس کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے کہ ایک

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الزكوة، باب في المصارف: ۱/۱۸۸

(۲) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۳/۲۸۵، ۲۸۶

شرعی طالب جو اپنے آپ کو کسب وغیرہ سے بالکل فارغ رکھے، مراد اس سے یہ ہے کہ علم کے بغیر اور کسی کام سے اس کا تعلق نہ ہو، بلکہ وہ صرف اسبابِ تحصیلِ علم میں لگا رہے (تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے)۔

❁❁❁

مال دار بیٹوں کے غریب باپ کو زکوۃ دینا

سوال نمبر (106):

ایک شخص خود بیمار اور بے روزگار ہو، البتہ اس کے بچے کمائی کرتے ہوں اور ان کا والد ان کے ساتھ رہتا ہو تو کیا وہ مستحق زکوۃ ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے بالغ بیٹے اور باپ کی املاک الگ الگ متصور ہوتی ہیں۔ بیٹے کے مالدار ہونے کی وجہ سے غریب باپ مالدار نہیں بنتا، لہٰذا اگر کہیں باپ غریب اور تنگدست ہو، مالکِ نصاب نہ ہو تو وہ مستحق زکوۃ ہو گا، اگرچہ اس کے بیٹے مالدار ہوں، اس لیے کہ بیٹے کے مال میں باپ کو صرف نفقہ کی حد تک حق حاصل ہے۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں اگر باپ بیمار اور بے روزگار ہو تو وہ مستحق زکوۃ ہوگا، اگرچہ اس کے بیٹے مالدار ہوں۔

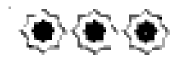
واضح رہے کہ بیٹے اپنے باپ کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویجوز صرفہا الی الأب المعسر،وإن کان ابنه موسراً.(۱)

ترجمہ:

اگر باپ غریب ہو اور اس کا بیٹا مالدار ہو تو (اجنبی کے لیے) جائز ہے کہ وہ اس غریب باپ کو زکوۃ کا مال دے۔



(۱) الفتاوی الهندية،كتاب الزكوة،باب في المصارف:۱/۱۸۹

امام کو زکوۃ دے کر مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا

سوال نمبر(107):

اگر مسجد کی تعمیر تو ضروری ہو، لیکن فنڈ کم ہو تو زکوۃ کی رقم امام کو دے کر پھر مسجد کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے؟ از روئے شریعت اس طرح تملیک کرانے سے زکوۃ کی ادائیگی درست رہے گی یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زکوۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ میں تملیک شرط ہے۔ تملیک کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اسے مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا شرعاً درست نہیں۔ اس سے ادائیگی زکوۃ نہ ہوگی، کیوں کہ مسجد میں تملیک کی اہلیت نہیں، البتہ تعمیر کے لیے کوئی اور چندہ نہ ہونے کی صورت میں بامرِ مجبوری حیلہ تملیک کر کے زکوۃ وغیرہ کی رقوم کو تعمیر و دیگر ضروریاتِ مسجد میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر امام فقیر ہو اور شرعی طور پر زکوۃ لینے کا اہل ہو تو پھر تملیک کرا کے اس کی طرف سے مطلوبہ مصرف میں صرف کی جاسکتی ہے، لیکن امام مسجد سے یہ شرط لگوانا کہ آپ لازمی طور پر اسے تعمیرِ مسجد میں خرچ کریں گے تو یہ تملیک کے منافی شرط ہے، اس لیے امام مال کے صرف کرنے میں خود مختار رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایجوز أن یبنی بالزکوۃ المسجد، وکذا القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکری الأنهار، والحج، والجهاد، وکل مالا تملیك فیه.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، پانی پلانے کی جگہ بنانا اور راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج اور جہاد کے لیے دینا اور ہر وہ کام جس میں کسی کو مالک بنانا نہ پایا جاتا ہو، ان سب صورتوں میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوۃ، باب فی المصارف: ۱/ ۱۸۸

وقدمناأن الحيلة أن يتصدق على الفقير،ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. وقال ابن عابدينؒ: ويكون له ثواب الزكوة ،و للفقير ثواب هذه القرب.(١)

ترجمہ:

ہم نے یہ حیلہ پہلے بیان کیا کہ پہلے کسی فقیر پر صدقہ کریں، پھر ان اشیا کی تکمیل کا حکم کریں اور ابن عابدینؒ نے کہا کہ: ''دینے والے کو زکوۃ کا ثواب ملے گا اور فقیر کو اس عمل کے کرنے کا ثواب ہوگا''۔

❁❁❁

زکوۃ کی رقم رفاہی کاموں میں خرچ کرنا

سوال نمبر(108):

اگر کسی رفاہی ادارے کو لوگ رقم بطورِ چندہ دیتے ہوں تو کیا ادارے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ زکوۃ کی رقم ہے یا دیگر عطیات کی۔ اگر زکوۃ کی رقم ہو تو یہ رقم مریضوں کے لیے ادویات کے علاوہ دیگر ٹیسٹ وغیرہ کرانے میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے زکوۃ اور صدقاتِ نافلہ میں فرق ہے۔ زکوۃ کی رقم کا مصرف غربا و مساکین ہیں اور اس میں ان کی تملیک ضروری ہے۔ زکوۃ کی رقم اور ساز و سامان وغیرہ کسی مستحق کی تملیک کے بغیر استعمال نہیں کرسکتے، جبکہ زکوۃ کے علاوہ دیگر عطیات کی رقومات کو کسی بھی مد میں استعمال کرنا درست ہے۔

لہٰذا اس فرق کے پیشِ نظر ادارے کے لیے رقم دینے والوں سے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ رقم زکوۃ کی ہے یا کسی اور مد کی ہے۔ اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ مذکورہ چندہ دینے والے کو رسید دیتے وقت رسید میں زکوۃ کی مد کا مستقل خانہ بنوا کر اس سے پُر کروائیں۔ جہاں تک اس کے استعمال کا تعلق ہے تو چونکہ زکوۃ میں مستحق زکوۃ کی تملیک ضروری ہے، اس لیے زکوۃ کی مد میں وصول شدہ رقم کے استعمال میں اوّلاً مستحق زکوۃ سے تملیک کروا کر پھر اس کی ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے، چاہے اس سے دوائی خریدی جائے یا اس مستحق مریض کا کوئی ٹیسٹ کروایا جائے۔

(١) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب المصارف: ۲۹۳/۳

والدلیل علیٰ ذلک:

(هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير....هو فقير،من له أدنى شيء،ومسكين،من له شيء....يصرف إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكاً)لا إباحة كمامر.(١)

ترجمہ:

کسی مسلمان فقیر کو شریعت کے مقرر کردہ حصہ کا مالک بنانا زکوۃ کہلاتا ہے۔۔۔فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی چیز ہو۔۔۔مصارف زکوۃ میں سے سب کو یا بعض کو (زکوۃ کے مال کا) مالک بنانا ہے، اباحت کے طور پر دینا کافی نہیں۔

❁❁❁

زکوۃ کی رقم ہسپتال میں خرچ کرنا

سوال نمبر(109):

کسی ایسے رفاہی ادارے کو لوگ چندہ دیتے ہوئے اگر یہ وضاحت کردیں کہ یہ زکوۃ کی رقم ہے جو مریضوں کے مفت علاج کے لیے ہے تو ادارے کے متعلقہ حضرات زکوۃ کی مذکورہ رقومات کو ہسپتال کی تمام ضروریات میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی مشینری پر خرچ کرنا جس کے بغیر ضرورت مندوں کا علاج ممکن نہ ہو یا اس کے علاوہ انسٹرومنٹ یا ایکوپمنٹ (آلات یا سامانِ جراحی) خریدے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ اور تمام صدقاتِ واجبہ مثلاً: فطرانہ، چرم قربانی وغیرہ کی قیمت میں تملیکِ فقراومساکین بلا معاوضہ شرط ہے، یعنی کسی ایسے شخص کو بلا معاوضہ مالک بنانا ضروری ہے جو صاحب نصاب نہ ہو۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر زکوۃ کی رقم سے دوائی خرید کر مریضوں (جو مستحق ہوں) کو دے دی جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی، جبکہ زکوۃ کی رقم سے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنا، تعمیرات کرنا یا ایسی مشینری اور ایکوپمنٹ کا خریدنا جو ادارے کے استعمال میں آتے ہوں، جائز نہیں ہے جب تک کسی مستحق سے اس رقم کی تملیک نہ کرائی جائے۔

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکوۃ:۳/ ۱۷۰۔۱۹۱

والدلیل علیٰ ذلك:

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، اباحت درست نہیں۔

ولا یجوز أن یبني بالزکوۃ المسجد، وکذا القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنھر، والحج، والجھاد، وکل ما لا تملیك فیه.(۲)

ترجمہ:

زکوۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، پانی پلانے کی جگہ بنانا اور راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج اور جہاد کے لیے دینا اور ہر وہ کام جس میں کسی کو مالک بنانا نہ ہو، ان سب صورتوں میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔



چند سال سادات کو زکوۃ دیتے رہنا

سوال نمبر(110):

ایک شخص کا تعلق سادات خاندان سے ہو اور وہ کئی سالوں سے باقاعدگی کے ساتھ زکوۃ ادا کرتے ہوئے اپنے خاندان کے افراد کو دیتا رہے، بعد میں اس کو علم ہو جائے کہ سادات کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص نے جو گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کی ہے، وہ ادا ہوئی یا دوبارہ ادائیگی کرنی ہوگی؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ سادات آلِ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے عزت و تکریم کے مستحق ہیں۔ ان کے اسی مرتبے و شرف کی وجہ سے ان کو زکوۃ کا مال لینے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ زکوۃ بقیہ مال کا میل کچیل ہے۔

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الزکوۃ: ۲۹۱/۳

(۲) الفتاویٰ الھندیة، کتاب الزکوۃ، باب في المصارف: ۱۸۸/۱

لہذا مسلمانوں اور اہل ثروت حضرات کا یہ اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ وہ زکوۃ کے علاوہ دوسرے مدات سے آل رسول ﷺ میں سے نادار سادات کی خدمت کریں۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کو مصرف زکوۃ سمجھ کر چند سال سے ان کو زکوۃ کا مال دیتا رہا ہے تو ایسے شخص کی گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ دوبارہ زکوۃ دینا اس پر لازم نہیں۔ تاہم آئندہ کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا شك، وتحرىٰ فوقع في أكبر رأيه، أنه محل الصدقة، فدفع إليه، أو سأل منه، فدفع أو رآه في صف الفقراء، فدفع فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وكذا إن لم يظهر حاله عنده، وأما إذا ظهر أنه غني، أو هاشمي، أو كافر، أو مولى الهاشمي، أو الوالدان، أو المولودون، أو الزوج، أو الزوجة؛ فإنه يجوز، وتسقط عنه الزكوة في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ. (۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے کسی آدمی کے متعلق زکوۃ کا مصرف ہونے میں شک کیا اور اس کا غالب گمان یہ ٹھہرا کہ زکوۃ کا مصرف ہے پس اس نے اسے دے دی یا اس سے پوچھا اور پھر دے دی یا اسے غریبوں کی قطار میں دیکھا اور اسے زکوۃ دے دی پھر معلوم ہوا کہ وہ زکوۃ لینے کا لائق تھا تو بالاجماع زکوۃ کا ادا کرنا جائز ہو گیا۔ اور اسی مذکورہ حکم کی طرح یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ جب مذکورہ صورت میں دینے کے بعد اسے کچھ معلوم نہ ہوا تو زکوۃ دینا جائز ہو گیا اور اگر مذکورہ صورت میں زکوۃ دینے کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا یا ہاشمی کا غلام تھا یا اس کے والدین تھے یا اس کی اولاد تھی یا اس کا خاوند تھا یا اس کی بیوی تھی تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں اس کے ذمہ سے وہ زکوۃ ساقط قرار پائے گی۔

❁❁❁

صاحبِ نصاب کے لیے زکوۃ لینا

سوال نمبر(111):

ایک شخص کسی فیکٹری میں ملازم ہے۔ ماہانہ آٹھ ہزار روپے تنخواہ کے علاوہ رہائش کے لیے مکان، بجلی، گیس

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، باب في المصارف: ۱/۱۹۰

بچوں کی تعلیم وعلاج مفت ہو۔ جبکہ اس شخص کا ذاتی ایک مکان ایک پلاٹ اور دو جریب زمین ہو تو کیا مذکورہ شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز رہے گا۔ کیوں کہ اس کے بچوں کی تعلیم وعلاج کے لیے فیکٹری زکوۃ کی رقم سے خرچہ مہیا کرتی ہے اور جس قدر زکوۃ لی ہو اس کے ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جس کے پاس مال نصاب کے برابر کسی بھی قسم کا مال موجود ہو اور یہ مال اس کی ضرورت اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس کے لیے نہ تو زکوۃ لینا جائز ہے اور نہ ہی اس کو زکوۃ دینا درست ہے۔ جس شخص کے پاس ذاتی مکان کے علاوہ کوئی اور مکان وزمین بھی ہو اور ان کے ساتھ اس کا ذریعہ معاش متعلق نہ ہو تو اس مکان اور زمین کی وجہ سے یہ شخص مالدار سمجھا جائے گا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جس کسی کے پاس ذاتی مکان کے علاوہ گھر کے لیے خالی پلاٹ بھی ہو اور کافی مقدار میں زمین بھی ہو تو ایسے شخص کے لیے نہ تو خود زکوۃ لینا درست ہوگا اور چونکہ اس کے نابالغ بچے بھی اس کی غنا کی وجہ سے غنی متصور ہوں گے، اس لیے ان کے لیے بھی زکوۃ کے فنڈ سے تعلیم کا خرچہ دینا جائز نہیں، کیوں کہ اس صورت میں دوسرے نادار بچوں کی حق تلفی ہوگی۔ ہاں جس کسی نے اگر ایسے شخص کو زکوۃ کا مصرف سمجھ کر زکوۃ کی رقم دی ہو تو ان کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس کے لیے بہر حال زکوۃ لینا حرام رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قال الحصكفي:(و) لاإلى (غني) يملك قدرنصاب فارغ عن حاجته الأصلية......(و)لا إلى (طفله)بخلاف ولده الكبير. قال ابن عابدينؒ قوله:(فارغ عن حاجته الأصلية)قال في البدائع: قدر الحاجة ،هوما ذكره الكرخي في مختصره، فقال لابأس أن يعطى من الزكوة من له مسكن، ومايتأثث به في منزله ......وفي التاتارخانية: سئل محمد عمن له أرض يزرعها،أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف، ولاتكفي لنفقته، ونفقة عياله سنةيحل له أخذ الزكوة، وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاء، وعليه الفتوى.(١)

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الزكوة،باب المصرف:٣/٢٩٦

ترجمہ:
علامہ حصکفیؒ نے فرمایا: اور اس طرح اس مالدار کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو صاحبِ نصاب ہو اور وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو اور نہ مالدار کے چھوٹے بچے کو دینا جائز ہے، البتہ اس کے بڑے بیٹے (بالغ) کو دینا جائز ہے۔ ابن عابدینؒ نے بدائع سے نقل فرمایا کہ حاجت کی مقدار وہی ہے جس کو علامہ کرخیؒ نے اپنی مختصر میں ذکر فرمایا ہے۔ پس وہ فرماتے ہیں کہ: ''اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں جس کا اپنا مسکن (گھر) ہو اور اس میں وہ اپنے گھر میں خوشحالی سے زندگی بسر کر رہا ہو''۔

اور تاتارخانیہ میں ہے کہ امام محمدؒ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی زمین ہو اور وہ اس کو کاشت کرتا ہو اور یا دوکان ہو، جس کا کرایہ وصول کرتا ہو یا ایسا گھر جس کا کرایہ تین ہزار ہو اور وہ اس کے اور اس کی اولاد کے ایک سال نفقہ کے لیے کافی نہ ہو؟ (تو امام محمدؒ نے جواب دیا) اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے، اگرچہ اس کی مقدار نصاب تک پہنچ جائے۔

❁❁❁

زکوٰۃ اور دیگر صدقات کا مصرف

سوال نمبر (112):

زکوٰۃ اور صدقہ کے بارے میں مفتیانِ کرام کیا فرماتے ہیں کہ اس کے صحیح مستحقین کون لوگ ہیں؟ کیا طلبہ پر صدقہ اور زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟ نیز چرمِ قربانی کے پیسے طلبہ میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نصوصِ شرعیہ کی رُو سے یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ اہلِ احتیاج کو دیے جائیں گے، یعنی وہ لوگ جو مقدارِ نصاب ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان میں سے کسی ایک کے بقدر مالِ تجارت یا نقد مالیت کے مالک نہ ہوں، لہٰذا اگر علمِ دین کے طلبہ اہلِ احتیاج کی فہرست میں داخل ہوں تو وہ صدقاتِ واجبہ کا بہترین مصرف شمار ہوں گے، تاہم صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لیے کسی نہ کسی طریقے سے تملیک کرانا ضروری امر ہے۔ یہی حکم چرمِ قربانی کی قیمت کا بھی ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مالکِ نصاب شرعاً غنی ہونے کی وجہ سے

صدقاتِ واجبہ کا مصرف نہیں بن سکتا۔ اگرچہ بعض اوقات نصاب میں شرطِ نما کے فقدان کے باعث اس سے وجوبِ زکوٰۃ ساقط ہو، تاہم اگر طالبِ علم مسافر ہو اور اس کی شرعی مسافت پوری ہوتی ہو تو ابن السبیل ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا اہل ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل.(۱)

ترجمہ:

جاہل فقیر کو صدقہ دینے کی نسبت عالم فقیر کو صدقہ دینا افضل ہے۔

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدقها،وليس له أن يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه،ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه.(۲)

ترجمہ:

چرمِ قربانی کو دراہم سے فروخت کر کے قیمت صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مالک کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے آپ پر خرچ کرنے کے لیے اسے دراہم کے بدلے فروخت کر دے اور اگر کہیں بیچ دیا تو اس کو چاہیے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کر دے۔

❁❁❁

موبائل فون کے مالک کا صاحبِ نصاب ہونا

سوال نمبر(113):

آج کل موبائل فون پاس رکھنے کا رواج زور و شور سے عام ہو رہا ہے جس کی بنا پر ہر ایک اچھے سے اچھا موبائل فون حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ان میں سے بعض بہت قیمتی بھی ہوتے ہیں تو کیا موبائل فون رکھنے والے مستحقِ زکوٰۃ ہیں یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة،باب في المصارف:۱/۱۸۷

(۲)خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية،فصل في الانتفاع بالأضحية:۴/۳۲۲

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حاجتِ اصلیہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتی ہے۔موجودہ دور کی بڑھتی ہوئی مصروفیات کو مدِنظر رکھ کر موبائل فون کو حاجتِ اصلیہ سے نکالنا مشکل ہے اور سیٹ کے مالک کو غنی یا صاحبِ نصاب نہیں کہہ سکتے۔

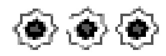
لہٰذا ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومنها: كون المال فاضلاً عن الحاجة الأصلية ؛لأن به يتحقق الغنى......إذالمال المحتاج إليه حاجة أصلية لايكون صاحبه غنيا عنه.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مال حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو، کیوں کہ اس سے غنا(مال داری) متحقق ہوتی ہے۔جب مال کی طرف مالک کو احتیاج ہو تو اس سے مالک غنی شمار نہیں ہوتا۔



صاحبِ مکان مقروض کا زکوۃ لینا

سوال نمبر(114):

اگر کسی آدمی کا ذاتی رہائش کا مکان ہو جس کی مالیت چار پانچ لاکھ روپے ہو اور اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور جائیداد یا نقد رقم نہ ہو۔جب کہ قرض دار بھی ہو تو کیا ایسے شخص کے لیے زکوۃ کی رقم لینا یا اس کو دینا جائز ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ کے علاوہ بقدرِ نصاب مال نہ ہو تو اس کو زکوۃ دی

(۱) بدائع الصنائع ،كتاب الزكوة،فصل في الشرائط التي ترجع إلى المال:۲/۳۹٤

جا سکتی ہے اور اس شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز بھی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی شخص کی ملکیت میں ذاتی رہائش کے لیے مکان کے علاوہ بقدرِ نصاب مال نہ ہو اور قرض دار بھی ہو تو اس شخص کے لیے زکوۃ کا لینا جائز رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ومنها الغارم) وهو من لزمه دين، ولا يملك نصاباًفاضلاً عن دينه، أو كان له مال على الناس لايمكنه أخذه، والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير.(١)

ترجمہ:

مصارف زکوۃ میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شخص مقروض ہو اور وہ ایسا شخص ہے کہ جس پر قرض لازم ہو اور وہ اس قرض سے زیادہ کسی نصاب کا مالک نہ ہو یا لوگوں کے پاس اس کا مال ہو، لیکن اس کے لیے اس مال کا لینا ممکن نہ ہو۔ زکوۃ کا مال کسی غریب شخص کو دینے کی نسبت مقروض شخص کو دینا اولیٰ ہے۔

(ومنها كون المال نصاباً) فلاتجب في أقل منه.(٢)

ترجمہ:

زکوۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مال بقدرِ نصاب ہو، پس نصاب سے کم مال پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

❁❁❁

زکوۃ پر متولی کا قبضہ ہو جانے کے بعد تعمیر مدرسہ و مسجد پر خرچ کرنا

سوال نمبر(115):

ایک شخص اپنی زمین وقف کر کے مدرسے کی تعمیر کے لیے کسی عالم دین کے حوالے کر دے اور دوسرے حضرات زکوۃ کی رقومات تعمیر کے لیے مولوی صاحب کے حوالے کر دیں اور مولوی صاحب خود صاحبِ نصاب نہ ہو تو کیا مولوی صاحب زکوۃ کا مال اپنے قبضے میں لانے کے بعد مدرسہ کی تعمیر میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور لوگوں کی زکوۃ مولوی صاحب

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الزكوة، باب في المصارف: ١٨٨/١

(٢) الفتاوی الهندية، كتاب الزكوة، باب في تفسيرها وصفتها: ١٧٢/١

کے قبضہ میں دینے سے ادا ہوجائے گی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے جہاں دیگر شرائط ہیں وہاں ایک شرط تملیک بھی ہے، یعنی کسی مستحق زکوۃ کو مالک بنادینے کے بغیر زکوۃ ادانہیں ہوگی۔

لہٰذا زکوۃ کی رقم مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس لیے کہ اس میں تملیک کا تصور مفقود ہے، البتہ اگر اس میں یہ حیلہ کیا جائے کہ زکوۃ کی رقم کسی مستحق زکوۃ کے ملک میں دے کر پھر وہ اپنی مرضی سے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں دے دے تو اس سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔

اس تفصیل کی رو سے متولی مدرسہ یا مسجد اگر واقعی مستحق زکوۃ ہو تو زکوۃ کی رقم اس کی ملکیت میں آجانے کے بعد مدرسے کی تعمیر میں برضا ورغبت صرف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایجوزأن یبني بالزکوة المسجد، وکذاالقناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار، والحج، والجهاد، وکل مالاتملیك فیه. (۱)

ترجمہ:

زکوۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، پانی پلانے کی جگہ بنانا اور راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج اور جہاد کے لیے دینا اور ہر وہ کام جس میں کسی کو مالک بنانا نہ ہو، ان سب صورتوں میں زکوۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہوتا۔

وحیلة التکفین بهاالتصدق علی الفقیر، ثم هویکفن فیکون الثواب لهما، وکذافي تعمیر المسجد. (۲)

ترجمہ: تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ پہلے کسی فقیر کو بطور صدقہ دیں پھر فقیر اس کو تکفین پر خرچ کرے، پس اس کا ثواب دونوں کو ہوگا، اور مسجد کی تعمیر کے لیے بھی یہی طریقہ ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوة، باب في المصارف: ۱/۱۸۸

(۲) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الزکوة: ۳/۱۹۱

دادا کا پوتے کو زکوۃ دینا

سوال نمبر(116):

ایک شخص نصاب کا مالک ہو۔اپنے مال کی زکوۃ ادا کرتے ہوئے وہ اپنے ایک ایسے پوتے کو جو کسی دینی مدرسے کا طالب علم ہو اور مستحق زکوۃ ہو،زکوۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں زکوۃ کے جو مصارف بیان ہوئے ہیں،ان میں غربا اور مساکین بھی ہیں،لیکن شرط یہ ہے کہ وہ غربا و مساکین زکوۃ دینے والے کے اصول،یعنی باپ،دادا،دادی،نانا،نانی وغیرہ اور فروع،یعنی بیٹا،بیٹی،پوتا،پوتی، نواسا،نواسی وغیرہ نہ ہوں،کیوں کہ ان رشتہ داروں کی اعانت زکوۃ کے بغیر بھی انسان کی شرعی ذمہ داری ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق دادا اپنے پوتے کو زکوۃ کی رقم نہیں دے سکتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا یدفع إلی أصله و إن علا،وفرعه وإن سفل.(۱)

ترجمہ:

زکوۃ کا مال اپنے اصل کو،یعنی اپنی ماں،باپ اور ان کے ماں باپ کو اوپر کے سلسلہ تک دینا جائز نہیں اور اسی طرح فرع کو،یعنی اپنے بیٹے،بیٹی،اور ان کے بیٹے،بیٹی کو نیچے کے سلسلہ تک دینا جائز نہیں۔

❁❁❁

صدقاتِ نافلہ کا مختلف مدات میں استعمال کرنا

سوال نمبر(117):

ایک گاؤں کے افراد نے آفاتِ سماویہ اور اپنے درمیان واقع ہونے والے مختلف لڑائی جھگڑوں کو ختم کرنے کی نیت سے مشترکہ طور پر صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان تکالیف وغیرہ سے نجات دیں۔اب

(۱) الفتاوی الهندية،كتاب الزكوة،باب في المصارف:۱/۱۸۸

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان صدقات کی رقومات کو کس طرح اور کہاں استعمال کیا جائے؟ کیا اس سے کھانا تیار کر کے گاؤں کے افراد کو کھلایا جاسکتا ہے؟ یا اس رقم سے نادار اور بے آسرا بچیوں کے لیے جہیز کا سامان خریدا جاسکتا ہے؟ یا مدرسہ و مسجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے صدقاتِ واجبہ مثلاً: زکوۃ، صدقہ فطر، نذر، کفارات وغیرہ کے علاوہ جو صدقاتِ نافلہ ہوں، یعنی کوئی شخص محض اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کے واسطے صدقہ کرے تو ایسے صدقے کو ہر قسم کی بھلائی کے امور پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کسی گاؤں کے افراد نے مشترکہ فنڈ قائم کر رکھا ہو۔ اگر اس فنڈ میں صدقاتِ واجبہ، یعنی زکوۃ، صدقہ فطر، نذر اور کفارات وغیرہ نہ آتے ہوں، بلکہ یہ فنڈ مذکورہ لوگوں کی طرف سے محض ایک عطیہ اور نفل ہو تو ایسی صورت میں ان عطیات کو مذکورہ تمام مدات میں استعمال کیا جاسکتا ہے، یعنی چاہے اس سے کھانا تیار کر کے لوگوں کو کھلایا جائے یا اس سے بے آسرا اور نادار بچیوں کے لیے جہیز خریدا جائے یا مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کیا جائے یا دوسرے رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

فلايجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه الصلاة والسلام: (لاتحل صدقة لغني) خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة .(١)

ترجمہ:

حدیث عام ہونے کی وجہ ایسے غنی پر صدقہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: ''غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں'' اس سے نفلی صدقہ خارج ہے، کیوں کہ نفلی صدقہ غنی کے لیے ہبہ ہوتا ہے۔

❁❁❁

(١) البحرالرائق، کتاب الزکوۃ، باب المصرف: ٢/٤٢٧

زکوٰۃ کی مد سے قسط وار ادائیگی پر فریج خریدنا

سوال نمبر(118):

ایک شخص زکوٰۃ کی مد سے کسی کے لیے فریج خریدنا چاہتا ہے، لیکن یہ خریداری قسط وار طریقہ سے کرتا ہے جس کی وجہ سے قیمت بڑھ جاتی ہے، مثلاً: تیس ہزار کی فریج کی قیمت چالیس ہزار ہوتی ہے، جس کی ادائیگی دو سال میں کرنی پڑتی ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ خریدنے والا زکوٰۃ کی مد میں فریج کی خریداری نقد صورت میں کرے یا قسط وار خریداری کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے جب کسی کی ملکیت میں مال نصاب تک پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔ اگر وہ شخص خلافِ جنس سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو اس خلافِ جنس چیز کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب یہ شخص نقد ادائیگی کی بجائے کسی شخص کے لیے فریج (Fridge) خریدنا چاہے تو اس سے بھی اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، البتہ قسط وار خریداری کی صورت میں زکوٰۃ دینے والے کو فائدہ حاصل ہوتا ہے، حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا مقصد غربا اور مساکین کی دادرسی ہے، لہٰذا اس شخص کے لیے فریج کی نقد خریداری زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ تیس ہزار کا فریج چالیس ہزار میں قسط وار خریدنا زکوٰۃ دہندہ کے لیے فائدہ ہے اور زکوٰۃ دہندہ کے لیے زکوٰۃ سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں، تاہم اگر فریج خرید کر دیا ہو تو اصل قیمت تیس ہزار کی زکوٰۃ ادا ہوگی اور دس ہزار دوبارہ ادا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال ابن عابدین: وأجمعوا أنه لو أدّى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة.(١)

ترجمہ:

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: ”فقہائے کرام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ زکوٰۃ خلافِ جنس سے ادا کرے تو پھر قیمت کا اعتبار ہوگا“۔

❁❁❁❁❁

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوۃ المال: ٢٢٧/٣

باب صدقۃ الفطر

مباحث ابتدائیہ

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

زکوۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی شریعتِ اسلامیہ کا ایک کثیر المنفعت اور امتیازی حکم ہے جس سے ایک طرف رمضان کے روزوں میں آنے والی کمزوریوں وکوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے تو دوسری طرف عید کے پر مسرت موقع پر معاشرے کے حاجت مند لوگوں کو اپنے ساتھ خوشی میں برابر شریک کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو فرض کر دیا ہے، تا کہ یہ روزہ کو لغو چیزوں اور جماع کی باتوں سے پاک کر دے اور فقرا و مساکین کے لیے خوشگوار کھانا بن جائے۔ جس نے نماز سے پہلے اس کو ادا کیا تو یہ اس کے لیے قبول شدہ زکوۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کر دیا تو یہ دوسرے صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے''۔(۱)

صدقۂ فطر کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

صدقہ لغت میں اس عطیہ اور بخشش کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تبارک تعالیٰ کے دربار میں ثواب اور قرب طلب کیا جائے۔ فطر کا لفظ یا تو صوم کی ضد ہے یا یہ فطرۃ سے ماخوذ ہے بمعنی خلقت و پیدائش۔ دونوں صورتوں میں اس کی اصطلاحی معنی کے ساتھ گہری مناسبت ظاہر ہے، اس لیے کہ ''صدقہ فطر'' اصطلاح میں اس مخصوص صدقہ کا نام ہے جو فطر، یعنی روزہ افطار کرنے کے شکرانے کے طور پر دیا جائے یا جسم اور خلقت کے صدقہ کے طور پر دیا جائے۔ اسی وجہ سے فقہائے کرام اس کو ''صدقۃ الخلقۃ'' یا ''زکوۃ البدن'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(۲)

صدقہ فطر کی مشروعیت اور اس کا حکم:

فقہائے کرام کے ہاں صدقہ فطر نبی کریم ﷺ کے صریح اقوالِ مبارکہ کی رو سے واجب ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، باب زكوة الفطر: ۲۳۸/۱

(۲) البحر الرائق ومنحة الخالق، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر: ۴۳۸،۴۳۷/۲

"أدّوا عن كل حرّ وعبد صغير وكبير نصف صاع من برّ أو صاعاً من شعير".

ہر آزاد، غلام، چھوٹے اور بڑے کی طرف سے نصف صاع گندم یا ایک صاع جو ادا کردو۔

صدقہ فطر کے اکثر احکام خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جو کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔(۱)

صدقہ فطر علی الفور واجب ہے یا علی التراخی:

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق زکوۃ، نذرِ مطلق اور کفارات کی طرح صدقہ فطر بھی وقت کی گنجائش اور وسعت کے ساتھ واجب ہے، یعنی وجوب کے بعد عمر کے کسی بھی حصے میں حکم بجالانا ''ادا'' کہلائے گا، قضا نہیں۔

صدقہ فطر کے وجوب کی شرائط:

یہ شرائط دو قسم کی ہیں۔ بعض کا تعلق اس شخص سے ہے جس پر خود صدقہ فطر واجب ہوتا ہے اور بعض کا تعلق ان افراد کے ساتھ ہے جن کی طرف سے صدقہ فطر دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے درج ذیل شرائط ضروری ہیں:

(۱) اسلام (۲) آزادی (۳) غنی، یعنی زکوۃ کے نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا دوسو دراہم) کے بقدر مال کی موجودگی سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ مال حاجاتِ اصلیہ اور اہل وعیال کے اخراجات سے زائد ہو۔

صدقۂ فطر کے نصاب میں زکوۃ کے نصاب کی طرح نمو (معاشی بڑھوتری وافزائش) اور حولانِ حول (سال کا گزرنا) شرط نہیں۔ یہی حکم قربانی کے نصاب، زکوۃ لینے کی حرمت اور اقارب کے نفقہ کے وجوب سے بھی متعلق ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الزکوۃ میں گزر گئی ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ نصاب صدقۂ فطر کے وجوب کے لیے شرط ہے، بقا کے لیے نہیں، لہذا اگر کوئی شخص عید کے دن طلوعِ فجر کے بعد فقیر ہوجائے یا مرجائے تو صدقہ فطر اس سے ساقط نہیں ہوگا۔(۲)

نوٹ............: صدقہ فطر کے وجوب کے لیے نہ تو رمضان کا روزہ رکھنا شرط ہے اور نہ ہی اس کے لیے عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے، بلکہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے والے شخص، بچے اور دیوانے پر بھی صدقہ فطر واجب ہے، لہذا اگر بچے

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في زكوة الفطر: ۲/۵۳۳، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صدقة الفطر، ص: ۵۹۵

(۲) بدائع الصنائع، فصل في كيفية وجوبها: ۲/۵۳۴، حاشية الطحطاوي، باب صدقة الفطر، ص: ۵۹۵

اور مجنون کا ذاتی مال موجود ہو تو ان کے اولیا ان کے مال سے صدقہ فطر دے دیا کریں گے۔ یہ قول حنفیہ میں سے شیخین کا ہے اور اسی پر حنفیہ کے ہاں فتویٰ دیا گیا ہے۔(۱)

کن لوگوں کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے؟

احادیثِ مبارکہ کی رو سے جس طرح صدقہ فطر اپنی طرف سے دینا ضروری ہے، اسی طرح اپنے اہل وعیال کی طرف سے دینا بھی واجب اور ضروری ہے، تاہم فقہائے کرام نے مذکورہ وجوب کے لیے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) دوسرے افراد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا جب وہ خود وجوب کا اہل ہو۔ اگر کوئی شخص خود ہی صدقہ فطر کے وجوب کا اہل نہ ہو تو اس پر دوسروں کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں۔

(۲) جن لوگوں کی طرف سے صدقہ فطر دینا ضروری ہے، ان میں درج ذیل شرائط ضروری ہیں۔

(الف) ان کے تمام اخراجات اور مالی بوجھ اس کے ذمہ ہو۔

(ب) ان پر ولایتِ کاملہ حاصل ہو۔

مذکورہ شرائط کی رو سے صاحبِ نصاب شخص پر اپنے مملوکہ غلاموں اور اپنے نابالغ اور فقیر بچے بچیوں کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب ہے۔ والدین، بالغ اولاد، نابالغ بھائی بہنوں اور بیوی پر ولایتِ کاملہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں۔ مذکورہ لوگ اگر خود صاحبِ نصاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں سرے سے صدقہ فطر واجب ہی نہیں اور اگر وہ صاحبِ نصاب ہوں تو خود ہی اپنا فطرانہ ادا کریں گے، البتہ اگر عیال میں ہونے کی وجہ سے کسی نے ان کی طرف سے ادا کر لیا تو ان کی طرف سے کافی ہو جائے گا، اگرچہ ان لوگوں نے اجازت نہ دی ہو۔ فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ جو لوگ عیال میں شامل ہوں، ان کی اجازت کے بغیر بھی صدقہ فطر دیا جا سکتا ہے، تاہم جو لوگ عیال میں شامل نہ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر صدقہ فطر دینا ان کی طرف سے کافی نہیں۔

حنفیہ کے ہاں ظاہر الروایۃ کے مطابق دادا پر اپنے فقیر پوتوں کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں، چاہے ان کا باپ زندہ ہو یا مر گیا ہو۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في من تجب عليه: ۲/۵۳۴، ۵۳۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صدقة الفطر، ص: ۵۹۵، الفتاوى الهندية، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۲

(۲) بدائع الصنائع، فصل في من تجب عليه: ۲/۵۳۵۔۵۴۰، الفتاوى الهندية، الباب الثامن...... : ۱/۱۹۲، ۱۹۳

صدقہ فطر کی مقدار اور جنس:

احادیثِ مبارکہ کی رو سے چار اشیا ایسی ہیں جن کی جنس سے قیمت کا اعتبار کیے بغیر صدقہ فطر دیا جا سکتا ہے ان اجناس کے نام اور مقدار یہ ہیں۔(۱) گندم میں سے نصف صاع کی مقدار واجب ہے۔
(۲،۳،۴) جبکہ جَو، کھجور اور کشمش میں سے ایک صاع کی مقدار واجب ہے۔

صاع اور نصف صاع کی مقدار:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے فقہائے کرام کے اقوال کے تتبع و تلاش کے بعد جو تحقیق و تدقیق کی ہے، اس کے مطابق صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر جب کہ نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر بنتی ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ چونکہ ہمارے بلاد میں عموماً گیہوں، یعنی گندم کے ذریعے صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے، اس لیے ایک صدقہ فطر کی مقدار پونے دو سیر (۸۰ تولے) گندم مقرر کرنا زیادہ مناسب ہے۔(۱)

منصوص و غیر منصوص اشیا کے ذریعے صدقہ فطر دینے کا طریقہ کار:

احادیثِ مبارکہ میں ذکر شدہ چار اشیا کے ذریعے صدقہ فطر ادا کرنے میں مقدار کا اعتبار ہوگا۔ قیمت یا جنس کی عمدگی و خرابی کا اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص گندم کے ذریعے صدقہ فطر ادا کرنا چاہے تو وہ نصف صاع گندم ہی دے گا۔ ایسا کرنا جائز نہیں کہ وہ ایک پاؤ قیمتی گندم، جو نصف صاع متوسط گندم کی قیمت کے برابر ہو، صدقہ فطر میں دے دے، بلکہ گندم جیسا بھی ہو نصف صاع ہی دینا پڑے گا۔ یہی حکم بقیہ اجناس کا بھی ہے۔ اسی طرح منصوص اشیا میں ایک جنس کو دوسرے جنس کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا بھی جائز نہیں، مثلاً ایک صاع جو کی قیمت لگا کر اس کے بدلے ایک پاؤ گندم دینا جائز نہیں۔ اگر کسی نے دیا تو اس ایک پاؤ کے ساتھ مزید ایک پاؤ ملا کر اس کو گندم کے جنس سے ایک مکمل صدقہ فطر کے برابر کر دے، ورنہ یہ کافی نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص منصوص اشیا (گندم، جو، کشمش، کھجور) کے علاوہ کوئی اور چیز فطرانہ میں دینا چاہے تو وہ منصوص اشیا میں سے کسی ایک چیز کی قیمت کے برابر وہ چیز فطرانہ میں دے سکتا ہے، چاہے وہ دوسری چیز غلہ جات کے قبیل سے ہو، دراہم و دنانیر ہوں یا کوئی اور چیز یا سامان وغیرہ ہو۔

حنفیہ کے ہاں گندم کا آٹا گندم کے حکم میں اور جو کا آٹا جو کے حکم میں ہے، یعنی آٹا دیتے وقت چکی وغیرہ کا خرچہ منہا نہیں کیا جائے گا، بلکہ گندم اور جو کے دانوں کی طرح نصف صاع یا پورا صاع دینا ضروری ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے

(۱) أوزانِ شرعیہ، صاع کا وزن اور صدقہ فطر کی مقدارِ صحیح، ص: ۳٤۔۳۸

ہیں کہ فقرا کے فائدے اور آسانی کو مدِنظر رکھ کر آٹا گندم سے افضل ہے اور قیمت دینا آٹے سے بھی افضل ہے۔

صدقہ فطر کے مصارف اور تملیک و نیت کا حکم:

صدقہ فطر مصارف کے لحاظ سے زکوۃ کی طرح ہے۔اسی طرح صدقہ فطر دیتے وقت نیت اور تملیک بالکل اسی طرح ضروری ہے جس طرح زکوۃ دیتے وقت ضروری ہے۔

صدقہ فطر کے وجوب کا وقت:

حنفیہ کے ہاں عید الفطر کا صبح صادق طلوع ہوتے ہی صاحب نصاب شخص پر صدقہ فطر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہوگیا یا امیر شخص فقیر ہوگیا تو اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اور جو شخص صبح صادق سے پہلے صاحبِ نصاب ہوا یا اسلام قبول کرلیا یا بچہ پیدا ہوا تو ان سب پر صدقہ فطر واجب ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں صدقہ فطر کو عید کے دن سے مقدم یا مؤخر کرنا جائز ہے، تاہم عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا مستحب ہے، تاکہ عید کے دن فقرا و مساکین کی دلجوئی ہوسکے۔(۱)

چند متفرق مسائل:

(۱) ایک شخص پر واجب شدہ صدقہ فطر کو تقسیم کرکے متعدد فقرا و مساکین کو دینا جائز ہے۔اکثر فقہائے حنفیہ کا مذہب یہی ہے، البتہ عالمگیری میں اس کو ناجائز کہا ہے، تاہم صحیح قول وہی ہے جو اکثر فقہائے کرام کا ہے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک شخص کو دینا زیادہ بہتر اور مستحب ہے تاکہ کم از کم ایک شخص کی کوئی نہ کوئی حاجت تو پوری ہوسکے۔زیادہ لوگوں یا ایک مکمل جماعت کا صدقہ فطر بالاتفاق ایک مسکین کو دیا جاسکتا ہے۔(۲)

(۲) جن اعذار کی وجہ سے زکوۃ ساقط ہوتی ہے ان ہی اعذار سے صدقہ فطر بھی ساقط ہوگا، البتہ مال کی ہلاکت سے زکوۃ تو ساقط ہوتی ہے لیکن صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا۔ان اعذار کی تفصیل کتاب الزکوۃ میں دیکھی جاسکتی ہے۔(۳)

❁❁❁❁❁

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في من تجب عليه: ۲/۵۴۰-۵۴۴، الفتاوی الهندية، الباب الثامن: ۱/۱۹۱، ۱۹۲

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر: ۳/۳۲۵، الفتاوی الهندية، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۳، ۱۹۴

(۳) بدائع الصنائع، فصل في وقت وجوب صدقة الفطر وفصل في وقت أداء زكوة الفطر: ۲/۵۴۴-۵۴۶، الفتاوی الهندية، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۲

باب صدقۃ الفطر

صدقۃ الفطر کے مسائل

غیر منصوص اشیاسے فطرانہ ادا کرنا

سوال نمبر(119):

ایک شخص چاول کا کاروبار کرتا ہے۔عید الفطر آنے پر اس نے صدقہ فطر میں چاول دینے کا ارادہ کیا ہے۔کیا گندم، کھجور اور جو کے علاوہ چیزیں فطرانہ میں دینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رُو سے اگر کوئی شخص منصوص اشیا کے علاوہ کوئی اور چیز فطرانہ میں دینا چاہے تو ان میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر وہ چیز فطرانہ کے طور پر شرعاً دے سکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ چاول غیر منصوص اشیا میں سے ہے،اس لیے نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور کی قیمت لگا کر اس کے مطابق جتنے چاول بنتے ہوں،اس کو فطرانہ میں دینے سے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ثم الدقیق أولی من البُرّ، والدراهم أولی من الدقیق لدفع الحاجة، وماسواه من الحبوب لایجوز إلا بالقیمة.(۱)

ترجمہ: پھر آٹا گندم سے بہتر ہے اور دراہم آٹے سے بہتر ہے، کیوں کہ اس سے حاجت پوری ہوتی ہے اور آٹے کے علاوہ دیگر غلوں کو (صدقۂ فطر میں) قیمت کے حساب سے دیا جائے گا۔

❁❁❁

صدقہ فطر ایک آدمی کو دینا

سوال نمبر(120):

بعض لوگوں سے سنا ہے کہ ایک صدقہ فطر ایک شخص کو دینا لازمی ہے۔اسے متعدد مسکینوں پر تقسیم کرنا درست

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الزکوٰة،الباب الثامن في صدقة الفطر:۱/ ۱۹۱،۱۹۲

نہیں۔کیا صدقہ فطر ایک شخص کو دینا لازمی ہے یا کئی لوگوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق ایک شخص پر واجب شدہ صدقہ فطر کو تقسیم کر کے متعدد فقرا ومساکین کو دینا جائز ہے۔اسی طرح کئی آدمیوں کے صدقہ فطر کو ایک ہی مسکین وفقیر شخص کو دینا بھی جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر چہ ایک ہی صدقہ فطر کو تقسیم کر کے متعدد مساکین کو دینا جائز ہے،تاہم اگر صدقہ فطر متعدد مساکین پر تقسیم کرنے سے ہر مسکین کے حصے میں اتنی مقدار آئے کہ ضرورت پوری نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک مسکین کو دینا زیادہ مناسب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویجوز أن یعطی مایجب فی صدقه الفطر عن إنسان واحد جماعة مساكين، ويعطى مايجب عن جماعة مسكيناواحداً.(١)

ترجمہ:

ایک شخص کے صدقہ فطر کو بہت سارے فقرا کی جماعت پر تقسیم کرنا جائز ہے اور اسی طرح پوری جماعت کا صدقہ فطر ایک مسکین کو دیا جاسکتا ہے۔

۞۞۞

نصف صاع سے کم آٹا فطرانہ میں دینا

سوال نمبر(121):

بازار میں عموماً آٹا کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو اگر صدقہ فطر میں نصف صاع سے کم آٹا دیا جائے تو کیا اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا؟

بیّنوا توجروا

---

(١) بدائع الصنائع،کتاب الزکوۃ،فصل فی بیان رکن زکوۃ الفطر:٢/٥٤٦

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ بازار میں آٹا کی قیمت گندم کی قیمت سے بوجہ پسائی اور صاف کرنے کے زیادہ ہوتی ہے، لیکن فقہائے کرام نے آٹا اور گندم کو صدقہ فطر کے حوالے سے وزن کے اعتبار سے برابر قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدقہ فطر میں نصف صاع یا اس کی قیمت دینی ضروری ہے۔ خواہ وہ گندم ہو یا آٹا یا ستو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر نصف صاع سے کم آٹا دیا ہو تو اس سے فطرانہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ ناقص مقدار پوری کر کے فطرانہ دینے سے ہی ذمہ فارغ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

نصف صاع من بر،أودقیقه، أو سویقه، أو زبیب.(۱)

ترجمہ:

(صدقہ فطر کا نصاب) آدھا صاع گندم یا آٹا یا ستو اور یا کشمش ہے۔

❁❁❁

امام کو صدقہ فطر دینا

سوال نمبر (122):

ایک گاؤں کے لوگ محلّے کے امام کو اجرت کے طور پر صدقہ فطر دیتے ہیں، جبکہ دوسری طرف امام خود بھی ایک مالدار شخص ہے تو اس طرح صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

محلّہ والوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ امام کی خدمت کسی دوسرے طریقے سے کریں، کیوں کہ صدقہ فطر کا حکم زکوۃ کی طرح ہے۔ جس طرح زکوۃ مالدار شخص کو یا امام کو اجرت میں دینی جائز نہیں، اس طرح صدقہ فطر دینا بھی جائز نہیں، چونکہ صدقہ فطر غربا، فقرا اور مساکین کی تملیک کرنے سے ادا ہوتا ہے، لہٰذا امام خواہ غریب ہو یا مالدار اس کو

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الزکوٰۃ، باب صدقة الفطر:۳/۳۱۸

صدقۂ فطر اجرت میں دینا جائز نہیں، البتہ اجرت کی نیت کے بغیر کسی غریب امام اور عالم دین کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومصرف ہذہ الصدقۃ ما ہو مصرف الزکوۃ. (۱)

ترجمہ:

اور اس (صدقۂ فطر) کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا مصرف ہے۔

❁❁❁

فطرانہ کی رقم فلاحی کام میں دینا

سوال نمبر(123):

ہمارے علاقے میں ایک فلاحی تنظیم کے لیے عمارت بن رہی ہے۔ لوگ اس کی تعمیر میں صدقۂ فطر کی رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں تو کیا ایک فلاحی ادارے کی تعمیر میں صدقۂ فطر کی رقم خرچ کرنا شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لیے تملیک ضروری ہے۔ اور صدقۂ فطر صدقاتِ واجبہ میں سے ہے، اس لیے جس طرح زکوۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک ایک اہم شرط ہے اسی طرح صدقۂ فطر بھی فقرا، غربا اور مساکین کو تملیکاً دینا ضروری اور لازمی ہے۔ چونکہ عمارت کی تعمیر میں یہ شرط مفقود ہے، اس لیے مذکورہ فلاحی تنظیم کی عمارت کی تعمیر میں صدقۂ فطر کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وصدقۃ الفطر کالزکوۃ في المصارف) وفي کل حال. وفي ردالمحتار قولہ: (وفي کل حال) ......بل المراد في أحوال الدفع إلی المصارف من اشتراط النیۃ، واشتراط التملیک. (۲)

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوۃ، الباب الثامن في صدقۃ الفطر: ۱/۱۹۴

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوۃ، باب صدقۃ الفطر: ۳/۳۲۵

ترجمہ:

صدقہ فطر مصارف اور تمام امور کے لحاظ سے زکوۃ کی طرح ہے۔اور علامہ ابن عابدینؒ نے (وفی کل حال) کے تحت لکھا ہے کہ زکوۃ لینے والے مصارف کو زکوۃ دینے سے مرادنیتِ زکوۃ اور ان کو مالک بنانے کی شرط ہے۔

❁❁❁

بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے صدقہ فطرادا کرنا

سوال نمبر (124):

ایک شخص ہر سال اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطرادا کرتا ہے،جبکہ وہ سب نصاب کے مالک ہیں تو کیا صاحبِ نصاب بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے صدقہ فطرادا کرنا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کسی شخص کی بیوی اور بالغ اولاد صاحبِ نصاب ہوں تو اس کے ذمے ان کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ بیوی اور بالغ اولاد خود فطرانہ ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے،لیکن اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے بیوی اور بالغ اولاد کا فطرانہ دے دیا تو فطرانہ ادا ہو جائے گا اور اس کی بیوی اور اولاد اس سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔تاہم اگر وہ صاحب نصاب نہ ہوں تو فطرانہ ان پر سرے سے واجب ہی نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(ولایودي عن زوجته، ولاعن أولاده الکبار، وإن کانوافي عیاله) لانعدام الولایة، ولوأدی عنهم، أوعن زوجته بغیرأمرهم أجزأهم استحساناً.(۱)

ترجمہ:

اور یہ اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے ادا نہیں کرے گا،اگر چہ یہ اس کی پرورش میں ہوں۔کیونکہ یہاں ولایت موجود نہیں اور اگر ان کی طرف سے یا اپنی بیوی کی طرف سے بغیر ان کے کہنے کے ادا کرے تو ان کی طرف سے بھی استحساناً ادا ہو جائے گا۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الزکوٰة،باب صدقة الفطر:۱/۲۲۵

عید سے پہلے صدقہ فطرادا کرنا

سوال نمبر(125):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں صدقہ فطرادا کرنا چاہے تو رمضان المبارک میں فطرانہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا یا عید کے دن فطرانہ ادا کرنا ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ نے عید کے دن عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ فطرادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔اور اسی وقت فطرانہ ادا کرنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے،لیکن اگر کوئی شخص عید سے پہلے رمضان المبارک میں صدقہ فطرادا کرتا ہے تو رمضان المبارک کے کسی دن بھی صدقہ فطرادا کرنے سے فطرانہ ادا ہوجائے گا اور اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(والمستحب أن یخرج الناس الفطرة یوم الفطر قبل الخروج إلی المصلی،فإن قدموها علی یوم الفطر جاز؛لأنه أدی بعد تقرر السبب، فأشبه التعجیل في الزکوٰة. (۱)

ترجمہ:

اور مستحب یہ ہے کہ لوگ صدقہ فطر عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کریں۔پس اگر عید کے دن سے پہلے دے دیں تو بھی جائز ہے،کیونکہ اس نے سبب کے پائے جانے کے بعد صدقہ فطرادا کیا،لہذا یہ وقت سے پہلے زکوۃ دینے کی مانند ہے۔

❁❁❁

قیدیوں کو صدقہ فطر دینا

سوال نمبر(126):

ایک شخص جیل کے قریب رہائش پذیر ہے،وہ قیدیوں کو صدقہ فطر دینا چاہتا ہے۔از روئے شریعت قیدیوں کو

(۱) الهدایة،کتاب الزکوٰة،باب صدقة الفطر:۱/ ۲۲۸

کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

جس طرح زکوٰۃ فقیر اور غریب کو تملیکاً دینا ضروری ہے۔اس طرح صدقۂ فطر بھی فقیر اور غریب شخص کو تملیکاً دینا لازمی ہے۔صورتِ مسئولہ میں اگر قیدی لوگ غریب اور فقیر ہوں اور صدقۂ فطر لینے کے مستحق ہوں تو ان کو فطرانہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومصرف ھذہ الصدقۃ ماھو مصرف الزکوٰۃ۔ (۱)

ترجمہ: اور اس (صدقۂ فطر) کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔

❁❁❁

بھائی کو صدقۂ فطر دینا

سوال نمبر(127):

ایک شخص اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا چاہتا ہے، کیوں کہ وہ غریب اور مفلس ہے۔تو کیا مفلس بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اپنے اصول اور فروع کو دینا جائز نہیں اور بہن بھائی چونکہ اصول وفروع میں سے نہیں ہیں، اس لیے ان کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور نذر کی رقم دینا نہ صرف جائز ہے، بلکہ فقہائے کرام نے اسے افضل اور بہتر کہا ہے، کیوں کہ اس میں صدقہ دینے کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کی بھی رعایت ہوتی ہے ،لہٰذا بہن، بھائی کو صدقۂ فطر دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ ،کتاب الزکوٰۃ ،الباب الثامن فی صدقۃ الفطر:۱/۱۹٤

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله:(وأصله وإن علا ،وفرعه وإن سفل)......وقيدبأصله، وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهوأولى لمافيه من الصلة مع الصدقة ،كالإخوة، والأخوات، والأعمام، والعمات، والأخوال، والخالات الفقراء. (١)

ترجمہ: (اوراس کے اصول اگر چہ اوپر تک ہوں اوراس کے فروع اگر چہ نیچے تک ہوں،کوزکوۃ دینا جائز نہیں)اس کو اصل اورفرع کے ساتھ مقید کیا،کیوں کہ ان کے علاوہ رشتہ داروں کوزکوۃ دی جاسکتی ہے،بلکہ یہ اولیٰ ہے کیوں کہ اس میں صدقہ کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی بھی ہے۔جیسے بھائی،بہن، چچا،پھوپھیاں،ماموں اورخالائیں،جوکہ فقیر ہوں۔

❁❁❁

مختلف شہروں میں گندم کی قیمت کامختلف ہونا

سوال نمبر(128):

اگرایک شہرمیں گندم کی قیمت کم ہواوردوسرے شہرمیں زیادہ ہوتوفطرانہ میں کون سی قیمت کواعتباردیاجائے گا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فطرانہ میں گندم یاایسی چیزدینااصل ہے جوشریعتِ مطہرہ نے مقررکی ہو،تاہم اگرکوئی گندم وغیرہ کے بدلے میں قیمت دیناچاہے توایسی صورت میں فقہاے کرام اپنے شہرکی قیمت کواعتباردیتے ہیں،لہٰذااپنے شہرکی قیمت لگاکر فطرانہ دیاجائے جبکہ دوسرے شہروں کی قیمت کااعتبارکرنادرست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويقوم في البلد الذي المال فيه،ولوفي مفازة،ففي أقرب الأمصارإليه. (٢)

ترجمہ: اورقیمت کااعتباراس شہرکاہوگاجس شہرمیں مال ہو،البتہ اگروہ کسی صحرامیں ہوتوقریبی شہرکااعتبارہوگا۔

❁❁❁❁❁

---

(١) البحرالرائق،کتاب الزکوٰۃ،باب المصرف:٢/٤٢٥

(٢) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار،کتاب الزکوٰۃ،باب زکوٰۃ الغنم:٣/٢١١،٢١٢

کتاب الصوم

مباحث ابتدائیہ

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

روزہ اسلام کی ایک اہم عبادت اور اس کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔اس کا بنیادی مقصد نفس کو تسلیم وطاعت اور پابندی کا خوگر بنا کر انقلابی اور تعمیری زندگی کے لیے خود کو ہر وقت تیار رکھنا ہے۔چونکہ یہی چیز نبوت کے خاص مقاصد میں سے ایک ہے،اس لیے پہلی تمام امتوں پر بھی روزہ فرض رہا ہے۔

قرآن مجید کی زبان میں روزہ کا مقصدِ خاص تقوی کا حصول ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾(۱)

چونکہ پیٹ کے تقاضے اور شکم سیری اکثر گناہوں کی جڑ ہے،اس لیے روزہ کے ذریعے اس مرض پر قابو پانے کا علاج بتایا دیا گیا ہے جو شخص صبح سے شام تک حرام و ناجائز تو کجا،حلال و جائز طریقہ پر بھی اپنی خواہشات کی تعمیل نہیں کرتا اور مسلسل ایک ماہ تک اپنے نفس کو اس کا خوگر بناتا رہے تو سال کے بقیہ مہینوں میں اس کے اندر حرام اور مشتبہات سے بچنے کی صلاحیت واستعداد خود بخود پیدا ہوگی۔(۲)

روزہ کی بنیادی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب انسان کو خود بھوک و پیاس کی مشقت سے واسطہ پڑ جاتا ہے تو اس کے دل میں غربا وفقرا کے ساتھ ہمدردی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معاشرے میں غربت وفقر کے خلاف کمربستہ ہو جاتا ہے،یوں معاشرے میں غریب وامیر کے مابین فاصلے اور خلیج ختم ہو کر سب ایک ہی معاشرتی اور سماجی دھارے میں شامل ہو جاتے ہیں۔(۳)

صوم کا لغوی معنی:

صوم کا اصل معنی ''امساک''یعنی رُک جانا اور منع ہو جانا ہے،چاہے یہ رُک جانا کسی بھی چیز سے ہو،لہذا خود کو

---

(۱) البقرۃ:۱۸۳

(۲) ملخص از قاموس الفقہ،مادۃ صوم:۴/۲۸۵،۲۸۶

(۳) البحر الرائق،کتاب الصوم:۲/۴۵۱،مراقي الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوي،کتاب الصوم:۵۲۵،۵۲۶،بدائع الصنائع، کتاب الصوم:۲/۵۵۰

بات چیت سے روک کر خاموشی اختیار کرنے کو بھی صوم کہتے ہیں۔

﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾(۱)

اس آیت میں صوم بمعنی ''صمت'' یعنی خاموشی ہے۔گھاس چارے سے رُک جانے والے گھوڑے کو بھی عرب ''خیل صیام'' کہا کرتے تھے۔(۲)

صوم کا اصطلاحی معنی:

"هو الإمساك نهاراً عن إدخال شيئ عمداء أو خطأ، أو ماله حكم الباطن، وعن شهوة الفرج بنية من أهله"

دن کے وقت، یعنی صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کسی چیز کو پیٹ یا حکم اور منافع کے اعتبار سے پیٹ کے مشابہ چیز میں قصداً یا خطأ داخل کرنے سے روکنا اور شرم گاہ کی شہوت سے رُکنا روزہ کہلاتا ہے (بشرط یہ کہ ان اشیا سے منع ہونے سے عبادت کی) نیت بھی ہو اور نیت کرنے والا اس کا اہل بھی ہو۔

علامہ شرنبلالیؒ کی مذکورہ تعریف اگر چہ دوسری تعریفات سے طویل ہے، لیکن اس میں موجود قیودات نے تعریف کو انتہائی جامع اور مانع بنادیا ہے۔اکثر فقہائے کرام کے ہاں صوم کی تعریف یوں ہے:

" الصوم عبارة عن ترك الأكل، والشرب، والجماع من الصبح إلى غروب الشمس بنية التقرب من الأهل".(۳)

روزہ کی فرضیت ومشروعیت:

صوم رمضان کی فرضیت ومشروعیت قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس وعقل ہر ایک سے ثابت ہے، لہذا فقہائے کرام کے ہاں اس سے انکار کرنے والا بلاشبہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(۴)

(۱) مريم:۲۶ (۲) البحرالرائق، كتاب الصوم:۲/۴۴۷،بدائع الصنائع، كتاب الصوم:۲/۴۹

(۳) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم:ص ۵۲۱،۵۲۲،الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......:۱/۱۹۴ (۴) البقرة:۱۸۳

اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا، تا کہ تم پرہیزگار اور متقی بنو۔

احادیث میں اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں کو قرار دیا گیا ہے، ان میں چوتھی چیز روزہ ہے اور آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی ان ہی اشیا کے بارے میں لوگوں سے تجدید عہد کر لی۔ اسی طرح روزے کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے اور عقل وقیاس بھی اس کی فرضیت کا مقتضی ہے۔(۱)

روزہ کا رکن:

روزے کا رکن، یعنی اس کی حقیقتِ شرعی تین چیزوں یعنی کھانے، پینے اور جماع سے رکنا ہے:

"الإمساك عن الأكل والشرب والجماع".

اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی چیز فوت ہو جائے تو روزہ بھی ٹوٹ جائے گا، چاہے صورۃً ومعنیً ہو، صرف صورۃً ہو یا صرف معنیً ہو اور چاہے عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے، چاہے ارادے کے ساتھ ہو یا بلا ارادہ، اپنی مرضی سے ہو یا مجبور ہو کر، تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ ان تمام صورتوں میں روزہ یاد ہو۔(۲)

روزہ کا سبب:

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ رمضان کا مہینہ پایا جانا رمضان کے روزوں کے لیے سبب ہے، تاہم ہر ایک روزہ کے لیے سبب کون سا ہے؟ تو اس بارے میں فخر الاسلام بزدویؒ اور ابوالیسر کے ہاں ہر دن کا اول حصہ پایا جانا اس دن کے روزے کی فرضیت کے لیے سبب ہے، جب کہ شمس الائمہ سرخسی کے ہاں سبب ہونے میں رمضان کے دن رات سبھی برابر ہیں۔ ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا، جب ایک شخص صرف ایک رات، مثلاً: رمضان کی پہلی رات یا کسی اور رات میں پاگل پن سے صحت یاب ہو کر ٹھیک ہو گیا، لیکن صبح صادق سے پہلے دوبارہ جنون طاری ہو گیا اور یہ جنون مہینے کے آخر تک برقرار رہا تو فخر الاسلام بزدویؒ کے ہاں سبب چونکہ دن کا اول حصہ ہے اور وہ پایا نہیں گیا، اس لیے صحت یابی کے بعد اس شخص پر ان روزوں کی قضا نہیں، جب کہ شمس الائمہ سرخسیؒ کے ہاں قضا واجب ہوگی، اس لیے کہ سبب پایا گیا ہے اور وہ رمضان کے دن رات کا کوئی بھی حصہ صحت کی حالت میں پالینا ہے۔ اکثر حنفیہ

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم: ۲/۵۴۹، ۵۵۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل أركان الصيام: ۲/۵۹۷، ۵۹۸، البحر الرائق، کتاب الصوم: ۲/۴۴۷، مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، کتاب الصوم: ۵۲۵

کے ہاں فتویٰ فخرالاسلام بزدویؒ کے قول پر ہے۔

رمضان کے روزہ کے علاوہ بقیہ روزوں کے لیے اسباب مختلف ہیں۔نذر روزوں کے وجوب کے لیے سبب نذر ہے،کفارہ کے روزوں کے لیے بھی سبب ان امور کا ارتکاب ہے جن کی وجہ سے کفارات لازم ہوتے ہیں۔(۱)

وقت کے تعیین اور عدم تعیین کے اعتبار سے روزہ کی قسمیں:

وقت کے تعیین اور عدم تعیین کے اعتبار سے روزہ کی دو قسمیں ہیں:صوم عین اور صوم دَین

(۱)......صوم عین سے مراد وہ روزے ہیں جن کے لیے وقت کی تعیین یا تو اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہو،جیسے:رمضان کے روزے یا نفلی روزے اور یا بندہ نے خود اس کے لیے وقت متعین کیا ہو،جیسے:نذرِ معین کے روزے۔

(۲)......صوم دَین سے مراد وہ روزے ہیں جن کے لیے وقت مقرر نہیں،جیسے:رمضان کے روزوں کی قضا،کفارۂ قتل،کفارۂ ظہار،کفارۂ یمین،حج تمتع کے روزے،حج کے دوران حلق یا شکار کے بدلے رکھے جانے والے روزے اور نذرِ مطلق کے روزے،ان تمام روزوں کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں،بلکہ ایام منہیہ کو چھوڑ کر کسی بھی وقت ان کی ادائیگی درست ہے۔(۲)

تتابع (تسلسل) اور عدم تسلسل کے اعتبار سے روزہ کی قسمیں:

حنفیہ کے ہاں سات قسم کے روزوں میں تتابع،یعنی تسلسل شرط ہے۔

(۱)ماہِ رمضان کے روزے۔

(۲)کفارۂ قتل کے روزے۔

(۳)کفارۂ ظہار کے روزے۔

(۴)کفارۂ یمین کے روزے۔

(۵)رمضان کا روزہ (کھانے،پینے یا جماع کے ذریعے) قصداً توڑنے کے بدلے کفارہ میں رکھے جانے والے روزے۔

(۶)نذرِ معین کے روزے۔

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،كتاب الصوم:ص ٥٢٢،٥٢٣،الفتاوى الهندية،كتاب الصوم،الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......:١/١٩٤،البحرالرائق،كتاب الصوم:٢/٤٤٧،٤٤٨

(٢) بدائع الصنائع،كتاب الصوم:٢/٥٤٩،٥٥٠

(۷) یمین معین کے روزے، مثلاً: کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ "بخدا میں فلاں مہینہ مکمل روزہ رکھوں گا"۔

جن روزوں میں تتابع شرط نہیں۔

(۱) قضاے رمضان کے روزے۔

(۲) حج تمتع کے روزے۔

(۳) حج کے دوران کفارہ حلق کے روزے۔

(۴) احرام میں شکار کے بدلے واجب ہونے والے روزے۔

(۵) نذرِ مطلق کے روزے۔

(۶) یمین مطلق کے روزے، مثلاً کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ "بخدا میں اتنے روزے رکھوں گا"۔(۱)

حکم کے اعتبار سے روزہ کی قسمیں:

حکم کے اعتبار سے روزہ کی سات قسمیں ہیں: فرض، واجب، مسنون، مندوب، نفل، مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی۔

(۱) فرض......: رمضان کے روزے (ادا ہوں یا قضا) اور تمام کفارات کے روزے فرض ہیں۔ اسی طرح حج کے دوران شکار اور بعض جنایات کے بدلے لازم ہونے والے روزے بھی فرض ہیں۔

(۲) واجب......: نذر کے روزے اکثر فقہاے کرام کے ہاں واجب ہیں، چاہے نذرِ مطلق ہو یا نذرِ معین، البتہ علامہ شرنبلالیؒ اور ابن نجیمؒ نے نذر کے روزوں کو بھی فرض قرار دیا ہے۔ ان کے ہاں واجب روزے وہ ہیں جو نفل کے طور پر شروع ہونے کے بعد فاسد کیے گئے ہوں۔ منذور اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنا بھی واجب ہے۔

(۳) مسنون......: یوم عاشورا، یعنی دس محرم کا روزہ رکھنا مسنون ہے، بشرط یہ کہ اس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ بھی رکھا جائے۔

(۴) مندوب، یعنی مستحب......: ایام بیض، یعنی ہر ماہ کے درمیانی تین روزے رکھنا مندوب ہے۔ اسی طرح پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا بھی مندوب ہے۔ صوم داؤدی، یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا بھی مندوب ہے۔ شوال کے چھ روزے رکھنا بھی عام مشائخ کے ہاں مندوب، یعنی مستحب ہیں۔

(۵) نفل......: وہ تمام روزے نفل ہیں جن کے بارے میں شریعت کی رُو سے کراہیت کی کوئی دلیل ثابت نہ ہو۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم:۲/۵۵۰،۵۵۱، البحر الرائق، کتاب الصوم:۲/۴۵۱

(۶) مکروہ تحریمی......: عیدین اور ایام تشریق کے روزے رکھنا فقہائے کرام کے ہاں مکروہ تحریمی ہے۔

(۷) مکروہ تنزیہی......: فقہائے کرام کے ہاں درج ذیل صورتوں میں روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(الف)......نویا گیارہ تاریخ کا روزہ ملائے بغیر صرف یوم عاشورا، یعنی دس محرم کا روزہ رکھنا۔

(ب)......صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

(ج) صرف جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا بھی مکروہ ہے۔

(د) صوم وصال، یعنی متواتر دو روزے اس طور پر رکھنا کہ درمیان میں افطار نہ ہو۔

(ہ) تمام عمر روزے رکھنا۔

(و) متردد نیت کے ساتھ یوم الشک کا روزہ رکھنا، البتہ اگر نیت خالص نفل کی ہو تو مکروہ نہیں۔

(ز) صوم الصمت، یعنی کھانے، پینے کے ساتھ ساتھ باتوں سے بھی اجتناب کرنا۔

(ح) عورت کا شوہر کی مرضی کے بغیر نفلی روزہ رکھنا۔

(ط) عرفہ اور ترویہ کے دن ایسے حاجی کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے، جو روزہ کی وجہ سے مناسک حج کی ادائیگی میں سستی اور کمزوری کا شکار ہو جائے۔

(ی) امام ابوحنیفہؒ کے ہاں شوال کے چھ روزے مطلقاً مکروہ ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں صرف تتابع اور تسلسل کی صورت میں مکروہ ہیں، تاہم عام مشائخ نے ان روزوں کے بارے میں کراہت کا قول نہیں کیا ہے۔ علامہ کاسائی نے ان روزوں کو مستحب اور سنت سے تعبیر کیا ہے۔(۱)

روزہ سے متعلق شرائط اور ان کی تفصیل:

روزہ سے متعلق شرائط کی مختلف قسمیں ہیں: شرائط الوجوب، شرائط وجوب الادا، اور شرائط صحت الادا؛ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في صفة الصوم وتقسيمه: ص ۵۲۶-۵۲۹، البحر الرائق، كتاب الصوم: ۴۴۹/۲-۴۵۱، بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۵۵۸/۲-۵۶۸، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثالث في مايكره للصائم ومالايكره: ۲۰۱/۱-۲۰۲

(۱) شرائط الوجوب:

شرائط الوجوب سے وہ شرائط مراد ہیں جن کی موجودگی کے بعد انسان پر روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ یہ شرائط تین ہیں: (۱) اسلام (۲) عقل (۳) اور بلوغ۔ علامہ ابن نجیمؒ ابن ہمامؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ''دارالحرب میں موجود شخص کے لیے روزے کی فرضیت کا علم ہونا بھی وجوب کے لیے شرط ہے، البتہ دارالاسلام میں شرط نہیں''۔

(۲) وجوبِ ادا کی شرائط:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن کی موجودگی میں روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شرط نہ ہو تو روزہ رکھنا فرض نہیں ہوگا، اگرچہ شرائط الوجوب سب کے سب موجود ہوں، تاہم اگر روزہ رکھ لے تو ذمہ ساقط ہو جائے گا۔ مذکورہ شرائط صرف دو ہیں۔

(۱) صحت......: یعنی کسی ایسی بیماری کا نہ ہونا جس کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا یا توڑنا جائز ہو۔

(۲) اقامت......: یعنی شرعی سفر (اڑتالیس میل یا اٹھتر کلومیٹر) کا نہ ہونا۔

بعض فقہائے کرام نے حیض ونفاس سے طہارت کو بھی وجوبِ ادا کی شرائط میں سے قرار دیا ہے۔(۱)

(۳) صحتِ ادا کے لیے شرائط:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن کی موجودگی میں روزہ کی ادائیگی درست ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہو تو روزے کی ادائیگی ناجائز رہے گی اور وہ بدستور مکلف کے ذمے باقی رہے گا۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

(۱) نیت......: یعنی رات ہی سے یا زوال سے قبل روزہ رکھنے کی نیت کرنا۔

(۲) حیض ونفاس سے طہارت......: حیض ونفاس کے ہوتے ہوئے روزہ رکھنا درست نہیں، بلکہ بعد میں قضا لائی جائے گی۔ حیض ونفاس چاہے طلوع فجر سے پہلے آئے یا طلوع فجر کے بعد؛ دونوں صورتوں میں روزہ پورا کرنا جائز نہیں، اس کے برعکس جنون اور بے ہوشی اگر طلوع فجر کے بعد آئے اور پہلے سے روزہ کی نیت ہو تو غروبِ آفتاب تک کھانا پینا اور جماع چھوڑنا روزہ کے لیے کافی ہو جائے گا اگرچہ جنون اور بے ہوشی کی حالت میں کیوں نہ ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ نے نہایۃ سے نقل کیا ہے کہ روزہ کے لیے مخصوص وقت بھی صحتِ ادا کے لیے شرط ہے۔

(۱) البحر الرائق، کتاب الصوم: ۲/۴۴۸، ۴۴۹، بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۸۰، الفتاوی الهندية، کتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......: ۱/۱۹۵

علامہ کاسانیؒ کی رائے بھی یہی ہے، چنانچہ انہوں نے وقت سے متعلق شرط کو شرط الحلیۃ سے تعبیر کیا ہے۔روزہ کے لیے اصل وقت صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے جو ہر قسم کے روزوں کے لیے شرط ہے۔جہاں تک وصف، یعنی مخصوص ایام کی بات ہے تو رمضان کے روزوں کے لیے مخصوص وقت رمضان ہی کا مہینہ ہے، جب کہ نفلی (یعنی غیر فرض) روزوں کے لیے وقت رمضان کے علاوہ بقیہ تمام گیارہ ماہ ہیں، البتہ شرعی اصول وقواعد کی رُو سے بعض ایام میں خاص وجوہات کی بنا پر روزہ رکھنا مکروہ (تنزیہی یا تحریمی) ہے، جب کہ بعض ایام میں سنت، مستحب اور مندوب ہے

بلوغ اور عقل صحت ادائیگی کے لیے شرط نہیں، لہٰذا اگر کوئی بچہ یا ایسا پاگل روزہ رکھ لے جو رات کے وقت روزہ کی نیت کرتے ہوئے صحت مند تھا تو اس کا روزہ کافی ہو جائے گا، جس سے بچے کو ثواب مل جائے گا اور بالغ مجنون بعد میں قضا لانے سے بچ جائے گا۔یہی حکم بے ہوش اور سوئے ہوئے شخص کا بھی ہے، یعنی ہوش اور بیداری روزہ رکھنے کے وقت تو شرط نہیں، البتہ نیت کرتے وقت شرط ہیں۔(۱)

روزہ میں نیت سے متعلق چند بنیادی احکام:

چونکہ روزہ شریعت کے بنیادی عبادات میں سے ایک اہم عبادت ہے، اس لیے دوسری عبادات کی طرح اس کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔بطورِ علاج یا بوجہ عدم اشتہا کھانا پینا چھوڑ دینا روزہ نہیں کہلائے گا۔جمہور حنفیہ کے ہاں نیت تمام روزوں کے لیے شرط ہے۔اس میں فرض ونفل یا رمضان وغیر رمضان کا کوئی فرق نہیں۔(۲)

نیت کی حقیقت:

نیت اصل میں دل سے اس بات کو سمجھ لینے کا نام ہے کہ وہ فلاں روزہ رکھ رہا ہے۔زبان سے نیت کرنا زیادہ بہتر ہے، بلکہ عالمگیری میں اس کو سنت قرار دیا ہے۔فقیہ نجم الدین نسفیؒ کے ہاں سحری کھانا بذاتِ خود نیت ہے، البتہ اگر کوئی شخص سحری بھی کرے، لیکن اس کے ساتھ روزہ نہ رکھنے کی نیت بھی کر لے تو ایسی صورت میں سحری محض کھانا پینا ہے اور کچھ نہیں۔(۳)

(۱) البحر الرائق، کتاب الصوم:۲/۴۴۸، ۴۴۹، بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في شرائطها:۲/۵۵۳۔۵۷۰، ۵۸۰، وفصل في أركان الصيام:۲/۶۰۴ الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......:۱/۱۹۵

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها:۲/۵۸۰، ۵۸۱، الهداية على فتح القدير، كتاب الصوم:۲/۲۳۷، ۲۳۸

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......:۱/۱۹۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مالا يشترط تبييت النية وتعيينها فيه......:ص۵۳۰

نیت صحیح ہونے کی شرائط:

(۱) پہلی شرط......روزہ رکھنے کی قطعی نیت ہو:

روزہ رکھنے کا قطعی ارادہ ہونا ضروری ہے، اگر چہ وصف (فرض، واجب یا نفل ہونے) میں تردد ہو، یعنی وصف میں تردد کے باوجود اتنی بات تو ضروری ہے کہ نیت روزہ ہی کی ہو۔ اگر تردد اصل چیز، یعنی روزہ رکھنے یا نہ رکھنے میں ہو تو ایسی نیت سے کوئی بھی روزہ رکھنا جائز نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص یہ نیت کرلے کہ اگر کل رمضان ہوا تو روزہ رکھوں گا اور نہ ہوا تو نہیں رکھوں گا یا ایسی نیت کرلے کہ بالفرض اگر کل کسی نے دعوت پر بلایا تو افطار کروں گا (روزہ نہ رکھوں گا) اور نہ بلایا تو روزہ رکھوں گا تو دونوں صورتوں میں روزہ جائز نہیں۔ ایسا روزہ نہ تو نفلی روزے کا کام دے سکتا ہے اور نہ رمضان کے روزے کا، اس لیے کہ اصل چیز، یعنی روزہ ہونے میں قطعیت اور پختگی نہیں ہے۔ (۱)

(۲) دوسری شرط......تعیین نیت:

حنفیہ کے ہاں تعیین نیت کے اعتبار سے روزہ کی دو قسمیں ہیں۔ ہر ایک کا حکم درج ذیل ہے:

(الف) صوم عین یعنی رمضان، نفلی روزے اور متعین تاریخ کی نذر میں تعیین نیت ضروری نہیں، بلکہ مذکورہ روزے مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتے ہیں، یعنی اگر کوئی شخص ان روزوں میں وصف (نفل، فرض، نذر) کی تعیین کیے بغیر مطلق روزے کی نیت کرلے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہر روزہ اپنی جگہ ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حنفیہ کے ہاں اگر کوئی شخص رمضان یا نذر معین کے روزوں میں نفل روزے کی نیت کرلے، تب بھی رمضان اور نذر ہی کا روزہ ادا ہوگا اور نفل کی نیت لغو ہو جائے گی۔

(ب) صوم دَین، یعنی وہ روزے جن کے لیے وقت مقرر نہیں، جیسے: رمضان کی قضا، غیر معین نذر، اس نفل کی قضا جس کو شروع کرکے توڑ دیا گیا ہو، جملہ کفارات اور حج سے متعلق روزوں میں تعیین نیت ضروری ہے۔ مذکورہ روزے مطلق نیت یا نفل کی نیت سے ادا نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے لیے باقاعدہ مستقل نیت کرنی ہوگی۔ (۲)

---

(۱) الهداية على فتح القدير، كتاب الصوم: ۲۴۸/۲، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول: ۱۹۵/۱

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۵۸۱/۲ـ۵۸۴ الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه......: ۱۹۵/۱، ۱۹۶، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في ما لا يشترط تبييت النية وتعيينها فيه......: ص ۵۲۹، ۵۳۲، الهداية مع فتح القدير، كتاب الصوم: ۲۳۹/۲

(۳) تیسری شرط......تبییت، یعنی رات سے نیت کرنا:

مستحب تو یہ ہے کہ ہر قسم کے روزوں کے لیے رات ہی سے یا کم از کم صبح صادق کے وقت نیت کی جائے، تاہم ایسا کرنا صوم دَین، یعنی رمضان کی قضا، غیر متعین نذر، اس نفل کی قضا جس کو شروع کر کے توڑ دیا گیا ہو اور جملہ کفارات میں ضروری ہے، البتہ صوم عین یعنی رمضان، معین تاریخ کی نذر اور نفل روزوں میں رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، بلکہ نصفِ نہارِ شرعی تک نیت کرنے کی گنجائش ہے۔ نہارِ شرعی سے مراد طلوعِ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کا وقت ہے، لہٰذا شرط یہ ہے کہ نیت نصفِ نہارِ شرعی سے پہلے کی جائے اور نیت سے پہلے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوا ہو جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو۔ حنفیہ میں سے امام زفر کے علاوہ بقیہ سب حضرات اس حکم میں مسافر اور مقیم کو برابر سمجھتے ہیں۔(۱)

(۴) چوتھی شرط......تجدیدِ نیت:

جمہور فقہائے کرام کے ہاں رمضان کے ہر روزے کے لیے مستقل نیت ضروری ہے، چاہے رات سے کی جائے یا نصفِ نہارِ شرعی سے پہلے پہلے کی جائے۔ امام مالکؒ کے ہاں تمام روزوں کے لیے ایک ہی نیت کافی ہے۔(۲)

(۵) پانچویں شرط......استمرارِ نیت:

فقہائے کرام کے ہاں نیت کا استمرار بھی ضروری ہے، یعنی رات سے نیت کرنے کے بعد صبح صادق سے پہلے اس نیت سے رجوع نہ کرے۔ اگر رجوع کر کے روزہ نہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اب یہ روزہ دار نہیں کہلائے گا، لہٰذا اگر دن کے وقت کچھ کھا پی لیا تو صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔ نیت کرتے وقت ''اِن شاء اللّٰہ'' کہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ عبادات میں ''اِن شاء اللّٰہ'' کہنا استقامت کے لیے ہوتا ہے، رجوع کے لیے نہیں۔

اگر کسی شخص نے دن کے وقت افطار کرنے کی نیت کر لی لیکن ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ برقرار رہے گا۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع حواله سابقه: ۲/۵۸۵ الفتاوى الهندية حواله سابقه: ۱/۱۹٦ ،الهداية مع فتح القدير، كتاب الصوم: ۲/۲۳۵، ۲۳۷

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول: ۱/۱۹۵ ،بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۸۳

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الأول: ۱/۱۹۵ ،الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده: ۳/٤۱۷ ،الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة صوم: ۲۸/۲۷

رمضان وغیرہ کے روزوں میں کسی اور روزے کی نیت کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

(۱) حنفیہ کے ہاں رمضان کا روزہ مطلق صوم کی نیت سے جائز ہو جاتا ہے، لہٰذا رمضان کے مہینے میں جہاں کہیں بھی صرف روزے کی نیت موجود ہو تو وصف کے اختلاف، یعنی نفل، نذر، کفارہ، قضا وغیرہ کی نیت کرنے کے باوجود وہ رمضان ہی کا روزہ رہے گا۔ حنفیہ کے ہاں یہ حکم مقیم کے حق میں اتفاقی ہے، یعنی مقیم شخص رمضان کے روزے میں کسی بھی واجب یا نفل وغیرہ کی نیت کرلے تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۲) مسافر شخص اگر رمضان کے روزے میں کسی اور واجب کی نیت کرلے تو صاحبینؒ کے ہاں رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں دوسرا واجب ادا ہو جائے گا۔ رمضان کے روزے کی اہمیت اور عظمت کو مدنظر رکھ کر صاحبینؒ کی رائے کو ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے، اس لیے کہ خود امام صاحب سے بھی مذکورہ صورت کے علاوہ بقیہ صورتوں میں ہر دو اقوال منقول ہیں۔ اس کے علاوہ صاحبینؒ کی رائے پر عمل کرنے میں خود مسافر کا بھی فائدہ ہے کہ وہ اس عظیم نعمت سے بہرہ اندوز ہو کر بعد میں اس کی قضا سے بچ جاتا ہے۔

(۳) مسافر شخص اگر رمضان کے روزے میں نفلی روزہ کی نیت کرلے تو یہی اختلاف ہے، البتہ امام صاحب کا ایک قول صاحبینؒ کے قول ہی کی طرح ہے کہ یہ روزہ رمضان کا ہوگا۔ عالمگیری میں اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

(۴) مریض (جس کے لیے رمضان کا روزہ معاف ہو) اگر رمضان کے روزے میں کسی اور واجب یا نفل کی نیت کرلے تو اس میں فقہائے کرام نے یہی اختلاف ذکر کیا ہے، تاہم عالمگیری میں یہاں بھی رمضان کے روزے کو ترجیح دے کر بقیہ نیتوں کو لغو قرار دیا گیا ہے۔ علامہ کاسانی کی بھی یہی رائے ہے۔

(۵) مریض اور مسافر اگر کسی وصف کی تعیین کے بغیر صرف روزے کی نیت کرلیں تو بالاتفاق رمضان کا روزہ ادا ہوگا۔

(۶) نذرِ معین کے روزوں کے لیے اگرچہ دن مقرر ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں کسی اور واجب کی نیت کرلے تو بالاتفاق نیت والا روزہ ادا ہو جائے گا۔ وجہِ فرق یہ ہے کہ رمضان کے لیے دنوں کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نذر کے لیے مخلوق کی طرف سے ہے۔(۱)

(۷) راجح قول کے مطابق نذرِ معین کے روزوں میں نفل کی نیت کرنا لغو ہے، لہٰذا نذرِ معین ہی کا روزہ ادا ہوگا۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في شرائطه: ۲/۵۸۲، ۵۸۳، الفتاوی الهندية، کتاب الصوم، الباب الأول: ۱/۱۹۵، ۱۹۶، الهداية مع فتح القدير، کتاب الصوم: ۲/۲۴۰ مراقي الفلاح، کتاب الصوم، فصل في ما لا يشترط تبييت النية وتعيينها فيه: ص ۵۳۱، ۵۳۲ (۲) مراقي الفلاح، کتاب الصوم، فصل في ما لا يشترط تبييت النية وتعيينها فيه: ص ۵۳۲.

فصل فی رؤیۃ الہلال

مباحث ابتدائیہ

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ اس نے عبادات کو ایسی علامتوں سے متعلق رکھا ہے جن کا دریافت کرنا آسان اور سہل ہو۔اسی لیے نماز کے اوقات صبح کے طلوع ہونے،سورج کے ڈھلنے ڈوبنے،سائے کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے متعلق رکھے گئے کہ پڑھا لکھا آدمی ہو یا جاہل،شہر کی رونقوں میں بستا ہو یا ویرانوں میں آباد ہو،امیر ہو یا غریب، ہر ایک کے لیے ان علامتوں کا ادراک اور اوقاتِ نماز سے آگہی دشوار نہ ہو۔اسی طرح شریعت نے رمضان،عید الفطر،عید الاضحیٰ اور ایامِ حج وغیرہ کو چاند دیکھنے سے متعلق رکھا ہے،چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو،چاند دیکھ کر ہی عید الفطر کرو اور اگر بادل چھا جائے تو تیس دن پورے کرو۔(۱)

ہلال کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

ہلال پہلی تاریخ سے لے کر تیسری تک اور چھبیس وستائیس تاریخ کے چاند کو کہتے ہیں۔باقی پورے مہینے کے چاند کو قمر کہتے ہیں۔اصطلاحِ شرع میں پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔(۲)

چاند دیکھنے کا حکم:

حنفیہ کے ہاں انتیس شعبان کو چاند دیکھنا واجب ہے،کیوں کہ جو چیز کسی واجب کا سبب ہو تو وہ خود بھی واجب کے درجہ میں ہوتی ہے،البتہ چونکہ بعض افراد کا چاند دیکھنا دوسرے لوگوں کے روزہ کے لیے کافی ہو جاتا ہے،اس لیے یہ واجب علی الکفایہ ہے۔ہر ہر فرد پر شخصی وجوب نہیں۔اسی حکم میں وہ تمام مہینے شامل ہیں جن سے دوسری عبادات متعلق ہیں،لہٰذا شوال اور ذی الحجہ کے مہینے کی چاند تلاش کرنا بھی واجب علی الکفایہ ہوگا۔چونکہ رمضان کے مہینے کا دارومدار شعبان کے مہینہ پر ہوتا ہے،اس لیے شعبان کا حکم بھی فقہا کے ہاں یہی ہے۔(۳)

---

(۱) جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤيته ......:۱/۲٦٦. الموسوعة الفقهية الكويتية،مادة هلال:۴۲/۲۹۷،۲۹۸ (۲) قاموس الفقه،مادة هلال:۵/۳۴۲،الموسوعة الفقهية الكويتية،مادة هلال:۴۲/۲۹۷

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،الباب الثاني في رؤية الهلال:۱/۱۹۷،مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم،فصل في مايثبت به الهلال:ص۵۳۳،الهداية مع فتح القدير، كتاب الصوم،فصل في رؤية الهلال:۲/۲۴۲

رؤیتِ ہلال کا ثبوت:

رؤیتِ ہلال کے ثبوت کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں سے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

......☆اگر ہلال رمضان کا ہوتو:

(۱) اگر مطلع ابر آلود ہوتو رمضان کے چاند کے لیے ایک شخص کی گواہی بھی کافی ہے، بشرط یہ کہ وہ مسلمان ہو، عادل ہو (یعنی اس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں) عاقل بالغ ہو، آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح جس شخص کا عادل یا فاسق ہونا معلوم نہ ہو (یعنی مستور الحال ہو) تو حنفیہ کے صحیح قول کے مطابق اس کی گواہی بھی مان لی جائے گی۔ اسی طرح ہلال رمضان کے معاملے میں ایک غلام کی رؤیت پر دوسرے غلام کی گواہی اور ایک عورت کی رؤیت پر دوسری عورت کی گواہی معتبر ہے، بلکہ محدود فی القذف شخص اگر توبہ کرلے تو اس کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔ حنفیہ کے ہاں صرف نابالغ اور ظاہر الفسق شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں۔

مذکورہ صورت میں ہلال رمضان کی گواہی کے لیے نہ تو لفظ شہادت شرط ہے، نہ دعوی اور نہ قاضی وحاکم کا فیصلہ۔ اسی طرح حنفیہ کے ظاہر الروایہ میں قاضی کے لیے ایسی صورت میں گواہ سے چاند کے متعلق استفسار وغیرہ بھی ضروری نہیں، بلکہ استفسار کے بغیر بھی گواہی معتبر ہے۔

چاند دیکھنے والا جو بھی ہو (اگرچہ فاسق، قاضی پردہ نشین عورت ہی کیوں نہ ہو) اس پر یہ لازم ہے کہ وہ قاضی یا ذمہ دار شخص کو چاند دیکھنے کی اطلاع صبح ہونے سے پہلے پہلے دے دے، اس لیے کہ ایسا کرنا فرض عین ہے۔

جو شخص (عادل ہو یا فاسق) رمضان کا چاند تنہا دیکھ لے تو اس پر رمضان کا روزہ فرض ہو جاتا ہے، چاہے اس کی گواہی قبول ہو یا نہ ہو، البتہ وہ عام لوگوں اور قاضی کے بغیر عید نہیں مناسکتا، اگرچہ اس نے تیس روزے مکمل کرلیے ہوں۔ ایسا شخص اگر گواہی سے پہلے یا بعد میں روزہ توڑ دے تو اس پر صرف روزہ کی قضا ہے، کفارہ نہیں۔ (۱)

(۲) اور اگر مطلع صاف ہو، ابر وغیرہ کی وجہ سے ڈھکا ہوا نہ ہو تو ایک بڑے مجمع کا چاند دیکھنے کی شہادت دینا ضروری ہے۔ یہ حکم رمضان کے چاند، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور تمام مہینوں کے لیے ہے۔ بڑے مجمع کی تعریف میں خود مشائخ حنفیہ کی رائے بھی خاصی مختلف ہے۔ دو چار آدمیوں سے لے کر ایک ہزار تک کا ذکر فقہا نے کیا ہے، لیکن دراصل یہ مسئلہ بھی زمانے کے احوال سے متعلق ہے۔ اسی لیے اکثر فقہا نے اس کو امام اور قاضی کی رائے پر موقوف رکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/ ۱۹۷، ۱۹۸، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايثبت به الهلال: ص ۵۳۸، ۵۳۹

سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ دو آدمیوں کی خبر بھی اس صورت میں چاند کے ثبوت کے لیے کافی ہے اور علامہ ابن نجیمؒ نے اس کو مختار قرار دیا ہے۔ بعض فقہانے لکھا ہے کہ شہر سے باہر کھلی فضا، صحرا یا کسی بلند مقام پر رہنے والے لوگوں میں سے اگر ایک شخص بھی گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی۔ علامہ شامیؒ، طحاویؒ، مرغینانیؒ، صاحب الاقضیہ اور الفتاوی الصغریٰ کے مؤلف نے اسی قول کو پسند کیا ہے، تاہم حنفیہ کے ظاہر الروایہ کے مطابق آسمان صاف ہونے کی صورت میں اہل مصر اور اہل صحرا کے مابین کوئی فرق نہیں۔(۱)

☆اور اگر ہلال عید الفطر کا ہو تو:

(۱) اگر آسمان ابرآلود ہو تو رمضان کے علاوہ مہینوں، یعنی شوال، ذی الحجہ وغیرہ میں نصابِ شہادت ضروری ہے، یعنی دو آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان مرد، یا ایک آزاد مسلمان مرد اور دو آزاد مسلمان عورتیں چاند دیکھنے کی گواہی دیں۔ ہلال فطر کی گواہی کے لیے آزادی، لفظِ شہادت اور عدالت ضروری ہے۔

رمضان کے برعکس اگر شوال کا چاند کوئی شخص تنہا دیکھ لے تو اس کے لیے یا اس کی تصدیق کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے افطار کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر کر لے تو صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔

(۲) اور اگر مطلع صاف ہو تو عید الفطر وغیرہ کے ہلال کا حکم وہی ہے جو ایسی صورت میں رمضان کا ہے۔(۲)

رمضان کے تیس دن مکمل ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو:

اصول شرعیہ کے مطابق جب رمضان کے چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے اور انتیس تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے پورے کیے جائیں گے، تاہم اگر کہیں ایسا ہو جائے کہ رمضان کے تیس روزے تو مکمل ہو جائیں، لیکن شوال کا چاند نظر نہ آئے تو ایسی صورت میں اگلے دن عید منائی جائے گی یا نہیں؟ تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) اگر ہلال رمضان کا ثبوت ایک شخص کی گواہی سے ہوا تھا تو اس صورت میں رمضان کے تیس دن مکمل ہونے کے بعد اگر آسمان پر بادل ہوں تو بالاتفاق اگلے روز عید منائی جائے گی۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ١/١٩٨، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في ماثبت به الهلال: ص ٥٤٠، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصوم: ٣/٣٥٥-٣٥٧

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ١/١٩٨، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايثبت به الهلال: ص ٥٣٩، ٥٤٠

(۲) اور اگر یہی صورت ہو،لیکن آسمان پر بادل نہ ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے ہاں احتیاطاً اگلے دن روزہ رکھا جائے گا اور رمضان کے چاند کی گواہی دینے والے ایک گواہ کی تعزیر کی جائے گی،اس لیے کہ تیس دن مکمل ہونے کے بعد مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی شوال کا چاند نظر نہ آنا اس گواہ کی تکذیب اور جھوٹے پن کے لیے کافی ہے۔

امام محمدؒ کے ہاں اگلے روز عید منائی جائے گی اور گواہ کی گواہی پر اب بھی اعتماد برقرار رہے گا۔عالمگیری میں اسی قول کو اصح قرار دیا گیا ہے۔

(۳) اگر ہلالِ رمضان کا ثبوت دو عادل گواہوں کی گواہی سے ہو تو ایسی صورت میں چاہے آسمان پر بادل ہوں یا نہ ہوں،بہرصورت اگلے روز عید منائی جائے گی۔حنفیہ کا اصح قول یہی ہے۔(۱)

دن کے وقت نظر آنے والے چاند کا حکم:

اگر کوئی شخص شعبان یا رمضان کے انتیسویں روز زوال کے بعد چاند دیکھ لے تو یہ چاند بالاتفاق آنے والی رات کا ہے،لہٰذا اگلے روز یا تو رمضان ہوگا یا عید منائی جائے گی،البتہ اگر تیسویں دن کو چاند زوال سے پہلے نظر آئے تو ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے ہاں یہ گزشتہ رات کا چاند ہے،جبکہ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے ہاں چاہے زوال سے پہلے ہو یا بعد میں،بہرصورت یہ آئندہ رات کے لیے ہے۔حنفیہ کے ہاں مختار قول بھی یہی ہے۔یعنی دن کے وقت نظر آنے والے چاند کا کوئی اعتبار نہیں،تاہم اگر کسی شخص نے تیسویں رمضان کو زوال سے پہلے چاند دیکھ کر روزہ توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا،صرف قضا ہوگی۔(۲)

اختلافِ مطالع کا مسئلہ:

رؤیتِ ہلال سے متعلق اکثر فقہائے حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں اختلافِ مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔دنیا میں کہیں بھی ایک جگہ رؤیت ہو جائے تو پوری دنیا میں اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔اکثر حنفیہ کے ہاں اسی قول پر فتویٰ چلا آ رہا ہے۔چنانچہ شرنبلالیؒ نے لکھا ہے کہ:''اگر اس کی وجہ سے بعض جگہ تیس روزے رکھنے پڑے اور بعض جگہ انتیس تو انتیس روزے رکھنے والوں کو ایک روزہ کی قضا کرنی ہوگی''تاہم حنفیہ میں سے صاحب تجرید اور بعض دوسرے مشائخ نے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،الباب الثاني في رؤية الهلال:١/١٩٨،مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم،فصل في مايثبت به الهلال:ص ٥٤٠،الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الصوم:٣/٣٥٩، ٣٦١

(۲) فتح القدير، كتاب الصوم،فصل في رؤية الهلال:٢/٢٤٢، ٢٤٣،مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايثبت به الهلال:ص ٥٤١، الدرالمختارعلى ردالمحتار، كتاب الصوم،مطلب في رؤية الهلال نهاراً:٣/٣٦١

اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا ہے۔ان کی دلیل ایک تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جس میں انہوں نے شام میں معاویہؓ کی رؤیت کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ مدینہ منورہ میں ایک روز بعد چاند نظر آنے کے بعد روزہ رکھنے کا حکم دیا۔(۱)

اسی طرح حدیث "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته" کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جن مواضع میں چاند نظر آئے، وہاں پر یقین کے ساتھ رمضان یا عید کا حکم کیا جائے، جس سے حدیث پر مکمل طور پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔اس کے علاوہ چونکہ نمازوں کے اوقات اور روزہ کے افطاری کے اوقات میں اختلاف سب کے ہاں قابلِ تحمل ہے، اس لیے رمضان اور عیدین میں بین الاقوامی طور پر بھی اختلاف کی گنجائش ہے اور یہ تقدیم وتاخیر کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں جس سے دینی اقدار متاثر ہوں، تاہم علاقائی سطح پر اور قریب قریب شہروں میں یہ اختلاف معتبر نہیں۔(۲)

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر:

ریڈیو اور ٹی وی سے اگر مبہم خبر دی جائے کہ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا تو محض اس پر رؤیتِ ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر رؤیتِ ہلال کمیٹی یا کسی با اعتماد شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے ریڈیو یا ٹی وی سے رؤیتِ ہلال کا اعلان کیا جائے تو یہ اطلاع معتبر ہوگی۔جس علاقہ کی رؤیتِ ہلال کمیٹی یا با اعتماد شخص اعلان کرے، اس علاقہ کے لوگوں کے لیے یہ اعلان سلطان کے درجہ میں ہے اور ان کے لیے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اعلان کرنے والا عادل بھی ہو۔

"خبر منادي السلطان مقبول عدلاً كان أو فاسقاً".(۳)

پہلی رات کے چاند کا چھوٹا یا بڑا ہونا:

فقہائے کرام کے ہاں پہلی رات کے چاند کا چھوٹا یا بڑا ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، چاند جس رات نظر آئے اسی رات کا ہی متصور ہوگا چنانچہ مسلم کی روایت ہے کہ" عمرہ کے سفر کے دوران بعض مسلمانوں نے جب چاند دیکھا تو

(۱) الصحيح للمسلم، كتاب الصيام، باب بيان ان لكل بلد رؤيتهم......:۱/۳٤۸

(۲) فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال:۲/۲٤۳، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في ما يثبت به الهلال: ص ٥٤٠، ٥٤١، رد المحتار على صدر رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع: ۳/۳٦۳، ۳٦٤، بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/٥۷۹، العرف الشذي، كتاب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال و الافطار له: ۲/۱٤٥

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الأول في العمل بخبر الواحد، الفصل الأول: ٥/۳۰۹، قاموس الفقه، مادة هلال: ٥/۳٤۹

کوئی کہنے لگا کہ یہ دوراتوں کا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ نہیں! یہ تین راتوں کا ہے، چنانچہ جب ابن عباسؓ کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ تم لوگوں نے کب دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ''فلاں رات''۔ پس ابن عباسؓ نے فرمایا:

"إن رسول الله قال: إن الله مدّه للرؤية، فهو لليلة رأيتموه".

''بے شک اللہ تعالی نے چاند (کی مدت) کو دیکھنے کے لیے دراز کردیا ہے۔ پس چاند اسی رات کا ہے جس رات تم لوگوں نے اس کو دیکھ لیا ہے''۔(۱)

یوم الشک کی تعریف اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم:

فقہائے کرام کے ہاں یوم الشک سے مراد شعبان کی تیس تاریخ ہے، یعنی شعبان کے انتیس دن پورے ہو جانے کے بعد تیسویں رات مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو آنے والا دن، یعنی تیس شعبان یوم الشک کہلاتا ہے، اس لیے کہ اس میں رمضان کا بھی احتمال موجود ہوتا ہے۔ یوم الشک کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ رجب ختم ہوتے وقت مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے شعبان کا چاند نظر نہ آئے، بلکہ رجب کے تیس دن مکمل کرنے کے بعد اب شعبان کے بھی تیس دن مکمل ہو جائیں اور مطلع صاف ہونے کے باوجود رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو آنے والے دن میں رمضان کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ شعبان شروع ہوتے وقت غلطی ہوگئی تھی، لہذا اب آنے والا دن شعبان کی تیسویں تاریخ ہے۔(۲)

یوم الشک کو روزہ رکھنے کا حکم:

اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ہر ایک کی تفصیل مع حکم ملاحظہ ہو۔

(۱) اگر خالص رمضان کی نیت سے روزہ رکھا جائے تو ایسا کرنا مکروہ ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے، البتہ اگر بعد میں دلائل سے معلوم ہو جائے کہ مذکورہ دن رمضان کا تھا تو رمضان کا روزہ خود بخود ادا ہو جائے گا اور شعبان کا ہونا یقینی ہوا تو نفل بن جائے گا، تاہم یہ نفل ایسا ہے جس کے توڑنے سے قضا واجب نہیں ہوتی۔

(۲) اگر کسی اور واجب روزے کی نیت سے روزہ رکھا تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے، تاہم رمضان کا ہونا یقینی ہوا تو رمضان کا

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن لا اعتبار بكبر الهلال وصغره......: ۱/۳۴۸، الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۱۸۹، المسألة العاشرة: ۲/۳۴۴

(۲) فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال: ۲/۲۴۴، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في ما يثبت به الهلال في صوم يوم الشك وغيره: ص ۵۳۳

روزہ شمار ہوگا، ورنہ دوسرا واجب روزہ ادا ہو جائے گا۔ یہی اصح قول ہے۔

(۳) خالص نفل روزے کی نیت ہو تو دو شرطوں کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے۔

(الف) عوام الناس اس پر مطلع نہ ہوں، ورنہ وہ اس کو فرض روزہ سمجھ کر رکھنا شروع کر دیں گے اور یہ ان کی عادت بن جائے گی۔

(ب) مہینے کے آخر میں روزہ رکھنے کی عادت پہلے سے موجود ہو، تاہم اگر عادت نہ ہو تو پھر صرف مفتی وقاضی کے لیے رکھنا افضل ہے، باقی لوگوں کے لیے نہیں۔

(۴) اصل نیت میں تردد ہو، یعنی دل میں یہ ارادہ ہو کہ اگر کل کا دن رمضان کو ہوا تو روزہ رکھوں گا، ورنہ نہیں رکھوں گا تو ایسی صورت میں سرے سے روزہ رکھنا جائز ہی نہیں۔ اصل نیت میں تردد کی وجہ سے یہ روزہ نہ تو فرض رمضان کا ہے اور نہ نفل کا۔

(۵) وصف میں تردد ہو یعنی یہ نیت ہو کہ رمضان ہوا تو رمضان کا روزہ رکھوں گا اور رمضان نہ ہوا تو فلاں واجب روزہ رکھوں گا۔ ایسا کرنا بھی مکروہ ہے، تاہم رمضان کی صورت میں رمضان اور رمضان نہ ہونے کی صورت میں دوسرا واجب ادا ہو جائے گا۔

(۶) رمضان اور نفل کی تعیین میں تردد ہو، تب بھی مکروہ ہے، تاہم رمضان کی صورت میں رمضان کا روزہ اور شعبان کی صورت میں نفلی روزہ ادا ہو جائے گا۔(۱)

اصل حقیقت:

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اگر کسی شہر والوں نے چاند نہ دیکھنے کی وجہ سے شعبان کے تیس دن مکمل کرنے کے بعد رمضان کا روزہ رکھا، لیکن ان میں سے بعض لوگوں نے یوم الشک کا روزہ بھی رکھا، پھر اتفاقاً رمضان انتیس دن کا ہوا تو تمام شہر والے حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے اجر وثواب کے مستحق ہیں اور ان پر کوئی قضا وغیرہ نہیں اور یہ بعض لوگ باوجود تیس روزے رکھنے کے مخالفینِ سنت اور قابل عتاب وملامت ہیں، اس لیے کہ شریعت کا حکم ماننا ہی اسلام کی اصل روح ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں کسی کے تیس روزوں کی کیا حیثیت، جب اس میں صریح حدیث کی مخالفت پائی جائے''۔(۲)

---

(۱) الهداية مع فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال: ٢/ ٢٤٣-٢٤٨، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في ما يثبت به الهلال في صوم يوم الشك وغيره: ص ٥٣٤، ٥٣٥

(٢) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ٢/ ٥٧٨، ٥٧٩

متفرق مسائل:

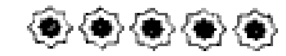
(۱) ہلال، یعنی چاند کے مسئلے میں فلکیاتی حساب وکتاب اور علمِ نجوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ سارا دارومدار چاند دیکھنے اور نہ دیکھنے پر ہے۔

(۲) نئے چاند کی طرف ہاتھوں سے اشارے کرنا مکروہ اور عملِ جاہلیت ہے۔(۱) چاند دیکھتے وقت مسنون دعا پڑھنی چاہیے۔ "اللهم أهله علينا باليمن والإيمان والسلامة والإسلام ربي وربك الله. (۲)

(۳) جہاں قاضی وحاکم نہ ہو تو وہاں پر گاؤں کی مسجد یا عام مجمع میں ایک ثقہ شخص کی طرف سے رؤیتِ ہلالِ رمضان کا اعلان کرنے سے لوگوں پر روزہ فرض ہو جاتا ہے، تاہم عید وغیرہ کی صورت میں دو عادل گواہوں کا اعلان ضروری ہے۔(۳)

(۴) عید الاضحیٰ اور سال کے بقیہ مہینوں کے ہلال کا حکم بالکل عید الفطر کے ہلال جیسا ہے۔(۴)

(۵) ضروری نہیں کہ ہر رمضان تیس دن کا ہو، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول متعین فرمادیا ہے کہ مہینہ تیس دن کا بھی ہوسکتا ہے اور انتیس دن کا بھی، بلکہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ: "ہم نے دورِ نبوی میں تیس سے زیادہ انتیس دن رمضان کے روزے رکھے ہیں"۔(۵)



---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايثبت به الهلال: ص۵۳۳، ردالمحتار على صدر رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب لاعبرة بقول المؤقتين في الصوم: ۳/۳۵۴، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۷

(۲) جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤيته ......: ۲/۶۵۷. مكتبه رحمانية لاهور پاكستان

(۳) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۵۴، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايثبت به الهلال: ص۵۳۹

(۴) الدرالمختار، كتاب الصوم: ۳/۳۶۱، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۸

(۵) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹

باب رؤیۃ الھلال

(مسائل)

سعودی عرب کے ساتھ روزے اور عید میں موافقت

سوال نمبر(129):

رمضان المبارک کے چاند نظر آنے یا نہ آنے کے متعلق پاکستان میں مختلف قسم کے فیصلے ہوتے رہتے ہیں، جبکہ سعودی عرب میں صحیح وقت پر اور ایک ہی فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے، اگر کوئی شخص سعودی عرب کے اعلان پر روزہ رکھے اور عید کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عیدین اور رمضان المبارک اہم عبادتوں میں شمار ہوتے ہیں جن میں ہلال کی رؤیت کے لیے مستقل گواہوں کا طریقہ کار مقرر کیا گیا ہے، تاہم اختلافِ مطالع کے حوالہ سے احناف کا مفتی بہ قول عدمِ اعتبار کا چلا آرہا ہے، عصرِ حاضر میں جبکہ دنیا Globle Village یعنی ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کرچکی ہے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے کے ساتھ رابطہ چند سیکنڈ میں ممکن ہوگیا ہے، اس لیے اب اختلافِ مطالع کو اعتبار دینا زیادہ مناسب ہے، تاکہ احتیاط کا دامن نہ چھوٹے۔

محض سعودی عرب کی رؤیت پر اعتماد کرکے پاکستان میں عید اور روزہ کا اعلان کرنا کئی مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، اس لیے بہتر ہوگا کہ ملکی کمیٹی یا علاقہ کے قابلِ اعتماد علمائے کرام کے اعلان پر عمل کیا جائے۔

دوملکوں کی عید اور روزے میں تقدیم اور تاخیر کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس سے دینی اقدار متاثر ہوں، جیسا کہ نمازوں کے اوقات میں اختلاف قابلِ تحمل ہے، ایسا ہی رمضان اور عیدین میں بین الاقوامی طور پر اختلاف کی گنجائش ممکن ہے، البتہ علاقائی سطح پر اختلاف مناسب نہیں ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن ابن عمرؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ:لا تصوموا حتی تروا الھلال،ولا تفطروا،حتی تروہ .(۱)

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ: "رسول کریم ﷺ نے فرمایا: (شعبان کی تیسویں تاریخ کو رمضان کی نیت

(۱)الصحیح لمسلم،کتاب الصیام،باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال والفطر:۱/۳۴۷

سے) روزہ نہ رکھو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو۔اسی طرح روزہ اس وقت ختم نہ کرو، جب تک کہ (عید کا) چاند نہ دیکھ لو۔

وكنت قطعت بما قال الزيلعي، ثمّ رأيت في قواعد ابن رُشد اجماعاً على اعتبار اختلاف المطالع في البلدان النائية، وأمّا تحديد القرب، والنائي، فمحمول إلى المبتلي به، وقال الزيلعي شارح الكنز: أن عدم عبرة اختلاف المطالع في البلاد المتقاربة.(۱)

ترجمہ: علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: ''زیلعیؒ کے قول پر میرا اعتماد ہے، پھر ابن رشد کے قواعد میں، میں نے دیکھا کہ ایک دوسرے سے دور علاقوں میں اختلافِ مطالع کے اعتبار کرنے پر اجماع نقل کیا تھا۔قریب اور دور علاقوں کی حد مبتلی بہ کی رائے پر محمول ہے۔اور علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنا قریب علاقوں میں ہے''۔

❀❀❀

اختلافِ مطالع اور رؤیت ہلال کمیٹی کی حیثیت

سوال نمبر(130):

رؤیت موجب (شرعی طور پر ثابت شدہ) اور خبر مستفیض (مشہور) کی وضاحت کرتے ہوئے یہ امر مطلوب ہے کہ اگر صوبہ خیبر پختونخوا میں عیدالفطر کا چاند نظر آئے تو دوسرے صوبوں کے افراد پر عید کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور رؤیت ہلال کمیٹی والوں کی تابع داری اہلِ پاکستان کے لیے ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اختلافِ مطالع کے متعلق فقہائے کرام کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی ملک میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے۔یہی ظاہر مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ بھی منقول ہے۔اس لیے اگر ایک شہر میں چاند نظر آ جائے تو دوسرے شہر کے لوگ اس کے مطابق رمضان یا عید کر سکتے ہیں۔اگرچہ انہیں چاند نظر نہ آئے۔بشرطیکہ اس شہر میں رؤیتِ ہلال کا ثبوت شرعی طریقے سے ہوا ہو، یعنی شہادت سے یا شہادت علی الشہادت سے یا شہادت علی القضا سے۔اس کو اصطلاح میں رؤیت کا ثبوت بطریق موجب کہا جاتا ہے۔

(۱) انور شاہ الکشمیریؒ، العرف الشذي، کتاب النکاح، باب الصوم لرؤية الهلال والإفطارله: ۱۴۵/۲

یا استفاضۃ الخبر جس کو خبر مستفیض بھی کہا جاتا ہے۔یہ وہ خبر ہے جواتنی عام،مشہور اور متواتر ہو جائے کہ اس کے بیان کرنے والوں کے مجموعے پر یہ گمان نہ ہو سکے کہ وہ جھوٹ بولنے پر متفق ہوئے ہیں یا انہوں نے متفقہ طور پر کوئی سازش کی ہے۔

رؤیت ہلال کمیٹی اگر قابل اعتماد اور علمی اشخاص پر مشتمل ہو تو اس کے اعلان کو غیر قابل عمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اگرچہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے اکثر اس کا اعلان عوام کے لیے باعث تشویش بن جاتا ہے،اس لیے اگر حکومت ان کمزوریوں کا ازالہ کرکے علاقائی علما کی کمیٹی جو عموماً شرعی قوانین کے مطابق چاند کی شہادت لیتے ہیں، کی رؤیت کو اعتبار دے کر اس کی اطلاع با اعتماد ذرائع سے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی تک پہنچائے تو اس سے رمضان وعیدین کا اختلاف دور ہو سکتا ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية،وعليه فتوى الفقيه أبي الليث السمرقندي،وبه كان يفتي شمس الأئمة الحلواني، قال: لو رأى أهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم على أهل مشرق، ثمّ إنما يلزم الصوم على متأخرى الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب.(۱)

ترجمہ:

ظاہر روایت کے بموجب اختلاف مطالع معتبر نہیں،اسی پر فقیہ ابو اللیث کا فتویٰ ہے۔اور شمس الائمہ الحلوانی بھی اسی حکم پر فتویٰ دیتے تھے، آپ کا قول ہے کہ: اگر مغربی علاقوں میں رہنے والے رمضان کا چاند دیکھ لیں اور اس کا شرعی ثبوت مشرقی علاقوں میں رہنے والوں تک پہنچ جائے تو ان پر روزہ واجب ہو جائے گا۔ پھر مذکورہ حکم کے بموجب کسی جگہ چاند پہلے نظر آنے کی وجہ سے بعد میں چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوتا ہے کہ جب ان کے ہاں بطریق موجب یعنی اس طریق سے ثبوت ملے جس کی وجہ سے عمل واجب ہو جاتا ہے۔

قال ابن عابدينؒ (بطريق موجب) كان يتحمل اثنان الشهادة،أو يشهدا على حكم القاضي،أو يستفيض الخبر.(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية،كتاب الصوم،باب في رؤية الهلال:۱/۱۹۸،۱۹۹

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار،كتاب الصوم،مطلب في اختلاف المطالع:۳/۳٦٤

ترجمہ:

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: ”طریق موجب سے ہو کہ دو آدمی گواہی دیں یا قاضی کے حکم پر دونوں گواہی دیں یا پھر خبر مشہور ہو جائے“۔

❁❁❁

چاند کی شہادت رد ہونے والے کے لیے روزہ کا حکم

سوال نمبر(131):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کا چاند دیکھے اور قاضی اس کی شہادت قبول نہ کرے تو اس شخص پر روزہ رکھنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز اگر اس نے روزہ رکھ کر تیس روزے پورے کر لیے اور باقی لوگوں نے اُنتیس روزے رکھے ہوں اور عید الفطر کا چاند نظر نہیں آیا تو یہ شخص اگلے دن افطار کرے گا یا اکتیسواں روزہ رکھے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کا چاند دیکھے اور اُس نے قاضی کے سامنے جا کر شہادت دی اور قاضی نے شہادت رد کر دی تو ایسے شخص کے لیے دلیل شرعی موجود ہونے کی بنا پر روزہ رکھنا لازمی ہے، تاہم اگر اس شخص نے تیس روزے پورے کر لیے اور ابھی عید الفطر کا چاند نظر نہیں آیا تو اس کے لیے علیحدہ افطار کرنا جائز نہیں، بلکہ اکتیسواں روزہ رکھنا اس پر واجب ہے اور اگلے دن دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر افطار کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

رجل رأى هلال رمضان وحده فشهد، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم ....ولو أكمل هذاالرجل ثلاثين يومًالم يفطرإلامع الإمام.(١)

ترجمہ: کسی آدمی نے ماہِ رمضان کا چاند اکیلے دیکھا، اس نے گواہی دی، مگر اس کی گواہی قبول نہ ہوئی تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔۔۔۔۔ اگر مذکورہ شخص نے تیس روزے پورے کر لیے (اور شوال کا چاند نظر نہیں آیا) تو وہ حاکم کے ساتھ ہی افطار کرے گا۔

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،الباب الثاني في رؤية الهلال:١/١٩٧، ١٩٨

﴿کتاب الصوم﴾

(مسائل)

روزہ رکھنے کے لیے نیت کی شرط

سوال نمبر(132):

رمضان المبارک میں اگر کوئی شخص غروبِ شمس سے دوسرے دن کے غروب شمس تک بغیر کسی نیت کے نہ کچھ کھائے اور نہ پیے تو کیا اس کا روزہ درست شمار ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ روزہ رکھنے کے لیے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا اگرچہ مستحب ہے، لیکن دل سے نیت کرنا ضروری ہے اور نیت کا اعتبار اگلے دن کے زوال تک ہوگا، پس اس دوران محض روزے کی نیت سے سحری کھانے سے بھی روزہ کی نیت صحیح ہوگی۔

البتہ اگر کسی نے اس دوران کسی قسم کی نیت نہ صراحتاً کی ہو اور نہ دلالۃً کی ہو تو پھر یہ روزہ صحیح نہیں ہوگا، بلکہ صرف مسلسل کھانے پینے سے منع ہونا متصور ہوگا، جس کی وجہ سے اس پر قضا لازم ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والنية :معرفته بقلبه أن يصوم ، كذافي الخلاصة ،ومحيط السرخسي، والسنة: أن يتلفظ بها كذافي النهرالفائق،ثم عندنالابدمن النية لكل يوم في رمضان كذا في فتاوى قاضي خان، والتسحرفي رمضان نية، ذكره نجم الدين النسفي.(١)

ترجمہ: نیت سے مراد یہ ہے کہ وہ دل میں جانتا ہو کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے۔اور مسنون یہ ہے کہ زبان سے بھی کہے۔ ہمارے ہاں ماہِ رمضان کے ہر دن کے روزہ کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ماہِ رمضان میں روزہ کے لیے سحری کھانے سے نیت ہوجاتی ہے۔یہ نجم الدین نسفیؒ نے ذکر کیا ہے۔

(١)الفتاوى الهندية،كتاب الصوم،باب في تعريفه وتقسيمه......: ١/ ١٩٥

نیت میں غلطی کی وجہ سے قضاروزے کا اعادہ کرنا

سوال نمبر(133):

گذشتہ رمضان میں زید سے کسی عذر کی بنا پر پہلے اتوار کے دن کا روزہ قضا ہو چکا تھا، چند دن پہلے زید نے اُس کے بدلے قضاروزہ رکھ لیا، لیکن غلطی سے نیت میں یہ الفاظ کہے کہ: ''گذشتہ رمضان میں پہلے ہفتہ کے دن جو روزہ رہ چکا تھا اُس کی قضا رکھتا ہوں'' شرعاً زید کا قضاروزہ دُرست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اگر کوئی شخص رمضان کے مہینہ میں کسی شرعی عذر کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے تو اُس شخص پر اس دن کی قضا فرض ہے، اگر قضا شدہ روزے ایک سے زائد ہوں تو ان کی نیت اس طرح کرنی چاہئے کہ: ''میرے ذمے جو پہلا روزہ ہے، اُس کی قضا لاتا ہوں'' یا ''جو آخری روزہ ہے، اُس کی قضا لاتا ہوں''، تاہم اگر کوئی شخص قضا روزہ رکھنے میں یہ نیت کرے کہ ''میرے ذمے رمضان میں جمعرات کے دن کا جو روزہ باقی ہے اُس کی قضا لاتا ہوں'' اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ دن جمعہ کا تھا تو اس شخص پر دوبارہ قضا روزہ رکھنا لازمی ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں جب زید کے ذمے رمضان کے پہلے اتوار کا روزہ باقی تھا اور اس نے نیت میں پہلے ہفتہ کے دن کی تعیین کر لی تو اس پر قضا روزے کا اعادہ ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ومن نوى قضاء يوم الخميس من رمضان، ثمّ ظهر أنّه غيره، أعاد.(١)

ترجمہ:

اگر کسی نے روزے کی قضا کرتے ہوئے جمعرات کے دن کی نیت کی، پھر اس کو معلوم ہوا کہ وہ کسی اور دن کا روزہ تھا تو اس کا اعادہ کرے گا۔



(١) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل الثالث في النيّة: ٢/٢٧٣

ایک روزے میں قضا اور عرفہ کی نیت کرنا

سوال نمبر(134):

اگر کوئی شخص عرفہ کے دن کوئی واجب یا قضا روزہ رکھے اور اس میں عرفہ کے روزہ کی نیت بھی کرے تو کیا اس کو عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص عرفہ کے دن قضا، کفارہ یا نذر وغیرہ میں کسی روزے کی نیت کرے اور اس کے ساتھ عرفہ کے دن کے نفلی روزے کی نیت بھی کرے تو بعض فقہاے کرام کی تصریح کے مطابق واجب روزے کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس شخص کی نیت کی بنا پر یوم عرفہ کے روزے کا ثواب بھی اس کو مل جائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

صام في يوم عرفة مثل قضاءً ،أو نذرًا،أو كفارةً،ونوىٰ معه الصوم عن يوم عرفة،أفتیٰ بعضهم بالصحة، والحصول عنهما.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص عرفہ کے دن قضا، نذر یا کفارہ جیسا روزہ رکھ لے اور اس کے ساتھ عرفہ کے دن کے روزے کی نیت بھی کرلے تو بعض فقہا نے دونوں کی صحت اور دونوں کے حصول پر فتویٰ دیا ہے۔

❁❁❁

بالغ ہونے کے بعد روزے نہ رکھنا

سوال نمبر(135):

اگر کسی بچے کو والدین یہ کہہ کر روزہ رکھنے سے منع کرتے رہیں کہ تم پر ابھی روزے رکھنا فرض نہیں

(۱) أحمد بن محمد الحموي،غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر،الفن الأول في القواعد الكلية،القاعدة الثانية الأمور بمقاصدها: ۱/۱٤۷، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراچي.

حالانکہ وہ محسوس کر رہا ہو کہ وہ بالغ ہو چکا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس نے روزے نہیں رکھے تو اس پر قضاو کفارہ دونوں لازم ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مقدسہ کی رُو سے بچے کے بالغ ہوتے ہی اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی علامت لڑکے کو احتلام ہونا اور لڑکی کو حیض کا آنا ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار ابھی ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزے رکھنا ہوں گے۔

لہذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جب بچے کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ چکا ہے تو اس پر روزے رکھنا فرض ہے اور بالغ ہونے کے بعد جتنے روزے اس نے نہیں رکھے، ان کی قضا اس پر لازم ہے، کفارہ واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(فإن لم یوجد فیهما)شيء (فحتی یتم لکل منهما خمس عشر سنةً،وبه یفتیٰ).(۱)

ترجمہ:

پس جب لڑکے یا لڑکی میں علاماتِ بلوغ میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے پر بالغ شمار کیے جائیں گے۔



رمضان کے مہینے میں عورت کا مانعِ حیض دوا استعمال کرنا

سوال نمبر(136):

اگر کوئی عورت رمضان کے مہینے میں حیض روکنے والی ادویات استعمال کرے تا کہ حیض کی وجہ سے روزوں کی قضا کرنے کی نوبت پیش نہ آئے اور رمضان کے مہینے میں پورے روزے رکھ سکے تو اس کے لیے شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحجر:۹/۲۲۶

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے روزے کی ادائیگی دُرست ہونے کے لیے جن شرائط کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اُن میں عورت کے لیے ایک شرط حیض ونفاس سے پاک ہونا بھی ہے۔ جب خون نہ آئے خواہ کسی دوائی کے استعمال سے کیوں نہ ہو روزہ دُرست رہے گا۔ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے حیض بند کرے تو طہارت کی شرط موجود ہونے کی بنا پر اس عورت پر نماز اور روزہ کی ادائیگی ضروری ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر ان ادویات کا استعمال مضرِ صحت ہو تو خوامخواہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے سے یہ بہتر ہے کہ ادویات استعمال نہ کرے اور رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان ایام میں روزے نہ رکھے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وشرط صحة الأداء،وهو الوقت القابل،وهو اليوم المتعرّي عن الأكل، والشرب، وطهارة المؤدين من الحيض والنفاس.(۱)

ترجمہ: اور روزہ کی ادائیگی کی صحت کے لیے شرط آنے والا وقت ہے، یعنی وہ دن جو کھانے، پینے سے خالی ہو اور روزہ ادا کرنے والی کا حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔



قضا روزوں کی جگہ شوال کے روزے رکھنا

سوال نمبر(137):

اگر کسی آدمی سے رمضان کے روزے قضا ہو جائیں اور پھر وہ شوال کے مہینے میں نفل روزے رکھے تو ان روزوں کے رکھنے سے وہ قضا روزے ادا ہو جائیں گے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی کے ذمے رمضان کی قضا روزوں کی ادائیگی باقی ہو تو وہ پورے سال کسی بھی دنوں میں ان روزوں کی قضا کر سکتا ہے، تاہم اس میں یہ بات ضروری ہے کہ روزہ رکھتے وقت اس کی تعیین کرلے۔

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصوم: ۲/۲٦۱

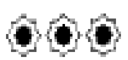
صورتِ مسئولہ میں جب کسی شخص کے ذمے رمضان کی قضا باقی ہو اور وہ شوال کے مہینے میں نفلی روزے رکھے تو ایسی صورت میں قضا روزوں کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے وہ روزے رمضان کی قضا روزوں کے لیے کافی نہیں ہوں گے، بلکہ قضا روزوں کی ادائیگی اُس کے ذمے باقی ہے، البتہ اگر اس نے ان دنوں میں قضا روزوں کی نیت کی ہو تو پھر رمضان کی قضا روزے شمار ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإن كان الصوم ديناً،وهو صوم القضاء، والكفارات، والنذور المطلقة،لا يجوزالاّ بتعيين النيّة،حتّى لو صام بنية مطلق الصوم ،لايقع عمّا عليه .(١)

ترجمہ:

اگر روزہ کسی کے ذمے باقی ہو، یعنی قضا کا روزہ، کفارات اور مطلق نذر کے روزے؛ تو ان کی ادائیگی صرف نیت کی تعیین کے ساتھ ہی جائز ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے مطلق نیت سے روزہ رکھا تو یہ روزے اُن قضا روزوں سے شمار نہ ہوں گے۔



شوال کے چھ روزوں کی شرعی حیثیت

سوال نمبر (138):

شوال کے روزے رکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ روزے تتابع کے ساتھ (ایک دوسرے کے پے در پے) رکھنا ضروری ہے یا متفرق طور پر رکھ سکتے ہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شوال کے چھ روزے متعدد احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں، اس وجہ سے فقہائے کرام نے ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ ان روزوں کو مسلسل رکھنے اور متفرق طور پر رکھنے میں فقہائے کرام نے اختلاف کیا ہے، واضح رہے کہ یہ اختلاف محض اولویت وعدم اولویت میں ہے، لہٰذا دونوں طرح رکھنا جائز ہے۔

(١) بدائع الصنائع ،كتاب الصوم ،فصل في شرائطها: ٢/ ٥٨٤

والدلیل علیٰ ذلک:

(و) منه (صوم ستّ) من شهر (شوال)(ثمّ قيل الأفضل وصلها،وقيل تفريقها)قال الطحطاوي:ندب تفريق صوم الستّ من شوّال، ولايكره التتابع على المختار.(۱)

ترجمہ:

اور اُن (نفل روزوں) میں سے شوال کے مہینے کے چھ روزے ہیں۔۔۔۔۔پھر کہا گیا ہے کہ ان کو ایک ساتھ رکھنا افضل ہے اور دوسرا قول متفرق طور پر رکھنے کا ہے۔علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ:''شوال کے چھ روزے متفرق طور پر رکھنا مستحب ہے،لیکن ایک ساتھ رکھنا مختار قول کے مطابق مکروہ نہیں''۔

❀❀❀

ایامِ بیض اور پیر، جمعرات کے دن روزے رکھنے کی فضیلت

سوال نمبر(139):

احادیث میں ایامِ بیض اور پیر، جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہے۔اگر کہیں پیر یا جمعرات کا دن ایامِ بیض میں آجائے اور کوئی شخص ان دنوں میں روزہ رکھ لے تو ایسی صورت میں اس کو دونوں فضیلتیں حاصل ہوجائیں گی یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایامِ بیض قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کو کہا جاتا ہے۔ایامِ بیض کے روزے رکھنا مسنون ہے۔احادیث سے ان کا ثبوت اور فضیلت ثابت ہے،اسی طرح پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا بھی احادیث سے ثابت ہے،تاہم اگر کہیں اتفاقاً ایامِ بیض میں پیر یا جمعرات کا دن آجائے تو اس دن روزہ رکھنے سے اس شخص کو دونوں فضیلتیں حاصل ہوجاتی ہیں،البتہ پیر اور جمعرات دونوں کا ایامِ بیض میں بظاہر آنا ممکن نہیں،ایک دن ایامِ بیض سے باہر رہے گا،اس لیے اس کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے ایک روزہ علیحدہ رکھنا چاہیے۔

---

(۱)حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم،فصل في صفة الصوم وتقسيمه:٥٢٨

والدّلیل علیٰ ذلک:

عن موسیٰ بن طلحة،قال سمعت أبا ذرؓ یقول: قال رسول اللّٰه ﷺ :یاأباذرؓ إذاصمت من الشهر ثلاثة أیام، فصم ثلاث عشرة، وأربع عشرة، وخمس عشرة.(۱)

ترجمہ:

موسیٰ بن طلحہؓ فرماتے ہیں کہ:''میں نے حضرت ابوذرؓ سے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:''اے ابوذر! اگر تم مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا چاہو تو تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کو روزہ رکھو''۔

عن ربیعة بن الغاز،أنه سأل عائشةؓ عن صیام رسول اللّٰه ﷺ ،فقالت:کان یتحری صیام الإثنین والخمیس.(۲)

ترجمہ:

ربیعہ بن غازؓ فرماتے ہیں کہ:''اس نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے فرمایا کہ:''آپ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن نفل روزے رکھنے کی کوشش فرماتے تھے''۔



ہوائی جہاز میں افطار کا وقت

سوال نمبر(140):

ایک روزہ دار شخص ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہو اور طیارہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر محوِ پرواز ہو اور زمین کے اعتبار سے غروبِ شمس کا وقت ہو چکا ہو، مگر بلند پرواز کی وجہ سے طیارے میں سے سورج دکھائی دے رہا ہو تو ایسے وقت میں زمین کے غروبِ شمس کا اعتبار ہوگا یا طیارے کا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے روزہ اور نماز میں اسی مقام کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے جہاں پر آدمی موجود ہو، پس روزہ دار کو

(۱) جامع الترمذي،أبواب الصوم،باب ماجاء في صوم ثلثة أیام من کل شهر:۱/۲۷۸ مکتبه رحمانیه لاهور پاکستان

(۲) سنن ابن ماجة،أبواب ماجاء في الصیام،باب صیام یوم الإثنین والخمیس:۱۲۵ایچ ایم سعید کمپني کراچي

جب تک سورج دکھائی دے رہا ہو اور غروب شمس ابھی نہیں ہوا ہے تو اس کو افطار کرنے کی اجازت نہیں، یعنی روزہ دار جہاں موجود ہو، وہاں کے غروب شمس کا اعتبار ہوگا۔

لہذا اگر وہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہو اور اس بلندی سے سورج چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہو تو اس کو روزہ افطار کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اگرچہ زمین کے اعتبار سے غروب شمس کا وقت ہو چکا ہو۔ ہاں اس حالت میں اگر سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

المراد بالغروب: زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث تظهرالظلمة في جهة الشرق.(١)

ترجمہ:

غروب سورج سے مراد وہ وقت ہے کہ سورج اس طور پر غائب ہو کہ مشرق کی طرف تاریکی ظاہر ہو جائے۔

❁❁❁❁❁

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصوم: ٣٣٠/٣

فصل فی سنن الصوم

مباحث ابتدائیہ

روزہ کی سنتیں:

(۱)......سحری:

رسول اللہ ﷺ نے سحری کو اس امت کی امتیازی شان قرار دے کر اس کو پیغمبروں کی سنت اور ان کا شیوہ کہا ہے اور اس کو روزہ رکھنے کے لیے معاون اور مددگار قرار دیا ہے۔ سحری میں تاخیر سنت ہے تاکہ اس کا فائدہ دن کے وقت موجود رہے، تاہم اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع فجر کا اندیشہ ہوجائے۔ اگر طلوع فجر کے بارے میں شک ہوجائے تو کھانا چھوڑ دینا مناسب ہے۔ ایسے وقت کھانا کھانے سے اگرچہ روزہ پر اثر نہیں پڑتا، لیکن کراہت بہر صورت موجود ہے اور اگر صبح کی علامات ظاہر ہونے کے بعد خود مبتلی بہ کی رائے بھی طلوع صبح کے بارے میں غالب ہوجائے تو امام ابو حنیفہؒ سے اس وقت کھانا کھانے کے بارے میں تین قول مروی ہیں۔ راجح اور محتاط قول کے مطابق قضا واجب ہوگی۔ علامہ شرنبلالیؒ نے سحری کے وقت بسیار خوری کو نامناسب قرار دیا ہے تاکہ روزے کا بنیادی مقصد فوت نہ ہو۔ سحری کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے صرف پانی پینا بھی کافی ہے۔(۱)

(۲)......افطار:

غروبِ آفتاب کے فوراً بعد افطار کرنے کو نبی کریم ﷺ نے انبیا کی سنت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ: ''میری امت اس وقت تک خیر پر ہوگی جب تک افطار میں عجلت کرے گی''، تاہم اگر مطلع ابر آلود ہو تو احتیاطاً تھوڑی سی تاخیر افضل ہے۔ سحری میں تاخیر اور افطار میں عجلت اس لیے بہتر ہے کہ اس میں اللہ کے سامنے اپنے عجز و بندگی اور ضعف و ناتوانی کا اظہار ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ افطار کے وقت غروبِ آفتاب کا یقین ہو۔

مغرب کی نماز سے قبل افطار کرنا مسنون ہے۔ افطار کے وقت مسنون دعا "اللهم إني لك صمت وبك آمنت وعليك توكلت وعلى رزقك أفطرت" پڑھے۔ موسم سرما میں کھجور اور موسم گرما میں پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في مايستحب للصائم ومايكره: ۶۳۲/۲ـ ۶۳۵، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، فصل في مايكره للصائم ......: ص ۵۶۲، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثالث: ۲۰۰/۱

(۲) حواله جات بالا، جامع الترمذي، كتاب الصوم، باب ماجاء مايستحب عليه الإفطار: ۲۶۸/۱

فصل فی مفسدات الصوم

(مباحث ابتدائیہ)

چونکہ روزہ کا رکن ''کھانے، پینے اور جماع سے رُکنا'' ہے۔اس لیے جہاں کہیں بھی ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز پائی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے:

☆کھانا پینا اور جماع صورۃً ومعنیً ہو یا صرف صورۃً ہو یا صرف معنیً ہو۔

صورۃً اکل وشرب سے مراد کوئی چیز معتاد طریقے سے (منہ کے ذریعے) پیٹ تک پہنچانا ہے، جبکہ معنیً اکل وشرب سے مراد کسی چیز سے غذا یا تداوی کا حصول ہے۔صورۃً جماع سے مراد مخصوص طریقے سے صحبت اور قضائے شہوت ہے، جب کہ معنیً جماع سے مراد مخصوص طریقے کے علاوہ مباشرت وغیرہ کے ذریعے قضائے شہوت ہے۔(۱)

☆اور چاہے عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے۔

☆اور چاہے قصد وارادے کے ساتھ ہو یا قصد وارادے کے بغیر خطا کی وجہ سے ہو۔خطا سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو روزہ یاد ہو، لیکن اس کا قصد وارادہ روزہ توڑنے کا نہ ہو، بلکہ بلا ارادہ روزہ ٹوٹ جائے۔

☆اور چاہے اپنی مرضی سے ہو یا کسی کے جبر واکراہ سے۔

☆اور چاہے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں۔''لأن المکرہ والنائم کالمخطي''

☆اور چاہے بہ ہوش وحواس ہو یا روزہ رکھنے کے بعد دیوانہ یا بے ہوش ہو گیا ہو۔

بشرطیکہ: ☆ان تمام صورتوں میں روزہ یاد ہو، یعنی نسیان اور بھولنے کی حالت نہ ہو۔(۲)

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

جزئیات اور صورتوں کو بیان کرنے سے پہلے تین بنیادی اصول کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔مذکورہ اصول علامہ کاسانیؒ کی تحقیق سے ضمناً معلوم ہوئے ہیں جن کو یہاں اصول

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في أركان الصیام:۲/۵۹۸

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في ارکان الصیام:۲/۵۹۸، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصوم، باب في بیان مالا یفسد الصوم:ص ۵۴۲، الفتاوی الھندیة، الباب الرابع في مایفسد ومالا یفسد:۱/۲۰۲

کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

پہلا اصول:

حنفیہ کے ہاں نسیان یا شبہ نسیان کی وجہ سے اگر مذکورہ بالا امور کا ارتکاب ہو جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے، اس لیے کہ نسیان میں آدمی اپنے قصد وارادے سے کھانے پینے یا جماع کا ارتکاب کرتا ہے، صرف اس کو روزہ یاد نہیں رہتا، لیکن حدیث مبارک:

"من نسي وهو صائم فأكل، أو شرب فليتم صومه، فإن الله عزوجل أطعمه وسقاه".

اس حدیث کی رو سے امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے فقہائے کرام نے قیاس کو ترک کردیا ہے۔ حنفیہ کے ہاں اس میں دوسری علت دفع حرج بھی ہے، اس لیے کہ نسیان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا اصول:

شبہ نسیان کی اصطلاح علامہ کاسانیؒ کی ہے جس کو سمجھنے کے بعد جزئیات کو سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''جس چیز کا وقوع زیادہ ہو اور اس سے تحرز اور بچاؤ ممکن نہ ہو تو اس چیز کا وقوع شبہ نسیان کہلائے گا، لہٰذا اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا''۔

تیسرا اصول:

کھانے، پینے اور جماع کا صورتاً اور معنیً ہر اعتبار سے موجود نہ ہونا، یعنی جن صورتوں میں کوئی چیز غیر معتاد اور غیر متعارف طریقے سے منہ یا حلق کے اندر چلا جائے یا منی کا اخراج تو ہو جائے، لیکن نہ تو کھانے پینے یا جماع کی صورت ظاہر ہو جائے اور نہ ہی ان اشیا کا مقصد حاصل ہو جائے، یعنی کھانے پینے سے غذا و تداوی کا مقصد اور منی کے اخراج سے تقضائے شہوت کا مقصد حاصل نہ ہو سکے تو ایسی تمام صورتوں کے وقوع سے روزے پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا۔

مذکورہ تین اصول کے بعد درج ذیل اشیا سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱) بھول کر کھانے، پینے یا صحبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حنفیہ کے ہاں نسیان والی حدیث اگرچہ صرف کھانے پینے کے بارے میں ہے، لیکن علت چونکہ تینوں اشیا میں ایک ہی ہے، اس لیے جماع بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ روزہ کے دوران کسی توانا اور مضبوط آدمی کو بھول کر کھاتا پیتا دیکھے تو مطلع کردے، کسی عمر دراز اور کمزور شخص کو دیکھے تو سکوت

اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲) غیر اختیاری طور پر مکھی یا مچھر وغیرہ حلق میں داخل ہونا۔

(۳) گرد وغبار، دھواں، خوشبو یا بدبو وغیرہ کا منہ یا حلق میں چلا جانا۔

(۴) مضمضہ (کلی) کے بعد پانی کی بقیہ تری کا لعاب کے ساتھ نگلنا اور منہ میں لعاب جمع کر کے نگلنا۔

(۵) دانتوں کے درمیان چنے کے دانے سے کم خوراک کو نگلنا، اگرچہ قصداً ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے برعکس چنے کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار نگلنا، بارش میں جمائی وغیرہ لیتے ہوئے حلق میں بارش کے قطرات داخل ہونا، مضمضہ واستنشاق میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے حلق میں پانی اتر جانا یا اکراہ کی صورت میں کھانا پینا چونکہ یہ افعال قلیل الوقوع ہیں اور ان سے بچنا بھی ممکن ہے، اس لیے ان سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۶) روزہ کے دوران احتلام، یعنی نیند میں انزال ہو جانا۔

(۷) کسی عورت کو محض دیکھ کر یا سوچ کر انزال ہو جانا، انزال اگر بار بار دیکھنے سے ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

(۸) بھول کر کھا پی رہا ہو، اس دوران روزہ یاد آ جائے تو فوراً لقمہ گرانے اور پانی تھوکنے سے روزہ برقرار رہے گا۔ اسی طرح سحری کر رہا تھا کہ اس دوران طلوع فجر ہو گیا اور فوراً لقمہ نکال دیا تو روزہ برقرار رہے گا۔ یہی صورت اگر جماع کے دوران پیش آئے اور میاں بیوی فوراً رک جائیں تو روزہ تام ہے، اگرچہ رک جانے اور بیوی سے علیحدہ ہونے کے بعد خود بخود انزال ہو جائے۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس نے فوراً ترکِ اکل وشرب وجماع کی بجائے کچھ وقت گزارا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف قضا لازم ہوگی، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں طلوعِ فجر کے بعد فوراً الگ نہ ہونے کی صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، البتہ نسیان کے بعد فوراً الگ نہ ہونے سے صرف قضا لازم ہوگی۔

(۹) روزہ توڑنے کی نیت سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب تک کسی مفسد کا ارتکاب نہ کرے۔

(۱۰) قے از خود آئی ہو تو زیادہ ہو یا کم، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح اگر جان بوجھ کر ہو، لیکن منہ بھر سے کم ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۱) قے خود واپس چلا جائے تو چاہے منہ بھر کے ہو یا کم، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر خود نگل لے اور منہ بھر کے ہو تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۱۲) علاج وغیرہ کے لیے دبر میں انگلی یا لکڑی یا کوئی آلہ وغیرہ داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرط یہ کہ اس پر دوائی یا پانی وغیرہ نہ ہو۔(۱)

(۱۳) رائی یا گندم کے دانے کے برابر چھوٹی چیز منہ میں ڈال کر اس کو چبانا، بشرط یہ کہ وہ چبانے سے مکمل طور پر منہ میں غائب ہو جائے اور اس کا معمولی اثر بھی حلق تک نہ پہنچے۔ اگر چبائے بغیر نگل لیا تو قضا لازم ہوگی۔

(۱۴) باتیں کرتے ہوئے اگر ایسا لعاب جو ہونٹوں پر پڑے تو اس کو دوبارہ نگلنا جائز ہے، البتہ منہ یا ہونٹوں سے تعلق ختم ہو جائے تو نگلنا جائز نہیں۔

(۱۵) ناک میں بلغم تھا، اسے حلق کی جانب کھینچ لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(۱۶) دانت سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ حلق میں پہنچ گیا تو اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۷) آنسوں کے ایک دو قطرے منہ میں داخل ہو گئے تو روزہ نہ ٹوٹے گا، لیکن اگر کثیر مقدار میں ہو کہ اس کی نمکیت کا احساس ہونے لگے تو روزہ ٹوٹ جائے گا بشرط یہ کہ اس کو جمع کر کے ایک ساتھ نگل لیا جائے۔ یہی حکم پسینے کا بھی ہے۔

(۱۸) مسامات کے ذریعے پانی کی ٹھنڈک اور خنکی یا تیل کی چکناہٹ کا جسم کے اندر محسوس ہو جانا مفسدِ صوم نہیں۔

(۱۹) آنکھ میں دوائی یا سرمہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر چہ اس کا رنگ اور ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔

(۲۰) غسل وغیرہ کے دوران کان میں پانی چلا جائے یا قصداً ڈالا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ عورتوں کی مخصوص شرم گاہ میں دوائی ڈالنے سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۱) عورت کے ساتھ بوس وکنار، ملامست، معانقہ اور مباشرت کسی سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرط یہ کہ انزال نہ ہو جائے۔

(۲۲) انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، سوائے اس کے کہ براہِ راست پیٹ میں دیا جائے، جیسا کہ کتا کاٹنے پر دیا جاتا ہے، کیوں کہ فقہائے کرام نے ان زخموں میں دوا ڈالنے کو مفسدِ صوم قرار نہیں دیا ہے جو جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک براہ راست نہ پہنچتے ہوں۔

(۲۳) آج کل بعض میڈیکل ٹیسٹ میں آلات معدے تک پہنچائے جاتے ہیں اور پھر نکال لیے جاتے ہیں۔ ایسے آلات اگر تمام کے تمام معدہ تک پہنچ جاتے ہوں اور وہاں کچھ وقت کے لیے موجود ہوں تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا

---

(۱) ملخص از بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل أرکان الصیام: ۲/۵۹۸-۶۰۶، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الرابع في مایفسد ومالایفسد: ۱/۲۰۲-۲۰۴

اور اگر ان کا بعض حصہ معدے تک پہنچ جائے اور بقیہ حصہ باہر رہے یا داخل کرنے کے بعد فوراً نکال لیے جاتے ہوں اور ان پر پانی یا دوائی وغیرہ کے قطرات نہ ہوں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔فقہا نے لکھا ہے:

"ومن ابتلع لحماً مربوطاً علیٰ خیط، ثم انتزعه من ساعة لایفسد، وإن ترکه فسد".

اسی طرح یہ بھی لکھا ہے:

"ولو ابتلع خشبة وطرفها في یده، ثم أخرجها لا یفسد صومه، ولو ابتلع کلها، فسد صومه".(۱)

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لیے بنیادی اصول کا تذکرہ باب کے شروع میں ہوگیا ہے کہ روزے کا رکن جہاں کہیں بھی فوت ہو جائے، روزہ خود بخود ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ روزہ یاد ہو، تاہم روزہ ٹوٹ جانے کے بعد قضا تو بہر صورت واجب ہوگی، البتہ بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔ذیل میں قضا اور کفارہ کے وجوب کے لیے الگ الگ اصول ذکر کیے جارہے ہیں۔

کفارہ کے وجوب کے لیے اصول:

درج ذیل شرائط کی موجودگی میں قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا:

(۱) کھانے، پینے یا جماع کی وجہ سے کامل افطار پایا جائے، یعنی صورۃً و معنیً کھانا، پینا یا جماع ثابت ہو جائے۔صورۃً کھانے پینے سے مراد "منہ کے ذریعے غذا یا تداوی کے حصول کے لیے کوئی چیز پیٹ تک پہنچانا ہے" یعنی "شہوت البطن" کو کامل طریقے سے پورا کرنا کفارہ کے وجوب کے لیے سبب ہے۔صورۃً و معنیً جماع سے مراد "شہوت الفرج" یعنی شرمگاہ کی شہوت کو کامل طریقے سے پورا کرنا ہے اور وہ ہے "مرد کے عضو مخصوص کا عورت کی دو شرمگاہوں میں سے کسی میں داخل ہونا"۔

(۲) روزہ توڑنے کا باقاعدہ قصد و ارادہ ہو۔

(۳) کوئی ایسا عذر موجود نہ ہو جس کے ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنا مباح یا ضروری ہو۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الرابع في ما یفسد وما لا یفسد: ۱/۲۰۲۔۲۰۴، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصوم، باب في بیان ما لا یفسد الصوم: ص ۵۴۲۔۵۴۶، قاموس الفقه، مادة صوم: ۴/۲۹۳

(۴) کوئی ایسا عذر بھی نہ ہو جس کی وجہ سے روزہ توڑنے کے جواز کا شبہ پیدا ہو۔(۱)

(۵) رات سے یا طلوع فجر سے پہلے پہلے روزہ رکھنے کی نیت کی ہو۔(۲)

(۶) روزہ رمضان کا ہو، اس لیے کہ غیر رمضان کے روزوں میں صرف قضا ہے، کفارہ نہیں۔(۳)

(۷) کھانے، پینے یا جماع کے ارتکاب کے بعد، یعنی کفارہ واجب ہونے کے بعد غیر اختیاری طور پر کوئی ایسی بیماری نہ آئے، جس سے روزہ توڑنا جائز ہو جائے۔ اگر ایسی کوئی بیماری پیش آگئی تو اب صرف قضا ہے، کفارہ نہیں۔ خود کو زخمی کرنا یا بتکلف مریض کرنے کا حیلہ بنانے کے باوجود کفارہ لازم ہوگا۔

(۸) کفارہ واجب ہونے کے بعد عورت کو اُسی دن حیض ونفاس نہ آئے۔

(۹) کفارہ واجب ہونے سے پہلے یہ شخص سفر کی حالت میں نہ ہو، اگر سفر کی حالت میں ہو تو صرف قضا واجب ہوگی۔ یادرہے کہ کھانے، پینے یا جماع کے بعد سفر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۱۰) روزہ اپنی مرضی سے افطار کیا ہو، اکراہ اور زبردستی نہ ہو۔ اکراہ اگر بیوی کی طرف سے ہو، تب بھی معتبر ہے۔(۴)

قضا کے ساتھ کفارہ واجب ہونے کی چند خاص صورتیں:

(۱) بلا عذر اور بلا جبر واکراہ عمداً کھانا پینا۔

(۲) ہم بستری فطری راستے سے ہو یا غیر فطری راستے سے، انزال ہو یا نہ ہو، کفارہ بہر صورت واجب ہوگا۔ مرد وعورت اس حکم میں برابر ہیں۔

(۳) کھانے پینے کی جو چیز غذا یا دوا کا کام کرتی ہو تو اس کی معمولی مقدار کھانے سے بھی کفارہ واجب ہوگا، بشرطیکہ اس نے غذا یا تداوی کے لیے ہی وہ چیز استعمال کی ہو۔ غذا کے مفہوم میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض فقہا کے ہاں غذا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس سے پیٹ کی شہوت پوری ہو، جب کہ دوسرے فقہا کے ہاں غذا وہ ہے جس

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من افسد صومه: ۲/۶۱۷، ۶۱۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۲۴، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء: ص۵۴۶

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۲۵، مراقي الفلاح حواله بالا

(۴) بدائع الصنائع، حواله بالا: ۲/۶۲۳، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء: ص۵۴۶، ۵۴۷، وفصل في الكفارة ومايسقطها عن الذمة بعد الوجوب: ص۵۵۱

سے بدن کو کسی درجے میں قوت اور نفع پہنچ جائے۔ اکثر فقہا نے پہلی تعریف کو ترجیح دی ہے؛ لہٰذا مذکورہ تعریف کی روسے:

(الف)......ایسی مٹی کھانا جس کو ازراہِ علاج یا بطور تلذذ لوگ کھاتے ہوں اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو تو اس کا کھانا موجبِ کفارہ ہے۔

(ب)......سگریٹ، نسوار (بشرطیکہ اس کے ذرات کا حلق میں جانا یقینی ہو)، بیڑی اور ہر اس چیز سے روزہ فاسد ہو کر کفارہ لازم ہوتا ہے جس کو لوگ بطورِ علاج، نشہ یا غذا استعمال کرتے ہوں۔ اسی حکم میں مذکورہ اشیا کے پودوں کا بھی حکم ہے، بشرطیکہ لوگ ان کو کھاتے ہوں اور ان کی طرف نفس کا میلان ہو۔

(ج)......بھول کر لقمہ چباتے وقت اگر روزہ یاد آجائے اور یاد آنے کے باوجود اس کو نگل لیا جائے تو کفارہ لازم ہوگا، اس لیے کہ منہ میں موجود نوالے کو نگلنے کی طرف آدمی کا میلان ہوتا ہے اور اس سے پیٹ کی اشتہا بھی ختم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر منہ میں ڈال کر دوبارہ کھالیا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا، صرف قضا واجب ہوگی، اس لیے کہ منہ سے نکالے گئے لقمے کی طرف نہ تو کسی کا میلان ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے بھوک کی اشتہا ختم ہوتی ہے، لہٰذا غذا کی تعریف صادق نہ رہی، البتہ دوسری تعریف (بدن کو تقویت اور نفع دینے) کی رو سے کفارہ واجب ہوگا، تاہم فتویٰ پہلے قول پر ہے۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب کوئی شخص سحری کر رہا ہو اور لقمہ اس کے منہ میں ہو اور اس دوران صبح طلوع ہو جائے۔

(د)......اپنی بیوی یا محبوب کا لعاب چاٹنا اور نگلنا موجبِ کفارہ ہے، ان کے علاوہ عام لوگوں کا لعاب نگلنا صرف موجبِ قضا ہے۔

(۴) کچا گوشت یا چربی کھانا، بشرطیکہ وہ گلی سڑی نہ ہو۔

(۵) گندم، جو یا رائی وغیرہ کے دانے کو چبائے بغیر نگلنا موجبِ کفارہ ہے، تاہم اگر مذکورہ اشیا کے ایک دو دانے چبا لیے جائیں اور وہ اس طرح منہ میں غائب ہو جائیں کہ ان کا ذائقہ بھی محسوس نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر یہ دانے گھی یا چینی میں پکائے گئے ہوں اور چبانے سے لذت محسوس ہو جائے تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

(۶) نمک کی معمولی مقدار بھی کھانا مختار قول کے مطابق موجبِ کفارہ ہے۔(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الأول: ۱/ ۲۰۳، والنوع الثاني مايوجب القضاو الكفارة: ۱/ ۲۰۵،
مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء: ص ۵۴۶_۵۴۹

شبہ کی وجہ سے کفارہ ساقط ہوسکتا ہے:

اگر کسی شخص نے ایسی چیز کو مفسدِ صوم سمجھ لیا جس سے حقیقت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور پھر یہ سمجھتے ہوئے کہ روزہ تو ٹوٹ ہی چکا ہے، کھانا پینا شروع کر دیا تو اس صورت میں قضا تو واجب ہوگی، البتہ کفارہ واجب ہونے میں مختلف صورتیں ہیں:

(۱) اگر بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے کے بعد اس کو روزہ ٹوٹنے کا شبہ پیدا ہوا اور قصداً کھانا پینا شروع کر دیا تو کفارہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ مذکورہ شبہ کے لیے ٹھوس دلیل موجود ہے اور وہ بے کھانے پینے اور جماع کا روزے کے ساتھ ظاہری طور پر ایسا تضاد جس کو ہر کوئی جانتا ہے، لہٰذا شبہ پایا جانا ممکن الوقوع ہے۔ اس صورت میں امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر روزہ توڑنے والے کو نسیان کی وجہ سے روزہ نہ ٹوٹنے کے بارے میں پہلے سے خبر تھی یا اس کو نسیان والی حدیث کا علم تھا تو اب اس کا شبہ پیدا ہونا فضول ہے، لہٰذا اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں علم ہونے کے باوجود بھی اگر شبہ پیدا ہوجائے تو کفارہ ساقط ہوجائے گا۔ عالمگیری میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو صحیح کہا گیا ہے۔

(۲) اگر یہی صورت قے کرنے کے بعد پیش آئے تو بھی کفارہ نہیں، البتہ اس صورت میں اگر پہلے سے علم ہو تو علامہ ابن نجیمؒ کے ہاں کفارہ بھی واجب ہوگا۔ علامہ کاسانیؒ نے قے والی صورت کو بھی کھانے، پینے اور جماع کے ساتھ شمار کیا ہے

(۳) روزہ کی حالت میں احتلام ہوجانے کے بعد اگر شبہ پیدا ہوجائے تو اس سے بھی کفارہ ساقط ہوگا، تاہم پہلے سے علم ہو تو کفارہ واجب ہوگا۔

(۴) اگر اس کو کسی ایسی چیز سے متعلق شبہ پیدا ہو جس کے بارے میں حدیث مبارک وارد ہو، لیکن اس سے روزہ نہیں ٹوٹ رہا تھا، مثلاً "أفطر الحاجم والمحجوم" تو اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) اگر کسی مفتی سے پوچھ کر افطار کیا ہو تو کفارہ نہیں، اس لیے کہ اس نے پوچھ کر اپنا حق ادا کیا ہے۔

(ب) حدیث اس کو معلوم ہو اور کسی سے پوچھے بغیر اس کے ظاہر پر عمل کرے تو پھر بھی کفارہ نہیں۔

(ج) نہ تو حدیث معلوم تھی اور نہ کسی سے پوچھا ہو اور کھانا پینا شروع کیا ہو تو کفارہ واجب ہے۔

(د) اور اگر حدیث کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ اس کا مقصد کچھ اور ہے تو اب بھی کفارہ واجب ہوگا۔

(۵) اگر کسی عورت کے ساتھ بوس وکنار، ملامست یا مباشرت کی اور انزال نہیں ہوا، لیکن اس کو روزہ ٹوٹنے کا شبہ پیدا ہوا اور اس کے بعد کھانا پینا شروع کیا تو کفارہ واجب ہوگا، البتہ اگر خود ہی کسی حدیث کا سہارا لے کر یا کسی مفتی سے

پوچھ کر افطار کیا ہو تو کفارہ نہیں۔

(۱) اگر غیبت کرنے، سرمہ لگانے، تیل لگانے یا مسواک کرنے جیسے افعال کے بعد شبہ پیدا ہو جائے تو کھانے پینے سے بہر صورت کفارہ واجب ہوگا، اگرچہ کسی مفتی سے پوچھ لیا ہو یا کسی حدیث کے ظاہری الفاظ کا سہارا لیا ہو، اس لیے کہ ان اشیاء سے روزہ نہ ٹوٹنا کسی فقاہت یا دلیل کا محتاج نہیں، لہٰذا شبہ پیدا ہونا بے محل ہے۔ علامہ شرنبلالیؒ نے قاضی خان کے حوالے سے کفارہ کے عدم وجوب کو ترجیح دی ہے۔ عوام الناس کے حق میں قاضی خان کا قول زیادہ مناسب ہے۔ (۱)

صرف قضا واجب ہونے کے اصول:

روزہ ٹوٹ جانے کے بعد جن صورتوں میں کفارہ لازم نہیں آتا، ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی، لہٰذا کفارہ کی تمام یا بعض شرائط کی غیر موجودگی میں صرف قضا واجب ہوگی۔ (۲)

صرف قضا واجب ہونے کی چند خاص صورتیں:

(۱) اگر روزہ دار نے کسی ایسی چیز کو کھا پی لیا جو عام طور پر نہ غذا کے لیے استعمال کی جاتی ہو اور نہ دوا کے لیے، جیسے: پتھر، عام مٹی، کنکری، روئی، کاغذ، گوندھا ہوا آٹا، خشک آٹا (بشرطیکہ گھی یا چینی کے ساتھ مخلوط نہ ہو) وغیرہ؛ تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔

(۲) ناک، دُبر اور حلق میں دوائی یا پانی اس طور پر ڈالنا کہ پانی یا دوا اندر پہنچ جائے، البتہ کان میں تیل یا دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے اور پانی ڈالنے سے نہیں ٹوٹتا۔ اکثر فقہائے کرام کے ہاں چاہے پانی خود چلا جائے یا قصداً ڈال دے، بہر صورت روزہ برقرار رہے گا۔

(۳) سر یا پیٹ کے زخم میں دوائی ڈالی جائے اور وہ دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے۔

(۴) جمائی یا کسی اور وجہ سے منہ کھولا اور حلق میں پانی کا کوئی قطرہ آگرا تو روزہ فاسد ہوگا اور قضا واجب ہوگی، البتہ اگر خود ہی قصداً نگل لے تو کفارہ بھی واجب ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حکم من أفسد صومه: ۶۲۲/۲، ۶۲۳، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الرابع، ومما یتصل بذلك مسائل: ۲۰۶/۱، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، باب ما یفسد به الصوم وتجب به الکفارة مع القضاء: ص ۵۴۹، ۵۵۰

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حکم من أفسد صومه: ۶۱۶/۲، ۶۱۷، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، باب ما یفسد به الصوم وتجب به الکفارة مع القضاء: ص ۵۴۷-۵۵۳

(۵) وضو یا غسل کے دوران بلا ارادہ پانی حلق میں اتر جائے، جس کو فقہا خطا سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۶) جبر و اکراہ کی وجہ سے کھانا پینا یا جماع کرنا۔

(۷) نیند کی حالت میں خود کھانا پینا یا کسی اور کی طرف سے حلق میں پانی ڈالنا۔

(۸) نسیان کی وجہ سے کھانے پینے یا جماع کے بعد شبہ افطار کی وجہ سے عمداً کھانا پینا یا جماع کرنا (تفصیل گزر گئی)۔

(۹) رات سے روزہ کی نیت نہیں تھی، لیکن دن کے وقت نیت کرلی، پھر اس شبہ سے کھانا پینا شروع کیا کہ چونکہ رات سے میری نیت نہیں تھی، اس لیے میرا روزہ درست نہیں، لہذا کھانا کھالو تو ایسی صورت میں صرف قضا واجب ہوگی، اگرچہ اس کا شبہ بذاتِ خود غلط ہے۔

(۱۰) اپنے گاؤں میں روزہ رکھنے کے بعد سفر پر چلا گیا اور وہاں قصداً کھانے پینے یا جماع سے روزہ توڑ دیا۔

(۱۱) ابتدا ہی سے روزہ کی نیت نہ ہو تو کھانے پینے یا جماع سے صرف قضا واجب ہوگی۔(۱)

(۱۲) طلوع فجر کا ظن غالب ہونے کے باوجود سحری یا جماع کرنا۔

(۱۳) غروبِ شمس کا غالب گمان کرتے ہوئے افطار کرنا، حالانکہ ابھی غروب کا وقت نہ ہوا ہو۔

(۱۴) جانور یا مردے کے ساتھ بدفعلی کرنا۔

(۱۵) عورت کے ساتھ صحبت کے بغیر بوس و کنار کرتے ہوئے انزال ہو جانا۔

(۱۶) اپنے یا اپنی بیوی کے ہاتھوں منی خارج کرنا۔

(۱۷) نیند یا جنون طاری ہونے کی حالت میں کسی عورت سے جماع کرنا۔

(۱۸) عورت اپنی مخصوص شرم گاہ میں پانی یا دوا کے قطرات ڈالے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی طرح پانی یا دوا یا تیل وغیرہ میں تر انگلی وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۱۹) مرد و عورت اپنے پیچھے کی شرم گاہ میں دوائی ڈالیں یا استنجا میں مبالغہ کی وجہ سے پانی اوپر چڑھ جائے تو قضا واجب ہوگی۔

(۲۰) اپنے قصد و ارادے سے دھوئیں وغیرہ کو پیٹ تک پہنچانا موجبِ قضا ہے، البتہ عنبر اور عود کے دھوئیں اور سگریٹ کے بارے میں علامہ شرنبلالیؒ کفارہ کے قائل ہیں۔

(۲۱) بہ تکلف منہ بھر کے قے کرنا یا بہ تکلف منہ بھر کے قے واپس نگلنا۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في من أفسد صومه: ۲/ ۶۲۴

(۲۲)اپنا تھوک باہر نکال کر چاٹنا یا بیوی اور محبوب کے علاوہ کسی اور شخص کا تھوک نگلنا۔(۱)

رمضان کے علاوہ بقیہ روزے توڑنے کا حکم:

رمضان کے علاوہ بقیہ روزوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ قضا ضرور واجب ہوگی، چاہے اسے قصداً توڑا گیا ہو یا کسی عذر کی وجہ سے توڑنے کی نوبت آئی ہو۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ بقیہ روزوں کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) رمضان کے علاوہ جتنے بھی فرض یا واجب روزے ہیں، ان کے توڑنے سے قضا واجب ہوگی، البتہ جن روزوں میں تتابع اور تسلسل شرط ہے (کفارات اور متتابع نذر کے روزے) تو ان میں حیض کے علاوہ باقی کسی بھی عذر کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں، اگر توڑ دیا تو استیناف یعنی از سرِ نو دوبارہ روزے رکھنے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بقیہ روزوں (قضائے رمضان، نذر مطلق، نذر معین) میں صرف قضا واجب ہوگی۔

(۲) نفلی روزہ چاہے عذر کی وجہ سے توڑا جائے یا بغیر عذر کے، صرف قضا واجب ہوگی۔

(۳) صوم مظنون، یعنی وہ روزہ جو اس نیت سے شروع کیا گیا ہو کہ یہ میرے ذمے واجب تھا، لیکن پھر پتہ چل جائے کہ واجب نہیں تھا تو جمہور حنفیہ کے ہاں اس کے توڑنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، البتہ پورا کرنا زیادہ مناسب ہے۔(۲)

قضا اور فدیہ سے متعلق بنیادی اصول:

(۱) فقہائے کرام کے ہاں اگر کسی شخص کا روزہ عذر کی وجہ سے رہ گیا ہو اور وہ اسی عذر کے دوران مر جائے اور اس کو روزہ رکھنے کی فرصت نہ ملے تو قضا ساقط ہو جائے گی، یعنی قضا کے وجوب کے لیے شرط یہ ہے کہ قضا کے لیے ایسا وقت مل جائے جو شرعی اعذار سے خالی ہو، تاہم ایسی صورت میں وہ استحباباً اپنی طرف سے فدیہ کی وصیت بھی کر سکتا ہے جو ثلث مال سے دیا جائے گا۔

(۲) اگر زیادہ روزے عذر کی وجہ سے رہ گئے تھے اور ان سب کی بقدر یا بعض کی بقدر وقت مل جانے کے بعد موت آگئی تو اب موت کے وقت اتنے روزوں کے بدلے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی، جتنے روزوں کی قضا کے لیے وقت مل

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب مايفسد به الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة: ص۵۵۳۔۵۵۸،
الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع، النوع الأول مايوجب القضاء دون الكفارة: ۱/۲۰۲۔۲۰۴

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۲۵، ۶۲۶، وفصل في حكم الصوم المؤقت: ۲/۶۳۲

گیا ہو۔ بقیہ روزوں کی قضا اور ان کے بدلے فدیہ کی وصیت ساقط ہوگی۔

(۳) رمضان کے روزوں کی قضا علی الفور واجب نہیں، بلکہ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ بقیہ ایام میں عمر بھر کسی بھی دن ان کی قضا کی جاسکتی ہے۔

(۴) رمضان کی قضا کے لیے رات سے روزے کی نیت اور تعیین نیت ہر ایک ضروری ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ادائے رمضان کے لیے ضروری نہیں۔

(۵) نذر معین میں مخصوص وقت آنے سے پہلے یا مخصوص وقت بیماری میں گزارنے کے فوراً بعد مرجانا روزے کے وجوب کو ساقط کر دیتا ہے۔(۱)

فدیہ کب واجب ہوگا؟

حنفیہؒ کے ہاں فدیہ کے وجوب کے لیے علت ایسا دائمی عجز ہے جس کے ہوتے ہوئے تمام عمر اس کو روزہ ادا کرنے پر قدرت کی امید نہ رہے، چاہے یہ عجز کسی دائمی مرض کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے ہو۔ علامہ کاسانیؒ نے اس کو ''العجز المستدام'' سے تعبیر کیا ہے۔ مذکورہ علت کی رو سے مریض بھی شیخ فانی کے حکم میں ہوگا اور وہ بھی فدیہ ادا کرے گا۔ عام اعذار، مثلاً: سفر، غیر دائمی مرض، حمل اور رضاع وغیرہ سے فدیہ واجب نہیں ہوتا، بلکہ شیخِ فانی یا دائمی مریض بھی اگر روزے رکھنے پر قادر ہو جائے تو قدرت والے ایام کے بقدر اس کا فدیہ باطل ہو جائے گا اور وہ ان روزوں کی قضا لائے گا۔ یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس نے عمر بھر روزہ رکھنے کی نذر مان لی ہو، ایسا شخص جن ایام میں افطار کرے گا اس کے بدلے فدیہ ادا کرے گا، اس لیے کہ قضا لانے کے لیے عمر بھر اس کے پاس فاضل وقت نہیں۔ کفارات وغیرہ کے روزوں کے بدلے فدیہ دینا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ اعتاق رقبہ یا کسی اور چیز سے بدل ہوئے ہیں اور بدل کا بدل نہیں ہوتا۔(۲)

فدیہ کی مقدار:

فدیہ کی مقدار خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے:

﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾(۳)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حكم الصوم المؤقت: ۲/۶۲۸-۶۳۲

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حكم الصوم المؤقت: ۲/۶۳۱، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في العوارض: ص ۵۶۷ (۳) البقرة: ۱۸۴

چونکہ روزہ کے فدیہ کے لیے قرآن مجید میں "طعام مسکین" کا لفظ آیا ہے، اس لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جہاں کہیں طعام یا اطعام کا لفظ ذکر ہو، وہاں اباحت اور تملیک دونوں جائز ہوتے ہیں اور جہاں کہیں لفظ "ادا، یا ایتاء" ذکر ہو تو وہاں صرف تملیک جائز ہوگی، لہٰذا اگر تملیک (خوراک یا اس کی قیمت کا مالک بنانا) چاہے تو ہر روزے کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار (نصف صاع، یعنی پونے دو سیر گندم یا ساڑھے تین سیر جو، کشمش یا کھجور یا اس کی قیمت) ادا کرے۔ یہ ادائیگی رمضان کے اول میں بھی ہو سکتی ہے اور رمضان کے آخر میں بھی، اسی طرح تمام فدیہ کسی ایک فقیر کو بھی دیا جا سکتا ہے اس لیے کہ "مدفوع الیہ" کا تعدد فدیہ میں شرط نہیں۔

اور اگر اباحت (خوراک سامنے رکھ کر سیر ہونے تک کھلانا) چاہے تو ایک فقیر کو دن میں دو مرتبہ خوب سیر ہو کر کھلانا ہوگا۔ اگر گندم کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن کھلانا ضروری نہیں، البتہ عرف کے لحاظ سے مناسب ضرور ہے کیونکہ آج کل کے عرف میں گندم کی روٹی بھی کوئی سالن کے بغیر نہیں کھاتا۔ جب کہ جَو کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری ہے۔ ایک شخص ایک روز جتنا بھی کھائے، جتنی مرتبہ بھی کھائے؛ ایک ہی فدیہ شمار ہوگا۔ جو شخص فدیہ دینے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ استغفار کرتا رہے۔ (۲)

رمضان کے روزے کا کفارہ:

کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے، تاہم ان روزوں میں حیض کے علاوہ باقی کسی بھی عذر کی وجہ سے افطار کرنا جائز نہیں، لہٰذا اگر ان دو مہینوں کے درمیان عیدین یا ایام تشریق بھی آگئے تو از سر نو دو ماہ روزے رکھنے ہوں گے۔ حیض ختم ہونے کے فوراً بعد گزشتہ روزوں سے اتصال ضروری ہے۔ اگر مرض یا کبرسنی کی وجہ سے روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے۔ دوپہر اور شام کھلائے، صبح اور شام کھلائے، یا دو دن دو پہر یا دو دن شام کو کھلائے، یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جس فقیر کو پہلی مرتبہ کھلایا ہو، دوسری مرتبہ بھی اسی فقیر کو کھلائے۔

یہ بھی جائز ہے کہ ایک محتاج کو ساٹھ دن کھانا کھلائے۔ کھانا کھلانے میں گندم کی روٹی بغیر سالن کے، جب کہ جَو کی روٹی سالن کے ساتھ کھلانی ہوگی، تاہم اس میں عرف کا لحاظ رکھنا زیادہ مناسب ہے، اس لیے کہ موجودہ دور میں

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الکفارات، فصل في شروط الجواز: ۶/۳۸۲، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في العوارض: ص۶۷، وفصل في الکفارة ومایسقطها بعد الوجوب: ص۵۵۲

بغیر سالن کے کوئی بھی کھانا نہیں کھاتا، اگر چہ فقیر و مسکین ہی کیوں نہ ہو۔ کھانا بھوکے شخص کو کھلانا چاہیے اور خوب سیر ہو کر کھلانا چاہیے۔ ساٹھ دن کا کھانا ایک دن کھلانا صرف ایک دن کے لیے کافی ہوگا۔

اگر کھانے کی جگہ غلہ دینا چاہے تو صدقہ فطر کی مقدار گندم، جو، کشمش یا کھجور دے دے یا اس کی قیمت ادا کر دے۔ ایک ہی فقیر کو ایک ساتھ یا ایک دن مختلف مراحل پر تمام روزوں کے بدلے غلہ یا اس کی قیمت دینا جائز نہیں۔(۱)

کن روزوں میں تتابع اور تسلسل شرط ہے اور کن میں نہیں؟

رمضان کے روزوں اور تمام کفارات (یمین، قتل، ظہار، افطار رمضان) میں تتابع شرط ہے، ان کے علاوہ جتنے بھی روزے ہیں، جس قسم کے بھی ہیں؛ کسی میں بھی تتابع شرط نہیں۔(۲)

قضا اور کفارہ میں تداخل جائز نہیں:

قضا کے وجوب کا کفارہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس لیے کہ قضا فوت شدہ روزے کی تلافی کے لیے جبیرہ ہے جب کہ کفارہ اس جرم پر تنبیہ اور سزا ہے جس کی وجہ سے اس نے بالقصد والارادہ فرض روزہ چھوڑا ہے، لہٰذا جمہور فقہاء کے ہاں قضا اور کفارہ میں تداخل جائز نہیں، بلکہ ہر ایک کے لیے الگ الگ روزے رکھنے ہوں گے۔(۳)

ایک رمضان یا متعدد رمضان کے کفارات میں تداخل:

اگر کسی شخص نے ایک ہی رمضان یا مختلف رمضانوں کے متعدد روزے قصداً توڑ دیے ہوں اور ابھی تک کسی ایک کا کفارہ بھی ادا نہ کیا ہو تو ان تمام روزوں کے بدلے ایک ہی کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ حنفیہؒ کے ہاں یہی ظاہر الروایۃ اور مختار قول ہے۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة بعد الوجوب: ص ٥٥٢

(۲) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في العوارض: ص ٥٦٦

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من افسد صومه: ٦١٧/٢

(٤) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ٦٢٥،٦٢٤/٢، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في العوارض: ص ٥٤٦

روزہ کے مکروہات:

درج ذیل چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ ان کا ارتکاب مکروہ ہے:

(۱) بلا عذر کسی چیز کا چکھنا یا چبانا، تاہم اگر شوہر بدخلق و بدمزاج قسم کا ہو اور نمک و مرچ وغیرہ کے کم و بیش ہونے میں اس کی برہمی کا اندیشہ ہو یا بچہ روٹی وغیرہ نہیں چبا سکتا ہو اور کوئی چبانے والا بھی نہ ہو اور کوئی اور نرم غذا بھی نہ ہو تو چکھنے اور چبانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) شہد یا تیل خریدتے ہوئے تحقیق کے لیے اس کو چکھنا مکروہ ہے، تاہم اگر دھوکے کا اندیشہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

(۳) دانتوں کی صفائی کے لیے کوئی ذائقہ دار گوند، پیسٹ یا کوئی ایسی چیز استعمال کرنا جس کی خوشبو اور ذائقہ محسوس ہوسکے، مکروہ ہے۔ ایسی چیز کا ذائقہ اگر کھانے کی دیگر اشیا کی طرح مقصود ہو اور اس میں غذائیت بھی کسی درجے میں موجود ہو تو پھر اس سے روزہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

(۴) استنجا، کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔

(۵) منہ میں تھوک جمع کرنا اور اس کو نگلنا۔

(۶) روزہ کی حالت میں بیوی کے لب یا زبان چوسنا (القبلۃ الفاحشۃ) بہر صورت مکروہ ہے، اگر چہ وہ اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔

(۷) جو شخص اپنے نفس کے متعلق مطمئن نہ ہو تو اس کے لیے عام طریقے سے بوس و کنار اور معانقہ بھی مکروہ ہے۔

(۸) مباشرتِ فاحشہ بھی مکروہ ہے۔ اس سے مراد بے لباس صورت میں مرد و عورت کا ایک دوسرے سے چمٹنا اور اس طرح لپٹنا کہ ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو مس کرتے ہوں۔

(۹) روزہ کی حالت میں ہر وہ فعل بھی مکروہ ہے جو روزہ دار کو کمزور کر کے روزہ توڑنے پر مجبور کر دے، مثلاً: خون دینا، پچھنے لگوانا وغیرہ۔

(۱۰) روزہ دار کا پانی میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہوا خارج کرنا۔

(۱۱) اگر مسافر کو یقین ہو کہ وہ غروبِ شمس سے پہلے وطن اصلی یا وطن اقامت پہنچ جائے گا تو اس کے لیے افطار کرنا مکروہ ہے۔

روزہ کی حالت میں غیر مکروہ امور:

(۱) روزہ کی حالت میں بلاضرورت اور بالضرورت، بہرصورت کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، غسل کرنا، گیلے کپڑے کو چہرے یا بدن پر رکھنا بلاکراہت جائز ہے۔

(۲) مسواک تر ہو یا خشک یا پانی میں بھگی ہوئی، صحیح تر قول کے مطابق اس سے مسواک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چاہے دن کے پہلے حصے میں ہو یا آخر حصے میں ہو۔

(۳) تیل وسرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ سرمے کا ذائقہ حلق میں بھی محسوس ہو، اس لیے کہ آنکھ پیٹ کے لیے منفذ نہیں۔

(۴) قوی شخص کے لیے پچھنا لگوانے یا خون دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) بیوی کے ساتھ بوس وکنار اور مباشرت میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اپنے نفس پر قدرت اور کنٹرول ہو۔

(۶) جنابت کی حالت میں روزہ شروع کرنے یا دن کے وقت احتلام ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في مایستحب للصائم ومایکرہ: ۶۳۵/۲-۶۴۱، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصوم، فصل في مایکرہ للصائم ومالایکرہ ومایستحب له: ص۵۵۹-۵۶۲، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الثالث في مایکرہ للصائم ومالایکرہ: ۱۹۹/۱-۲۰۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالایفسد، مطلب في مایکرہ للصائم: ۳۹۵/۳-۳۹۹

اذان کے جواب اور افطاری میں افضل عمل

سوال نمبر(141):

رمضان میں افطاری کے وقت مغرب کی اذان کے جواب میں توقف کرنا چاہیے یا اطمینان سے جواب دے کر پھر افطاری میں مشغول ہونا چاہیے۔شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجابتِ اذان اپنی جگہ اہم ہے،لیکن افطاری میں تعجیل مسنون ہونے کے علاوہ ایک فطری ضرورت بھی ہے،لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افطاری کی ضرورت سے اجابتِ اذان کی سنت ہونے کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔بہتر یہ ہوگا کہ تطبیق کی صورت پیدا ہو کہ روزہ وقت داخل ہونے پر افطار ہو اور اذان افطاری کے بعد دے،تاکہ اطمینان کے ساتھ اذان کا جواب دے سکے،لیکن یہ صورت خاص جگہوں میں ممکن ہے۔عام لوگوں کے لیے اذان ہی وقت داخل ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے،ایسی صورت میں تطبیق کی صورت یہی ہوگی کہ افطاری کے ساتھ ساتھ اذان کے جواب کا اہتمام ہو،دونوں کا بیک وقت ادا ہونا کوئی ناممکن نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وتعجيل الإفطار أفضل، فيستحب أن يفطر قبل الصلاة .(١)

ترجمہ:

افطار میں جلدی کرنا افضل ہے،پس مستحب یہ ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے افطار کرے۔

❁❁❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب في مايكره للصائم ومالايكره: ١/ ٢٠٠

فصل في مالايفسدالصوم

(ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا)

حالت روزہ میں انجکشن لگوانا

سوال نمبر(142):

حالت روزہ میں رگ یا گوشت میں انجکشن لگوانے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حالت روزہ میں کسی چیز یا اس کے اثرات کے معتاد ذرائع سے بدن میں داخل ہو کر پیٹ یا دماغ تک پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مطلق کسی چیز یا اس کے اثرات کے بدن تک پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ چونکہ انجکشن کے اثرات معدہ یا دماغ تک براہ راست نہیں پہنچتے، بلکہ بذریعہ مسامات یا رگ کے دوا خون میں شامل ہو کر بدن کے آرام وراحت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لیے انجکشن خواہ رگ کا ہو یا دوسرا روزہ توڑنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے بدن کو ٹھنڈک پہنچانا روزہ توڑنے والا نہیں، تاہم روزے کی حالت میں بلاضرورت رگ والے انجکشن سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ومن اغتسل في ماء وجد برده في باطنه لا يفطره.(۱)

ترجمہ: جس روزہ دار نے پانی میں غسل کیا اور اس نے پانی کی ٹھنڈک اپنے جسم کے اندر محسوس کی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال ابن نجيم :وفي التحقيق أن بين الجوفين منفذاً أصلياً،فماوصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن.(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية،كتاب الصوم، الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد:۱/۲۰۳

(۲) البحرالرائق،كتاب الصوم،باب مايفسد الصوم مالا يفسده:۲/۴۸۸

ترجمہ:

ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ: ''حقیقت میں دونوں جوف (یعنی اندرونی حصوں میں) ایک سوراخ اصلی ہے تو جو چیز سر کے جوف تک پہنچ جائے وہ پیٹ کے جوف تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

❁❁❁

روزہ دار کا آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال نمبر(143):

روزہ کی حالت میں آنکھوں میں تکلیف کا احساس ہونے لگے اور ڈاکٹر بھی دوائی ڈالنے کا مشورہ دے تو آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اربابِ طب کے کہنے کے مطابق اگرچہ آنکھ سے حلق تک دوائی کے اثر پہنچنے کے لیے ایک باریک راستہ پایا جاتا ہے، لیکن بایں ہمہ فقہائے کرام کی تصریحات سے آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ یہ خفیہ راستہ دوائی پہنچنے کے لیے نہیں، البتہ بسا اوقات اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ نیز یہ راستہ بسا اوقات بند ہو کر اس میں نفوذ باقی نہیں رہتا، اس لیے یہی راجح قول ہے کہ آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو أقطر شيئاً من الدواء في عينه ،لايفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه في حلقه.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے آنکھ میں دوائی ڈالی، اس سے ہمارے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ حلق میں اس کا ذائقہ بھی محسوس کرے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، باب فيما يفسد الصوم ومالايفسد: ۱/ ۲۰۳

روزہ کی حالت میں بچے کے لیے کھانا چبانا

سوال نمبر (144):

ایک بچے کو کھانے کی ضرورت ہے۔ کیا اس کی ماں حالتِ روزہ میں بچے کے لیے کھانا چبا کر اس کو کھلا سکتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

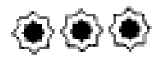
بچے کی تربیت اور پرورش ماں کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہے۔ ماں کے لیے بچے کی بہتر صحت کے ایسے کئی مواقع پیش آتے ہیں، ان چیزوں کا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے اگر بچے کی خوراک کے لیے کوئی اور بندوبست مشکل ہو تو ضرورت کے تحت ماں بچے کے لیے کھانا چبا کر کھلا سکتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولا بأس للمرأة أن تمضغ لصبيها الطعام إذا لم يكن لها بد منه.(۱)

ترجمہ:

عورت کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ روزے کی حالت میں بچے کے لیے کھانا چبا کر کھلائے، جب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔



بیوی کا خاوند کے لیے کھانے پینے کی چیز چکھنا

سوال نمبر (145):

اگر کسی خاتون کا خاوند تندخو اور سخت مزاج ہو تو حالتِ روزہ میں خاوند کے خوف سے خاتون کے لیے کھانے پینے کی اشیا کا چکھنا کیسا ہے؟ کیا اس عمل سے خاتون کا روزہ متاثر ہوتا ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيمايكره للصائم ومالايكره: ۲۸۸/۲

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ حالتِ روزہ میں کسی چیز کا عموماً چکھنا مکروہ ہے اور بسا اوقات تو فسادِ صوم کا سبب بن جاتا ہے، لیکن اگر کہیں کسی خاتون کا خاوند تندخو اور سخت مزاج ہو اور بیوی کو اس سے مار پیٹ اور گالی گلوچ کا خوف ہو تو ایسی خاتون کے لیے کھانے کی پکائی جانے والی اشیا کا چکھنا بلاکراہت جائز ہے۔ تاہم یہ احتیاط رہے کہ صرف زبان سے چکھے منہ میں ڈالنے یا حلق تک پہنچانے سے اجتناب کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إن کان الزوج سییء الخلق ،لا بأس للمرأۃ أن تذوق المرقۃ بلسانھا.(۱)

ترجمہ: اگر کہیں خاوند بداخلاق اور تندمزاج ہو تو پھر بیوی کے لیے سالن اپنی زبان سے چکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

روزہ میں بیوی سے بغل گیر ہوکر سونا

سوال نمبر(146):

رمضان المبارک کے روزہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ بغل گیر ہوکر سو جائے تو کیا اس سے روزہ پر اثر ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ میاں بیوی کا حالتِ روزہ میں ایک دوسرے کے ساتھ چمٹ کر یا بغل گیر ہوکر سونے میں کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اپنے اوپر عدمِ انزال کا پورا یقین ہو۔ اگر یقین وقدرت نہ ہو تو ایسا کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، تاکہ کسی خطرے میں نہ پڑے۔

لہٰذا مذکورہ حالت میں اگر میاں بیوی میں سے کسی کا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوا، البتہ اس حالت میں جس کسی کا انزال ہوا ہو، اس کا روزہ فاسد ہوا ہے اور اس پر روزہ کی قضا لازم ہے۔

(۱) الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، کتاب الصوم،فصل فیمایکرہ للصائم و مالا یکرہ:۱/۲۰۴

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإذاقبل امرأته، وأنزل،فسد صومه من غير كفارة.وكذافي تقبيل الأمة،والغلام ،وتقبيلهازوجها إذا رأت بللاً..........والمس، والمباشرة، والمصافحة، والمعانقة كالقبلة.(١)

ترجمہ: اور جب روزہ دار اپنی بیوی کو چومے اور انزال ہو جائے تو بغیر کفارہ کے روزہ فاسد ہوگا۔اسی طرح باندی، غلام کو چومنا اور بیوی کا اپنے خاوند کو چومنا، جب تری دیکھے۔۔۔۔۔بیوی کو مس کرنا، چھیڑ چھاڑ کرنا، مصافحہ کرنا، اس سے ملنا اور معانقہ کرنا چومنے کی طرح ہیں۔

❁❁❁

بھنگ کی گردوغبار کے روزے پر اثرات

سوال نمبر(147):

بھنگ اور چرس صاف کرتے وقت اس سے ایک خاص قسم کی گردوغبار اٹھتی ہے جو نشہ آور اور زیادہ تلخ اثرات کی حامل ہوتی ہے۔کیا اس گردوغبار کے حلق میں چلے جانے سے روزہ ٹوٹے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حالتِ روزہ میں گردوغبار کے حلق کے اندر جانے سے روزے پر اثرات کا دارومدار قصد پر ہے۔اگر گردوغبار روزہ دار کے حلق میں خود بخود داخل ہو تو پھر روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ احتیاط کے باوجود اس قسم کی چیزوں سے بچنا حرج عظیم کے مترادف ہے، اس لیے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر اس نے بذاتِ خود قصداً اس گردوغبار کو نگل لیا تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔لہذا بھنگ و چرس کی صفائی کے وقت اس سے بچنے کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله:(إنه لو أدخل حلقه الدخان .. أي بأي صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر بخور فآواه إلى نفسه،واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه.(٢)

---

(١)الفتاوى الهندية،كتاب الصوم ،الباب الرابع فيمايفسد و مالايفسد:١/٢٠٤

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار،كتاب الصوم،باب مايفسد الصوم و مالايفسد:٣/٣٦٦

ترجمہ: اگر اس کے حلق میں دھواں چلا گیا چاہے جس طریقے سے بھی ہو، یہاں تک کہ کسی خوشبودار دھویں سے دھونی دی گئی اور اس کو اپنی طرف کھینچا اور روزہ یاد ہونے کے باوجود اس کو سونگھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اس سے بچنا ممکن تھا۔

❁❁❁

حالتِ روزہ میں خون چڑھانا

سوال نمبر (148):

روزہ دار آدمی کو انجکشن یا ڈراپ کے ذریعے خون چڑھا دیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روزہ ان اشیا سے فاسد ہوتا ہے جو کسی سوراخ کے ذریعے سے معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے۔انجکشن سے دوا بذریعہ سوراخ نہیں، بلکہ عروق (رگوں) اور مسامات کے ذریعے معدہ یا دماغ میں پہنچتی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر کسی کو بحالتِ روزہ انجکشن یا ڈراپ کے ذریعے خون چڑھایا جائے تو اس سے اس کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ روزے کی حالت میں اس سے احتراز کیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(أو ادھن،أو اكتحل، أو احتجم) وإن وجد طعمه في حلقه.قال ابن عابدين:لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن،والمفطر إنماهو الداخل من المنافذ،للاتفاق على أن من اغتسل في ماء، فوجد برده في باطنه أنه لايفطر.(۱)

ترجمہ: سر پر تیل لگایا یا آنکھوں میں سرمہ لگایا یا پچھنا لگوایا، اگر چہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ:"حلق میں موجود اثر بدن کے مسام کی وجہ سے ہے اور روزہ کے لیے توڑنے والی وہ چیز ہے جو کسی منفذ سے داخل ہو۔اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کوئی پانی میں نہائے اور اس کی ٹھنڈک بدن کے اندر محسوس ہو تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا"

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم،باب مایفسد الصوم ومالایفسد:۳/۳۶۶،۳۶۷

فصل في ما يفسد الصوم ويوجب القضا فقط

(ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے)

روزہ کی حالت میں عورت کے ساتھ لیٹنے سے انزال ہونا

سوال نمبر(149):

ایک شخص حالتِ روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ لیٹا ہو، بیوی اس کے اعضا کو مذاقاً چھیڑتی رہی، یہاں تک کہ اس کا انزال ہو جائے تو اس صورت میں روزے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حالتِ روزہ میں خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ لیٹنے، چھونے، پیار ومحبت اور بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرط یہ کہ خاوند کو اپنے نفس پر کنٹرول اور اعتماد ہو، لیکن جہاں کہیں انزال ہونے کا خطرہ ہو تو وہاں پر اجتناب کرنا چاہیے، تاہم استمنا بالکف میں چونکہ قضائے شہوت کامل نہیں، اس وجہ سے صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بیوی خاوند کے اعضا سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی یا ہاتھ لگاتی ہوئے خاوند کا انزال کرائے تو اس صورت میں اس پر اس دن کے روزے کی قضا لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(أو قبل) ولو قبلة فاحشه.........(أو لمس فأنزل) ولو بحائل ،لا يمنع الحرارة،أو استمنى بكفه

.........(قضى) في الصور كلها (فقط).(١)

ترجمہ:

یا بوسہ لیا اگرچہ فحش طریقے سے ہو۔۔۔۔۔۔یا ہاتھ لگایا اور انزال ہوا، اگرچہ ایسی رکاوٹ کے ہوتے ہوئے ہو جائے جو بدن کی حرارت منع کرنے والی نہ ہو یا ہاتھ سے جلق لگوایا تو تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی۔



(١)الدرالمختار علی ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد:٣/٣٧٨۔٣٨٢

سحری کھانے کے بعد طلوعِ فجر کے غالب گمان پر روزہ توڑنا

سوال نمبر(150):

اگر کسی کو سحری کھانے کے بعد تحقیق سے پتہ چلا کہ کھانا تو طلوعِ فجر کے بعد کھایا گیا ہے اور وہ پھر دوپہر کا کھانا اس لیے کھالے کہ اس کا غالب گمان تھا کہ اس کا روزہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا اب امساک کی ضرورت نہیں۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شخص پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا لازم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ کفارہ کا لزوم رمضان المبارک کا روزہ قصداً افطار کرنے کی صورت میں لازم ہوتا ہے، خطا اور بھول کی صورت میں صرف قضا لازم ہوتی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں جب روزہ دار کا غالب گمان یہ ہو کہ اس نے سحری طلوعِ فجر کے بعد کی ہے تو روزہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس پر صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔ تاہم ایسی صورت میں اس کو چاہیے تھا کہ رمضان المبارک کے تقدس کو مدنظر رکھ کر امساک کرتا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وإذا تسحّر، وهو يظن أن الفجر لم يطلع، فإذاهو قد طلع...... أمسك بقية يومه قضاءً لحق الوقت...... وعليه القضاء، ولا كفارة عليه.............أنه بنى الأمر على الأصل، فلا تتحقق العمدية.(١)

ترجمہ:

اگر روزہ دار نے سحری کھائی اور حال یہ کہ وہ گمان کرتا ہے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی، پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تو یہ شخص باقی دن امساک کرے بقدر امکان وقت کا حق ادا کرنے کے لیے۔۔۔۔۔ اور اس پر قضا لازم ہے اور کفارہ نہیں۔۔۔۔۔ کیوں کہ اس نے اپنے کام کو اصل پر بنا کیا ہے، لہٰذا عمداً افطار کرنا متحقق نہ ہوا۔

❁❁❁

(١) الهداية، كتاب الصوم، باب مايجب القضاء و الكفارة: ١/ ٢٤٣

حلق میں خون پہنچنے سے روزے کا فاسد ہو جانا

سوال نمبر(151):

رمضان میں بعض اوقات مسواک کرنے سے مسوڑھوں سے خون نکل آتا ہے، جس کا ذائقہ حلق تک پہنچ جاتا ہے تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

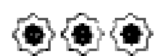
مسواک کرنے سے جو خون مسوڑھوں سے نکل کر حلق میں پہنچے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خون لعاب (تھوک) پر غالب ہو یا دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تاہم اس پر اس روزے کی صرف قضا ہے کفارہ نہیں، لیکن اگر لعاب (تھوک) غالب اور خون مغلوب ہو تو ایسی صورت میں اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

الدم إذا خرج من الأسنان، ودخل حلقه ،إن كانت الغلبة للبزاق، لايضرّه، وإن كانت الغلبة للدم، يفسد صومه، وإن كاناسواء أفسد أيضًا استحسانًا.(۱)

ترجمہ:

کسی روزہ دار کے دانتوں سے خون نکلا اور اس کے حلق میں داخل ہو گیا تو اگر تھوک غالب ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر خون غالب ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر دونوں برابر ہوں تو بھی ازروئے استحسان اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔



منہ میں آنسو چلے جانا

سوال نمبر(152):

ایک روزہ دار شخص روتا ہے، اس دوران آنسو اس کے منہ میں چلے جاتے ہیں، ایسی صورت میں روزہ کے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع في مايفسد ومالا يفسد: ۱/۲۰۳

فساد وعدم فساد کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

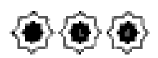
جب تک آنسو معمولی مقدار میں ہوں تو منہ میں چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا،لیکن جب آنسو اتنے زیادہ ہوں کہ منہ میں ان کا ذائقہ محسوس ہونے لگے اوراس کے باوجود یہ شخص آنسو نگلتا رہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

الدموع إذادخلت فم الصائم، إن كان قليلاً كالقطرة ،والقطرتين ،أونحوها،لايفسدصومه، وإن كان كثيراحتى وجدملوحته في جميع فمه، واجتمع شيء كثير، فابتلعه ،يفسد صومه.(۱)

ترجمہ:

آنسو جب صائم کے منہ میں داخل ہوں، اگر یہ کم مقدار میں ایک یا دو قطرے ہوں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا،لیکن اگر زیادہ ہوں، یہاں تک کہ ان کی نمکینی تمام منہ میں محسوس ہو اور زیادہ مقدار میں جمع ہو اور پھر اس کو نگل لے تو اس سے روزہ فاسد ہوگا۔



رمضان میں مٹی کھانا

سوال نمبر(153):

اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت مٹی کھالے تو اس پر قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب کوئی شخص رمضان کے مہینے میں قصداً کھائے ،پیے تو اس پر قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی

(۱)الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،باب فيمايفسد الصوم ومالايفسد:۱/۲۰۳

واجب ہوگا، تاہم اس میں یہ شرط ہے کہ وہ ایسی چیز کھالے، جسے لوگ عادتاً غذا کے طور پر استعمال کرتے ہوں اور اگر کوئی ایسی چیز نگل لے جو عادتاً غذا کے لیے استعمال نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں صرف اُس دن کی قضا لازم ہوگی اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

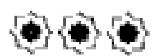
صورتِ مسئولہ کے مطابق مٹی چونکہ ایسی چیز ہے جو عادتاً غذا کے طور پر استعمال نہیں ہوتی، اس لیے مٹی کھانے سے اس شخص پر قضا لازم ہوگی اور کفارہ لازم نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإذاابتلع مالایتغذی به،ولایتداوی به عادتاً کالحجر، والتراب،لایوجب الکفارة.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی روزہ دار نے ایسی چیز نگل لی جو عادت کے مطابق غذا اور دوا کے طور پر نہ کھائی جاتی ہو، مثلاً پتھر یا مٹی وغیرہ تو ایسی چیز کھالینا کفارہ واجب نہیں کرتا۔



رمضان کے روزے نہ رکھنا

سوال نمبر(154):

اگر کسی شخص سے رمضان المبارک کے روزے رہ گئے ہوں تو اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے ذمے قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمضان کے روزے بغیر کسی عذرِ شرعی کے نہ رکھنا یا رکھ کر توڑنا گناہ کبیرہ ہے، ایسا شخص فاسق کے زمرے میں آتا ہے، تاہم سرے سے روزہ نہ رکھنے اور رکھ کر توڑنے کے احکامات قدرے مختلف ہیں۔

☆......اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بغیر کسی عذر کے توڑے تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔

☆......اور سرے سے نہ رکھنے کی صورت میں اگرچہ گناہ کبیرہ ہے، لیکن اس پر صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم،الباب الرابع في مایفسد ومالایفسد: ۲۰۲/۱

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص نے بغیر کسی عذرِ شرعی کے رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے ہوں تو اس پر صرف قضالازم ہوگی، کفارہ نہیں، البتہ اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا ہو تو پھر کفارہ وقضادونوں لازم ہوں گے۔

مندرجہ بالا تحقیق اس شخص کے بارے میں ہے، جو پورے رمضان میں کسی قسم کی نیت نہ کرے اور روزہ کھاتا رہے، لیکن جو شخص سحری میں شریک ہوکر پھر نیت نہ کرنے کا دعوی کرے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ علامہ نجم الدین النسفیؒ کے قول کے مطابق رمضان میں سحری کرنا ہی نیت ہے۔ ایسی صورت میں قلبی ارادہ نہ ہونے کی صورت میں وجوب کفارہ کے لیے یہ عملی نیت کافی ہے۔

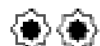
والدّلیل علیٰ ذلک:

(او اصبح غير ناو للصوم، فأكل عمداً) وقال ابن عابدين: وأما عندنا فلابدّ من النيّة ؛لأن الواجب الإمساك بجهة العبادة، ولا عبادة بدون نية ،فلو أمسك بدونها لايكون صائماً ويلزمه القضاء دون الكفارة.....لأن الكفارة، إنما تجب على من أفسد صومه، والصوم هنا معدوم ،وإفساد المعدوم مستحيل.(١)

ترجمہ:

یا روزے کی نیت کے بغیر صبح کی اور قصداً کوئی چیز کھالی۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں نیت ضروری ہے، کیوں کہ عبادت کی نیت سے امساک واجب ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی، پس اگر بغیر نیت کے امساک کیا تو وہ روزہ دار نہیں ہے اور اس پر صرف قضالازم ہے۔۔۔۔ اس لیے کہ کفارہ تو روزہ فاسد کرنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اور یہاں روزہ ہی معدوم ہے، اور معدوم چیز کا فاسد کرنا محال ہے۔





(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد: ٣٧٧/٣

فصل في ما يفسد الصوم ويوجب القضا مع الكفارة

(ان چیزوں کا بیان جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہوتا ہے)

بلا عذر شرعی روزہ توڑنا

سوال نمبر(155):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے بعد کچھ کھا پی لے، جب کہ اس کو روزہ توڑنے کے حکم کے متعلق کوئی علم نہ ہو تو کیا اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دین اسلام میں عبادات خصوصاً رمضان کو ایک نمایاں اور اہم مقام حاصل ہے۔اسی اہمیت و امتیاز کی وجہ سے روزہ فرض کیا گیا ہے۔امت محمدیہ ﷺ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ روزے فرض کر کے اجر وثواب کے کئی دروازے کھول دیے ہیں، پس جو انسان اس نعمت کی قدر کرتا ہے اور اس کو اہم فریضہ سمجھ کر ادا کرتا ہے تو اس کی اخروی زندگی سدھر جاتی ہے اور جو انسان اس نعمت سے منہ موڑ لیتا ہے تو معصیت و نافرمانی کا سامان فراہم کرتا ہے۔شریعتِ مطہرہ نے مختلف معاصی کے تدارک وانسداد کے لیے مختلف سزائیں مقرر کی ہیں۔قضا و کفارہ اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد بغیر کسی عذرِ شرعی کے کچھ کھا پی لے تو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔اس سلسلہ میں ایک مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے وجوبِ کفارہ وقضا سے لاعلمی کوئی قابلِ قبول عذر نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

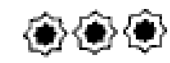
إذا أكل متعمداً ما يتغذى به، أو يتداوى به، يلزمه الكفارة ،وهذا إذا كان مما يؤكل للغذاء ،أو للدواء .(١)

---

(١) الفتاوى الهندية،كتاب الصوم،باب فيما يفسد الصوم ومالا يفسد،النوع الثاني مايوجب القضاء و الكفارة:١/٢٠٥

ترجمہ:

اگر کسی نے حالتِ روزہ میں جان بوجھ کر کوئی ایسی چیز کھائی جو بطور غذا یا دوا کھائی جاتی ہو تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ چیز بطور غذا یا دوا کھائی جاتی ہو۔



حالتِ روزہ میں جماع کرنا

سوال نمبر (156):

اگر ایک شخص رمضان کو دن کے وقت اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرے تو کیا میاں بیوی دونوں پر کفارہ لازم ہے یا صرف خاوند پر؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

رمضان کے بابرکت مہینے میں دن کے وقت روزے کی حالت میں جماع کرنے سے روزہ فاسد ہو کر اس کے بدلے قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔ اگر زوجین نے ہم بستری آپس میں رضامندی سے کی ہو تو دونوں پر قضا و کفارہ لازم ہوں گے، ورنہ بیوی پر جبر کی صورت میں صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں اور خاوند پر دونوں واجب ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

من جامع عمداً في أحد السبیلین، فعلیه القضاء والکفارة، ولا یشترط الإنزال في المحلین، کذا في الهدایة،وعلی المرأة مثل ما علی الرجل إن کانت مطاوعة،وإن کانت مکرهة، فعلیها القضاء دون الکفارة .(۱)

ترجمہ:

رمضان المبارک کے فرض روزے میں جس نے دونوں راستوں (قبل اور دبر) میں سے کسی میں عمداً مجامعت کی تو اس پر اس روزے کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور ان دونوں جگہوں میں مجامعت کرنے میں

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم،باب فیما یفسد الصوم وما لا یفسد،النوع الثاني ما یوجب القضاء و الکفارة:۱/۲۰۵

انزال شرط نہیں ہے۔ مذکورہ صورت میں روزہ دار عورت پر بھی وہی کچھ لازم ہے جو مرد پر ہے، بشرطیکہ وہ راضی تھی اور اگر عورت پر جبر کیا گیا ہو تو اس پر قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔

❁❁❁

حالتِ روزہ میں بیوی کے ساتھ وطی في الدبر کرنا

سوال نمبر (157):

رمضان المبارک میں حالتِ روزہ میں شوہر اگر بیوی کے ساتھ وطی في الدبر کرلے جس میں انزال بھی نہ ہو، اس صورت میں قضاو کفارہ کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمضان المبارک میں حالتِ روزہ میں دونوں راستوں (قبل، دبر) میں سے کسی میں بھی اگر کوئی مجامعت کرلے تو اس پر قضاو کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں اور ان دونوں جگہوں میں مجامعت کرنے میں انزال شرط نہیں ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر حالتِ روزہ میں بیوی کی رضامندی سے مجامعت في الدبر کی گئی ہو تو دونوں پر قضاو کفارہ لازم ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

من جامع عمداًفي أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولايشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية،وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعة،وإن كانت مكرهة، فعليهاالقضاء دون الكفارة .(١)

ترجمہ:

رمضان المبارک کے فرض روزے میں جس نے دونوں راستوں (قبل اور دبر) میں سے کسی میں عمداً مجامعت کی تو اس پر اس روزہ کی قضااور کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور ان دونوں جگہوں میں مجامعت کرنے میں

(١)الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،باب فيمايفسد الصوم ومالايفسد،النوع الثاني مايوجب القضاء و الكفارة:١/٢٠٥

انزال شرط نہیں ہے۔ مذکورہ صورت میں روزہ دار عورت پر بھی وہی کچھ لازم ہے جو مرد پر ہے، بشرطیکہ وہ راضی تھی اور اگر عورت پر جبر کیا گیا ہو تو اس پر قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔

❁❁❁

روزہ کی حالت میں بلا انزال صحبت کرنا

سوال نمبر(158):

رمضان المبارک میں اگر کوئی حالتِ روزہ میں بیوی سے جماع کرکے صرف دخول کرے، جس میں انزال نہ ہوا ہو تو کیا اس صورت میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا لازم ہوگی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمضان میں چونکہ صبر و قناعت اور خواہشاتِ نفسانی کا تدارک اور انسداد مقصود ہوتا ہے، اس وجہ سے حالتِ روزہ میں کسی قسم کی مجامعت جائز نہیں اور اگر کوئی کرلے تو اس میں انزال کی شرط نہیں، بلکہ مطلق دخول سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور یہ حکم بیوی اور شوہر دونوں کے لیے ہے، بشرطیکہ شوہر نے بیوی پر جبر نہ کیا ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں میاں بیوی دونوں پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

الصائم إذا جامع امرأته متعمداً في نهار رمضان، فعليه القضاء، والكفارة إذا توارت الحشفة أنزل، أولم ينزل.(١)

ترجمہ:

رمضان میں دن کو قصداً روزہ دار نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرلی، جب دخول حشفہ ہو جائے چاہے انزال ہو جائے یا نہ ہو تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

❁❁❁

(١) خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الثالث فيما يفسد ومالا يفسد: ١/ ٢٥٩

طلوعِ فجر کے بعد میاں بیوی کا جماع میں مصروف رہنا

سوال نمبر(159):

اگر کوئی رمضان میں سحری سے فارغ ہونے کے بعد ایسے وقت میں اپنی بیوی سے صحبت کرے کہ طلوعِ فجر ہونے والا ہو، ان کو وقت کا علم بھی ہو اور اس کے باوجود وہ مشغول رہیں، دریں اثنا طلوعِ فجر ہو جائے تو اس صورت میں قضا و کفارہ کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے رمضان المبارک میں طلوعِ فجر سے غروبِ شمس تک اگر کوئی شخص بغیر کسی عذرِ شرعی قصداً کھاپی لے یا جماع کرے تو اس پر اس روزے کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں۔

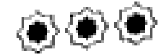
لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق میاں اور بیوی کو طلوعِ فجر کا یقین ہونے کے باوجود بھی اگر وہ جماع میں مصروف رہے تو اس روزے کی قضا اور کفارہ دونوں پر واجب ہیں، تاہم اگر بیوی کی رضا مندی نہ ہو، بلکہ خاوند نے زبردستی جماع کرنے پر مجبور کر دیا ہو تو پھر بیوی پر صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وإن بدأبالجماع ناسيا،أوأولج قبل طلوع الفجر،أوالناسي تذكرإن نزع نفسه في فوره، لايفسد صومه............ وإن بقي على ذلك، فعليه القضآء والكفارة في ظاهر الرواية .(۱)

ترجمہ:

اگر کسی روزہ دار نے بھولے سے جماع شروع کیا یا اس نے صبح طلوع ہونے سے پہلے دخول کیا، پھر صبح طلوع ہوگئی یا بھولے سے جماع کرنے والے کو روزہ یاد آ گیا تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر اس نے فوراً عضوِ خاص باہر کیا تو صحیح روایت کے بموجب اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا۔۔۔۔اور اگر اسی حالت پر باقی رہا تو ظاہر روایت کے بموجب اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔



(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم،باب فيمايفسد الصوم ومالايفسد:۱/ ۲۰۴

روزہ کی حالت میں بیوی سے بھول کر یا قصداً جماع کرنا

سوال نمبر(160):

اگر کوئی شخص حالتِ روزہ میں بھول کر بیوی سے جماع کرے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ نیز قصداً جماع کرنے سے روزے کا کیا حکم ہے؟ ان دونوں صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک قصداً اپنے آپ کو کھانے، پینے اور جماع سے روکنا روزہ کہلاتا ہے، تاہم اگر کوئی شخص بھول کر ان امور کا مرتکب ہو جائے تو ایسی صورت میں اس شخص کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ صورتِ مسئولہ میں جب کوئی شخص بیوی سے روزہ کی حالت میں نسیاناً (بھول کر) جماع کرے تو اُس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، جبکہ قصداً جماع کرنے کی صورت میں اس شخص کا روزہ فاسد ہوتا ہے اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا أكل الصائم ،أو شرب،أو جامع ناسيًا،لم يفطر .(۱)

ترجمہ:

اگر روزہ دار بھول کر کچھ کھائے، پیے یا جماع کرے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

ومن جامع عمدًا في أحد السبيلين، فعليه القضاء ،والكفارة،ولا يشترط الإنزال في المحلّين.(۲)

ترجمہ:

جس نے دونوں راستوں (قُبل ودبر) میں سے کسی میں قصداً جماع کیا تو اس پر روزے کی قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور دونوں میں انزال شرط نہیں۔

(۱) الفتاوی الهندية ،كتاب الصوم ،الباب الرابع في مايفسد ومالايفسد :۱/۲۰۲

(۲) الفتاوی الهندية ،كتاب الصوم،الباب الرابع في مايفسدومالايفسد :۱/۲۰۵

روزہ کی حالت میں نسوار ڈالنا

سوال نمبر(161):

کیا روزہ کی حالت میں نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے؟ حالانکہ بظاہر روزہ فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روزہ کی حالت میں کسی چیز کا محض منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بہ شرط یہ کہ حلق سے نیچے نہ جائے، لیکن جب ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حالتِ روزہ میں نسوار منہ میں رکھنے سے نسوار لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے، جو کہ فساد روزہ کا ذریعہ ہے، بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کی جگہ استعمال کرتے ہوئے قوت حاصل کرتے ہیں۔اس لیے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وقال في الجوهرة:واختلفوا في معنى التغذي قال بعضهم:أن يميل الطبع إلى أكله وتنقضي شهوة البطن به ......وعلى هذا الورق الحبشي ،والحشيشة،والقطاط إذا أكله،فعلى القول الثاني لا تجب الكفارة؛لأنه لانفع فيه للبدن،وربمايضره،وينقص عقله،وعلى القول الأول تجب؛لأن الطبع يميل إليه، وتنقضي به شهوة البدن.(١)

ترجمہ: اور روزہ توڑنے کے بیان میں غذا کی تعریف میں اختلاف کیا ہے۔بعض کے ہاں غذا وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور پیٹ کی شہوت اس سے پوری ہو۔۔۔۔۔۔اس تعریف کی رُو سے حبشی پتے، گھاس اور بھنگ جب ان کو کھائے تو دوسرے قول کے مطابق ان پر کفارہ نہیں، کیوں کہ ان میں بدن کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کے لیے نقصان دہ ہے اور عقل میں فتور پیدا کرتا ہے اور اول قول کے مطابق ان کے کھانے پر کفارہ لازم آتا ہے، کیوں کہ اس کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے اور پیٹ کی شہوت بھی پوری کرتا ہے۔

(١)مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم،باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء:٥٤٨

حالتِ روزہ میں سگریٹ پینا

سوال نمبر(162):

حالتِ روزہ میں سگریٹ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یانہیں؟ اور اس سے صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

روزہ کی حالت میں کسی چیز کا محض منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا بہ شرط یہ کہ حلق سے نیچے نہ جائے،لیکن جب ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حالتِ روزہ میں سگریٹ نوشی کے دوران دھواں منہ کے ذریعہ حلق کے اندر چلا جاتا ہے، جو کہ فسادِ روزہ کا سبب ہے۔اس لیے سگریٹ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور چونکہ سگریٹ کا دھواں قصداً حلق میں داخل کیا جاتا ہے،اس لیے قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وقال في البحر: واختلفوا في معنى التغذي قال بعضهم:أن يميل الطبع إلى أكله وتنقضي شهوة البطن به......وعلى هذا الورق الحبشي ،والحشيشة،والقطاط إذا أكله،فعلى القول الثاني لا تجب الكفارة؛لأنه لانفع فيه للبدن،وربما يضره،وينقص عقله،وعلى القول الأول تجب؛لأن الطبع يميل إليه، وتنقضي شهوة البدن.

قلت:وعلى هذا البدعة التي ظهرت الآن،وهو الدخان إذا شربه في لزوم الكفارة.(۱)

ترجمہ:

اور روزہ توڑنے کے بیان میں غذا کی تعریف میں اختلاف کیا ہے۔بعض کے ہاں غذا وہ ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور پیٹ کی شہوت اس سے پوری ہو......اس تعریف کی رُو سے حبشی پتے،گھاس اور بھنگ جب

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،كتاب الصوم،باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء:٥٤٨

کوکھائے تو دوسرے قول کے مطابق ان پر کفارہ نہیں، کیوں کہ ان میں بدن کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کے لیے نقصان دہ ہے اور عقل میں فتور پیدا کرتا ہے اور اول قول کے مطابق ان کے کھانے پر کفارہ لازم آتا ہے، کیوں کہ ان کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا ہے اور پیٹ کی شہوت بھی پوری کرتا ہے۔ شارحؒ فرماتے ہیں کہ: اسی طرح کا حکم اس نوزائدہ چیز کا بھی ہے، یعنی سگریٹ جب اس کو پیا جائے تو (اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور) کفارہ لازم ہوتا ہے۔

❀❀❀

حالتِ روزہ میں بیوی سے زبردستی جماع کرنا

سوال نمبر(163):

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص حالتِ روزہ میں اپنی بیوی سے زبردستی جماع کر لیتا ہے تو وجوبِ کفارہ کی صورت میں دونوں پر کفارہ لازم ہوگا یا صرف خاوند پر؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حالتِ روزہ میں جماع کر لینا صریح نص کے ساتھ حرام ہے، اس لیے اس سے روزہ فاسد ہو کر قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

لہٰذا اگر واقعی حالتِ روزہ میں خاوند نے بیوی کے ساتھ زبردستی جماع کیا ہو تو عورت پر کفارہ نہیں ہوگا، صرف قضا لازم ہوگی۔ جبکہ خاوند پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وعلی المرأة مثل ماعلی الرجل، إن كانت مطاوعة، وإن كانت مكرهة، فعليها القضاء دون الكفارة.(١)

ترجمہ:

روزہ دار عورت پر بھی وہی کچھ لازم ہے جو مرد پر ہے، بشرطیکہ وہ راضی تھی اور اگر عورت پر جبر کیا گیا ہو تو اس پر قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا۔

(١) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، باب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد: ١/٢٠٥

حالتِ روزہ میں میاں بیوی کا ایک دوسرے کا لعاب نگلنا

سوال نمبر(164):

اگر میاں بیوی میں سے کوئی حالتِ روزہ میں دوسرے کا لعاب نگل لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اور قضا اور کفارہ لازم ہوں گے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حالتِ روزہ میں کسی چیز کا محض منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے، لیکن جب ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور لعاب کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اجنبی کا ہو تو صرف قضا لازم ہوگی اور اگر کسی دوست یا میاں بیوی نے ایک دوسرے کا لعاب نگل لیا تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں میاں بیوی میں سے جس کسی نے دوسرے کا لعاب نگل لیا تو اس کا روزہ فاسد ہوا ہے، اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو ابتلع بزاق غیره، فسد صومه بغیر کفارة إلا إذا کان بزاق صدیقه، فحینئذ تلزمه الکفاره، کذا في المحیط.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی روزہ دار شخص نے کسی دوسرے آدمی کا تھوک نگل لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اس کے محبوب کا تھوک تھا تو اس پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد: ۲۰۳/۱

حائل کے ہوتے ہوئے جماع کرنا

سوال نمبر(165):

حالتِ روزہ میں اگر کسی نے کپڑا لپیٹ کر بیوی کے ساتھ جماع کر لیا ہو تو اس صورت میں کفارہ و قضا دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا لازم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان المبارک میں دیگر امور سے اجتناب کے ساتھ خواہشاتِ نفسانی کا تدارک اور انسداد بھی مقصود ہوتا ہے، اسی وجہ سے حالتِ روزہ میں ہر قسم کے جماع کرنے سے ممانعت آئی ہے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر مرد نے ایسا کپڑا لپیٹ کر دخول کر لیا ہو جس میں سے حرارت اور لذت محسوس کی جا سکتی ہو تو ایسی صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، لیکن اگر کپڑا ایسا ہو جس میں سے حرارت محسوس نہ ہوتی ہو تو پھر ایسی صورت میں کفارہ لازم نہیں، صرف قضا واجب ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذالک:

(یجب القضاء والکفارة..........علی من جامع ،أو جومع عمدأفي أحدالسبیلین) .... ولو لف ذکرہ بخرقة [illegible] الحرارة لم یکفر.(۱)

ترجمہ:

جو جماع کرے یا [illegible] کے ساتھ دونوں راستوں میں سے کسی ایک میں جماع کیا گیا ہو اس پر قضا و کفارہ واجب ہے۔۔۔۔۔اگر کوئی اپنے آلۂ تناسل کو کپڑے میں لپیٹ کر (جماع کرے) جو حرارت کے لیے مانع ہو تو اس میں کفارہ [illegible] نہیں ہوتا۔



(۱) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، کتاب الصوم، باب موجب الفساد: ۲۳۹/۱، ۲٤۰

فصل في القضاء والكفارة والفدية

(روزے کی قضا، کفارہ اور فدیہ کے مسائل)

صحت یابی کے بعد قضا روزوں کی ادائیگی

سوال نمبر(166):

مفتیان کرام اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ ایک ایسا بیمار شخص، جس کے تندرست ہونے کی بظاہر کسی کو کوئی امید نہ ہو، اس کے قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کر دیا گیا ہو، لیکن کچھ عرصہ بعد خدا کے فضل وکرم سے مریض شفایاب ہو جائے تو کیا اب تندرست ہونے کی صورت میں فوت شدہ روزوں کی قضا کرنا لازمی ہے یا فدیہ اس کی طرف سے کافی سمجھا جائے گا؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر مریض اپنے مرض سے شفایاب ہو جائے اور اس کو اتنا وقت مل سکے جس میں وہ قضا روزوں کی ادائیگی کر سکے، چاہے ان روزوں کا فدیہ حالتِ مرض میں ادا کر دیا گیا ہو یا نہیں، بہرکیف اس پر روزوں کی قضا لازم ہوگی۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی مریض کو مرض سے شفایاب ہونے کے بعد اس قدر وقت مل جائے کہ جس میں قضا شدہ روزوں کی ادائیگی ممکن ہو تو اس پر ان قضا شدہ روزوں کی ادائیگی لازم ہوگی۔

والدّليل علىٰ ذلك:

ولو قدر على الصيام بعد مافدى بطل حكم الفداء الذي فداه، حتى يجب عليه الصوم ...... فإن برئ المريض، أو قدم المسافر، وأدرك من الوقت بقدر مافاته، فيلزمه قضاء جميع ماأدرك.(١)

ترجمہ:

اگر کوئی فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو جو فدیہ وہ دے چکا ہے، اس کا حکم باطل ہو جائے گا، حتی

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ١/٢٠٧

کہ اس پر روزہ رکھنا واجب ہوگا، لہٰذا اگر وہ مریض تندرست ہوگیا یا وہ مسافر سفر سے واپس آ گیا اور اس نے فوت شدہ روزوں کی بقدر وقت پالیا تو اس پر ان تمام روزوں کی قضا لازم ہے جن کا اس نے وقت پالیا۔

❁❁❁

قضا روزوں میں تتابع کی شرط

سوال نمبر (167):

اگر کسی شخص سے رمضان میں کسی عذر کی بنا پر کچھ روزے قضا ہو جائیں تو پھر ادائیگی کے وقت اس میں تتابع (پے در پے رکھنا) ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان پر حالتِ صحت میں فرض ہیں، تاہم اگر کسی بیماری یا دوسرے کسی عذر کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو ایسی صورت میں اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے۔
عذر زائل ہونے کے بعد اُسی تعداد کے مطابق قضا روزے رکھے، البتہ قضا رکھنے میں تتابع (پے در پے رکھنا) شرط نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلك:

(وقضيا ما قدرا بلا شرط ولاء) أي لا يشترط التتابع في القضاء لإطلاق قوله تعالى: ﴿فعدّة من أيام أُخر﴾.(١)

ترجمہ:

(اور یہ دونوں یعنی مسافر اور مریض جب قادر ہو جائیں، تتابع کی شرط کے بغیر قضا لائیں گے) یعنی قضا میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد فعدّة من أيام أُخر مطلق ہونے کی وجہ سے تتابع شرط نہیں۔

❁❁❁

(١) البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض : ٤٩٩/٢

رمضان کے قضا شدہ روزوں کی قضا کا وقت

سوال نمبر(168):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے روزے عذر کی بنا پر نہ رکھ سکے تو آئندہ رمضان سے قبل اس کی قضا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟ نیز اگر دوسرا رمضان آئے تو پہلے امسال رمضان کے روزے رکھے اور پھر سابقہ روزوں کی قضا کرے یا پہلے سابقہ روزوں کی قضا کرے اور پھر امسال رمضان کے روزے رکھے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے ہر قسم کی فرض عبادات کے لیے ایک وقت متعین ہے، اگر یہ عبادات اپنے متعین وقت میں ادا نہ کی جائے تو بعد میں ادا کرنا قضا شمار ہوگا اور قضا عبادات کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، بلکہ جس وقت بھی ادا کرنا چاہے اُس کو ادا کرسکتا ہے، تاہم عبادت میں بلا عذر تاخیر کرنا مستحسن نہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں اگر اس شخص نے رمضان میں عذر کی وجہ سے روزے نہیں رکھے تو عذر زائل ہونے کے بعد روزوں کی قضا کرنا چاہیے تھا، لیکن جب اس نے ان روزوں کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کی کہ اگلے رمضان المبارک کا مہینہ بھی آیا تو یہ شخص اول اس سال رمضان کے روزے رکھے، پھر ان فوت شدہ روزوں کی قضا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وقضاء رمضان إن شاء فرقه وإن شاء تابعه......وإن أخّره،حتی دخل رمضان آخر صام الثاني؛لأنه في وقته وقضی الأوّل بعده ؛ لأنّه وقت القضاء ، ولافدية عليه.(۱)

ترجمہ:

رمضان کے فوت شدہ روزے چاہے الگ الگ رکھے اور چاہے تتابع سے رکھے اور اگر (قضاے رمضان) کو اتنا مؤخر کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے، کیوں کہ وہ اپنے وقت میں ہے اور اول کی قضا اس کے بعد کرے، کیوں کہ یہ زمانہ قضا کا ہے اور اس پر فدیہ واجب نہیں (یعنی رمضان کے علاوہ ہر وقت میں فوت شدہ روزوں کی قضا کی جاسکتی ہے۔

(۱) الهداية ،كتاب الصوم ،فصل مايوجب القضاء والكفارة: ۱/۲٤۰

رمضان کے علاوہ روزہ توڑنا

سوال نمبر(169):

اگر کوئی شخص نذرِ معین یا غیر معین یا نفلی روزہ بلا کسی عذر کے توڑ دے تو کیا اس پر کفارہ واجب ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کفارہ صرف رمضان کے مہینے میں بلا عذر شرعی روزہ توڑنے سے واجب ہوتا ہے۔رمضان کے علاوہ دوسرے روزے چاہے وہ نذر معین کے ہوں یا غیر معین کے،توڑنے سے صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں،تاہم بلا عذر افطار کرنے پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(أو أفسد غیر صوم رمضان أداء) لاختصاصها بهتك رمضان .قال ابن عابدین:لأن الإفطار في رمضان أبلغ في الجناية، فلايلحق به غيره، لورودها فيه على خلاف القياس.(۱)

ترجمہ:

رمضان کے علاوہ کا روزہ کسی نے افطار کر کے فاسد کر دیا (تو کفارہ لازم نہ ہوگا) کیوں کہ رمضان کے روزے کی تحقیر کرنے کی وجہ سے کفارہ کا لزوم رمضان کے روزے کے ساتھ خاص ہے۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ:''رمضان میں افطار کرنا انتہائی درجے کی جنایت اور جرم ہے، پس اس کے ساتھ کسی اور چیز کو یکجا نہیں کیا جاسکتا،کیوں کہ رمضان کے روزوں کا کفارہ ادا کرنا خلاف القیاس ثابت ہے کہ اس میں نص وارد ہوئی ہے''۔

❁❁❁

روزوں کی قضا نہ لانے کی صورت میں وصیت کرنا

سوال نمبر(170):

رمضان المبارک کے جو روزے عورتوں سے مجبوراً چھوٹ جاتے ہیں اور بعد میں ان کی قضا نہ کر سکیں تو ان

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار،کتاب الصوم،باب مایفسد الصوم ومالایفسد:۳/۳۷۹

...صرف توبہ واستغفار کرلینا کافی ہے یا پھر فدیہ دینا ہوگا، جب کہ ان کو قضا شدہ روزوں کی صحیح تعداد بھی یاد نہیں ہے۔

بینواتوجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطری امر ہے جس کی وجہ سے شریعت نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری اس سے اٹھالی ہے، لہٰذا عورتوں کے جو روزے اس خاص عذر کی بنا پر رہ جاتے ہیں، ان کی قضا ان پر واجب ہوتی ہے۔ سستی و کاہلی کی وجہ سے اگر قضا نہ لاسکیں، تب بھی وہ مرتے دم تک ان کے ذمے رہیں گے۔ توبہ واستغفار سے روزہ میں تاخیر کرنے کا گناہ تو معاف ہوجائے گا، لیکن روزے معاف نہیں ہوں گے، ان کا ادا کرنا فرض ہے، البتہ اس تاخیر کی وجہ سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

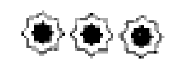
اگر خدانخواستہ زندگی بھر ان روزوں کی قضا نہ لاسکے تو پھر وصیت کرنا فرض ہے کہ میرے ذمے اتنے روزے باقی ہیں، ان کا فدیہ میرے مال سے ادا کردیا جائے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

فإن برئ المریض، أو قدم المسافر، وأدرك من الوقت بقدر مافاته، فیلزمه قضاء جمیع ماأدرك، فإن لم یصم ،حتی أدركه الموت ،فعلیه أن یوصي بالفدیة.(۱)

ترجمہ:

اور اگر وہ مریض تندرست ہوگیا یا وہ مسافر سفر سے واپس آگیا اور اس نے فوت شدہ روزوں کی بقدر وقت پالیا تو اس پر ان تمام روزوں کی قضا لازم ہے جن کا اس نے وقت پالیا ہے، پس اگر وہ اس وقت بھی روزے نہ رکھے، یہاں تک کہ مرجائے تو اس پر فدیہ کی وصیت کرنا لازم ہے۔



ورثا پر فدیہ کی ادائیگی

سوال نمبر(171):

اگر کوئی شخص فوت شدہ فرض نماز اور روزے کے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کیے بغیر فوت ہوجائے تو فدیہ...

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبیح الإفطار: ۱/۲۰۷

دینا اب ورثا کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ جب کہ ان کو معلوم ہے کہ ہمارے مورث کے ذمے روزوں اور نمازوں کی قضا لازم تھی۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے جس شخص کے ذمے نماز یا روزہ واجب الادا ہو اور وہ اس کی ادائیگی یا وصیت کیے بغیر فوت ہو جائے تو ورثا پر اس کا فدیہ ادا کرنا واجب نہیں، البتہ اگر ورثا اپنی طرف سے فدیہ ادا کریں تو یہ اس کے ساتھ ان کی جانب سے ایک تبرع و احسان ہوگا اور اگر ورثا فدیہ دینے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی محاسبہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قولہ:(ولو مات و علیہ صلوٰت فائتة)......وإلافلا یلزمه، وإن قلت بأن كانت دون ست صلوٰت، لقوله علیه السلام" فإن لم یستطع فاللّٰہ أحق بقبول العذر منه" و كذاحكم الصوم في رمضان ....وإلا فلایلزم الولي ذلك ؛لأنهاعباده فلا بد فیهامن الاختیار،فإذالم یوص فات الشرط.(۱)

ترجمہ: اگر وہ مرجائے اور اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں ہوں (تو ان کی وصیت کرنا لازم ہے)۔۔۔۔۔اگر ان پر قادر نہ ہوا ہو تو پھر اس کی وصیت کرنا لازم نہیں اور اگر میں کہہ دوں کہ اگر اس کے ذمے چھ نمازوں سے کم ہوں تو نبی کریم ﷺ کے قول کی بنا پر اگر وہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے عذر کو قبول کرنے کے زیادہ لائق ہیں اور یہی حکم رمضان کے روزوں کا بھی ہے۔۔۔۔۔اگر اس نے وصیت نہیں کی ہو تو ولی پر فدیہ ادا کرنا لازم نہیں، کیوں کہ یہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار لازمی ہے، تو جب وصیت نہیں کی تو شرط مفقود ہوئی۔

فوت شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرنا

سوال نمبر(172):

اگر کسی شخص سے رمضان کے روزے بوجہ سفر یا مرض فوت ہو جائیں، بعد میں اس کو فرض روزوں کی قضا کا موقع نہ ملے اور وہ شخص فوت ہو جائے تو کیا ورثا پر اس شخص کی طرف سے فدیہ دینا واجب ہے؟

بینوا توجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوات، مطلب في أسقاط الصلاۃ عن المیت:۲/۵۳۲

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان کے روزے بوجہ مرض یا سفر وغیرہ کے افطار کرنا مرخص ہے، لیکن سفر سے واپسی پر یا مرض سے صحت یابی پانے پر اس کی قضا واجب ہوگی۔ اب اگر مریض یا مسافر کو کسی وجہ سے فرض روزوں کی قضا کا موقع نہ ملے اور وہ فوت ہوگیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں، البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو فوت ہوجانے کے بعد قضا شدہ روزوں کے بدلے فدیہ دینے کی وصیت کرنا ضروری ہے، اگر وصیت نہ کرے تو ورثاء پر فدیہ دینا لازم نہیں ہے، ہاں اگر ورثاء اپنے حصے سے بخوشی مورث کی جانب سے فدیہ دے دیں تو ذمہ فارغ ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو فات صوم رمضان بعذر المرض، أو السفر، واستدام المرض، والسفر، حتى مات لا قضاء عليه.......... فإن برئ المريض، أو قدم المسافر، وأدرك من الوقت بقدر مافاته، فيلزمه قضاء جميع ما أدرك، فإن لم يصم، حتى أدركه الموت، فعليه أن يوصي بالفدية.(۱)

ترجمہ:

اور رمضان کے روزے کسی مرض یا سفر کی وجہ سے فوت ہوجائے اور وہ مرض یا سفر طویل ہوجائے، یہاں تک کہ مرجائے تو اس پر قضا نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور اگر وہ مریض تندرست ہوگیا یا وہ مسافر سفر سے واپس آ گیا اور اس نے فوت شدہ روزوں کی بقدر وقت پالیا تو اس پر ان تمام روزوں کی قضا لازم ہے جن کا اس نے وقت پالیا ہے، پس اگر وہ اس وقت بھی روزے نہ رکھے، یہاں تک کہ مرجائے تو اس پر فدیہ کی وصیت کرنا لازم ہے۔

❁❁❁

کفارہ میں روزے رکھنے کی بجائے کھانا کھلانا

سوال نمبر(173):

وجوبِ کفارہ کی صورت میں اگر کوئی مال دار شخص بطورِ کفارہ مال دے دے تو کیا کفارہ ادا ہوجائے گا؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/ ۲۰۷

الجواب وباللہ التوفیق:

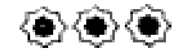
شریعتِ مقدسہ میں کفارہ کے لیے مقررہ تین چیزوں میں سے ایک کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔نمبر(1) غلام آزاد کرنا (2) پے در پے ساٹھ روزے (3) ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا۔چونکہ آج کل غلام آزاد کرنے سے کفارہ کی ادائیگی ممکن نہیں رہی،اس لیے دو مہینے پے در پے روزے رکھنے ہوں گے،جب تک روزہ رکھنے کی طاقت ہو،اس وقت تک ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا،تاہم اگر روزہ رکھنے کی طاقت بالکل ہی نہ رہے تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا درست ہے اور اس میں غریب اور مال دار کی کوئی تخصیص نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

كفارة الفطر ،وكفارة الظهار واحدة،وهي عتق رقبة مؤمنة أو كافرة، فإن لم يقدرعلى العتق، فعليه صيام شهرين متتابعين، وإن لم يستطع، فعليه إطعام ستين مسكيناً.(١)

ترجمہ:

روزہ توڑنے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ ایک جیسا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے،خواہ وہ غلام مسلمان ہو یا کافر ہو اور اگر غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔



مرض میں فوت ہونے کے بعد روزے کا فدیہ

سوال نمبر(174):

اگر ایک معمر خاتون کو رمضان المبارک میں مہینہ بھر کوئی بیماری لاحق ہو اور وہ روزہ رکھنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے فرض روزے نہ رکھ سکتی ہو اور بالآخر اسی مرض میں وہ وفات پاگئی ہو تو اب ان کے قضا شدہ روزوں کے فدیہ کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،فصل في المتفرقات:١/٢١٥

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص بوجہ عذرِ شرعی رمضان کے فرض روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو عذر زائل ہونے کے بعد ان کی قضا اس پر لازم ہوا کرتی ہے۔ اگر کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے صحت کی امید نہ ہو تو پھر اس پر فدیہ دینا لازم ہوگا، تاہم اگر مریض کو تندرستی وصحت یابی حاصل نہ ہو سکی اور اسی مرض کے سبب سے وہ فوت ہو جائے تو پھر اس صورت میں جو روزے دورانِ مرض فوت ہو چکے ہوں، ان کی قضا لازم نہ ہونے کی وجہ سے ورثا پر اس کا فدیہ ادا کرنا بھی لازم نہیں۔

والدلیل علیٰ ذلک:

(فإن ماتوا فيه) أي في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية) لعدم إدراكهم عدة من أيام أخر (ولو ماتوا بعد زوال العذر و جبت) الوصية بقدر إدراكهم عدة من أيام أخر. (۱)

ترجمہ:

اگر کوئی ایسے مرض یا عذر میں فوت ہو گیا جس میں اس سے روزے قضا ہوئے ہیں تو عذر ختم ہونے کے بعد اتنی مدت نہ پانے کی وجہ سے اس پر فدیہ دینے کی وصیت کرنا لازم نہیں اور اگر کہیں عذر ختم ہونے کے بعد فوت ہو جائے تو صحت کے دن پانے کی وجہ سے اس پر فدیہ دینے کی وصیت کرنا لازم ہے۔

❁❁❁

قضا اور فدیہ دونوں پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں روزوں کا حکم

سوال نمبر(175):

اگر کوئی عورت بوجہ ضعف و بیماری کے رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے معذور ہو، جب کہ بعد میں قضا کی طاقت بھی نہ ہو اور اس کے ساتھ بوجہ غربت فدیہ دینے کی قدرت بھی نہ رکھتی ہو تو ایسی خاتون کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الدرالمختار علی ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد: ۴۰۶/۳

الجواب وباللہ التوفیق:

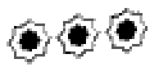
شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص کسی عذرِ شرعی کی بنا پر رمضان کے فرضی روزے نہ رکھ سکے تو عذر زائل ہونے کے بعد ان کی قضا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے، تاہم اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ جس سے صحت یابی کی امید نہ ہو تو پھر وہ فدیہ دے کر ذمہ فارغ کرے اور اگر کوئی مریض ایسا ہو کہ نہ تو اس کو صحت کی امید ہے اور نہ ہی وہ فدیہ دینے کی قدرت رکھتا ہو تو پھر ایسا شخص اپنے قضا شدہ روزوں کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ سے توبہ واستغفار ہی کر سکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

أن أباهريرة قال: بينما نحن جلوس عند النبي ﷺ إذ جاءه رجل، فقال يا رسول الله ﷺ هلكت، قال مالك؟ قال وقعت على امرأتي، وأنا صائم، فقال رسول الله ﷺ هل تجد رقبة تعتقها، قال لا، قال: فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين ؟ قال لا،......... فقال الرجل أعلى أفقرمني يا رسول الله ﷺ ؟ .... فضحك النبي ﷺ، حتى بدت أنيابه، ثم قال: أطعمه أهلك.......... قال الأوزاعي: يستغفر الله، ولا يعود .(۱)

ترجمہ:

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ’’ایک بار ہم آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے عرض کیا: ’’یا رسول اللہ ﷺ! میں ہلاک ہو گیا‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا: ’’میں نے اپنی بیوی سے بحالتِ روزہ جماع کر لیا ہے‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تجھے کوئی غلام آزاد کرنے کے لیے مل سکتا ہے؟‘‘ اس نے کہا: ’’نہیں‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’کیا لگاتار دو ماہ کے روزے رکھ سکے گا؟‘‘ اس نے کہا: ’’نہیں‘‘۔۔۔۔۔ آدمی نے کہا: ’’خیرات تو اسے دوں جو مجھ سے زیادہ ضرورتمند ہو‘‘۔۔۔۔۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیے کہ آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک چمک اٹھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اچھا اپنے گھر میں ہی خرچ کر دے انہی کو کھلا دے‘‘۔۔۔۔۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ: ’’اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہوئے دوبارہ اس عمل سے اجتناب کرے‘‘۔



(۱) فتح الباري، كتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان، ولم يكن له شيء: ٤/٦٦٨، ٦٧٩

بیمار کا کسی دوسرے سے روزے رکھوانا

سوال نمبر(176):

کوئی بیمار دوسرے آدمی سے روزے رکھواسکتا ہے یا نہیں؟ جو آدمی روزے نہ رکھ سکتا ہو، اس کا فدیہ کیا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روزہ عبادات بدنیہ میں سے ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت درست نہیں۔ کوئی مریض روزہ رکھنے سے عاجز ہوجانے کی صورت میں دوسروں سے روزہ نہیں رکھواسکتا، بلکہ اگر صحت کی جلد توقع ہو تو مرض سے شفایاب ہوجانے کے بعد خود قضا کرلے، اگر بیماری زیادہ ہو اور صحت کی جلد امید نہ ہو تو پھر ہر روزے کے بدلے میں ایک فطرانہ، یعنی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت بطورِ فدیہ کسی فقیر کو دینا چاہیے۔

لیکن اس صورت میں جہاں کہیں تندرستی کا موقع ملے تو قضا لازم ہوگی۔ نیز اگر اس بیماری میں مریض فوت ہو جائے تو بیماری کی وجہ سے جو روزے قضا ہوئے ہوں، ان کی نہ اس پر قضا ہے اور نہ ہی اس پر ان روزوں کا فدیہ ادا کرنا لازم ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(النیابة تجري في العبادات المالیة عندالعجز،والقدرة،ولم تجزفي البدنیه بحال،وفي المرکب منهماتجري عند العجزفقط) قال ابن نجیمؒ :بیان لانقسام العبادة إلی ثلاثة أقسام: مالیة محضة.......... وبدنیة محضة کالصلاة، والصوم، والاعتکاف، و قراء ةالقرآن، والأذکار، والجهاد، ومرکبة من البدن، والمال کالحج، والأصل فیه أن المقصودمن التکالیف الابتلاء ،والمشقة، وهي في البدنیةبإتعاب النفس،والجوارح بالأفعال المخصوصة،وبفعل نائبه لاتتحقق المشقة علی نفسه، فلم تجزالنیابة مطلقاً لاعندالعجز، ولاعندالقدرة.(۱)

ترجمہ:

نیابت مالی عبادات میں معذوری اور قدرت دونوں وقت میں کی جاسکتی ہے۔ اور بدنی عبادت میں کسی بھی

(۱) البحرالرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر:۳/۱۰۷

حال میں جائز نہیں۔اور مالی و بدنی سے مرکب عبادت میں کسی عذر و عجز کے وقت کی جا سکتی ہے۔۔ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ:
عبادت کی تین قسموں کی طرف تقسیم ہونے کا بیان ہے،ایک محض مالی عبادت۔۔۔۔۔۔اور دوسری محض بدنی جیسے نماز،
روزہ اور اعتکاف،قرأت قرآن،ذکر و اذکار وغیرہ اور تیسری بدنی اور مالی عبادات سے مرکب عبادت جیسے حج۔اور
دراصل تکالیف سے مقصود امتحان اور مشقت ہے اور بدن میں مشقت نفس اور اعضا کے ذریعے افعال مخصوصہ سرانجام
دینے میں تھکاوٹ سے آتی ہے اور نفس پر مشقت اور تکلیف نائب کے عمل و فعل سے متحقق نہیں ہوتی تو مطلق نیابت
عجز اور قدرت دونوں حالتوں میں جائز نہیں ہے۔

❁❁❁

حیض کی وجہ سے کفارہ کے روزوں میں تسلسل برقرار نہ رہنا

سوال نمبر(177):

قتل خطا میں کفارہ کے روزے ادا کرتے ہوئے اگر عورت کو اس دوران حیض آ جائے تو کیا حیض کی وجہ سے
اس کا تسلسل ٹوٹنے سے از سر نو روزے رکھے گی یا تسلسل برقرار رہے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کفارہ کے روزوں میں تسلسل برقرار رکھنا ضروری ہے،اگر کسی عذر سے تسلسل برقرار نہ رہے،تو نئے سرے
سے شروع کر کے دوبارہ پورے کرنا ہوں گے،تاہم اس دوران اگر عورت کو حیض آ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر
روزوں کے تسلسل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا،لیکن حیض سے پاکی کے فوراً بعد دوبارہ روزے رکھنا شروع کرے گی۔اگر
طہارت کے بعد تاخیر کی تو اس کا تسلسل ختم ہو جائے گا اور اس کو دوبارہ روزے رکھنے ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وكذافي كفارة القتل،والظهارللنص على التتابع إلالعذرالحيض ؛لأنهالاتجد شهر بن عادةً لا
تحيض فيهما؛ لكنهاإذا تطهرت تصل بمامضىٰ،فإن لم تصل استقبلت.(۱)

ترجمہ: اور اسی طرح کفارہ قتل اور ظہار میں نص کی وجہ سے تتابع (پے در پے رکھنا) واجب ہے،مگر حیض کے عذر کی وجہ

(۱)البحرالرائق،كتاب الصوم،باب مايفسد الصوم مالا يفسده:۲/۴۸۵

سے واجب نہیں، کیوں کہ مسلسل دو مہینے ایسے نہیں کہ جس میں عادتاً حیض نہ آتا ہو، لیکن جب پاک ہو جائے تو پھر متصل گزشتہ روزہ کے ساتھ ملانا چاہیے، اگر متصل روزے نہ رکھے تو دوبارہ نئے سرے سے لوٹائے گی۔

❁❁❁

کفارہ کے روزوں میں عید کا حائل ہونا

سوال نمبر(178):

ایک شخص کفارہ کے روزے رکھ رہا ہو، درمیان میں ایامِ عید آگئے تو کیا وہ متواتر روزے رکھتا رہے گا یا عید کے ایام چھوڑ کر بعد میں شروع کرے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ کفارہ میں ساٹھ روزے متصل اور مسلسل رکھنے ضروری اور واجب ہیں۔ درمیان میں ایک روزہ بھی اگر کسی عذر کی بنا پر یا بغیر عذر کے رہ جائے تو کفارہ ادا نہ ہوگا، بلکہ از سرِ نو روزے رکھنے ہوں گے، البتہ اگر عورت پر ایسا کفارہ لازم ہو تو صرف حیض کا عذر کفارہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا، باقی تمام اعذار (نفاس، بیماری، عید) کفارہ پر اثر انداز ہوں گے۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں ایامِ عید میں چونکہ روزہ رکھنا درست نہیں تو روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے کفارہ کے روزوں میں تسلسل برقرار نہیں رہا جس کی وجہ سے کفارہ ادا نہیں ہوا، لہٰذا مذکورہ شخص کو از سرِ نو روزے رکھنے ہوں گے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فلو أفطر یوماً في خلال المدة بطل ما قبله، ولزمه الاستقبال، سواء أفطر لعذر أو لا ....إلا العذر الحیض؛ لأنها لا تجد شهرین عادة لا تحیض فیهما.(۱)

ترجمہ: اگر اس مدت کے دوران ایک دن روزہ توڑ دیا تو لوٹائے ہوئے تمام روزے باطل ہوں گے اور دوبارہ نئے سرے سے لوٹانا واجب ہے، چاہے کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے افطار کیا ہو۔۔۔۔ہاں اگر حیض کے عذر سے ہو تو (تسلسل برقرار رہے گا) کیوں کہ وہ عادتاً دو مہینے مسلسل ایسے نہیں پاتی، جس میں حیض نہ ہو۔

(۱) البحر الرائق، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده: ۲/۴۸۵

متعدد کفاروں میں تداخل

سوال نمبر(179):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے کئی روزوں میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرے تو کیا اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہوگا یا الگ الگ؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کفارہ کا بنیادی مقصد بندے کو اپنے جرم اور کمزوری کا احساس دلانا ہے۔اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کفارہ سے بندوں کا استحصال ہو اور ان پر اتنی تکلیف ڈالی جائے جس کا اُٹھانا اس کے دائرہ اختیار میں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے انتہائی کرم کا معاملہ کرتا ہے، اس لیے فقہاے کرام کے ہاں ان کفارات میں تداخل کا حکم ہے جن میں جرم کی نوعیت ایک ہو۔

لہٰذا رمضان کے مختلف روزوں میں کئی بار جماع کیا تو تمام روزوں میں اس باغیانہ رویہ پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا اور تمام روزوں کی الگ الگ قضا کرے گا۔ہاں اگر ایک دفعہ کفارہ ادا کیا ہو اور اس کے بعد اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایسی صورت میں گزشتہ کفارہ بعد والے جرم کے لیے ناکافی ہے، لہٰذا دوبارہ کفارہ لازم ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو تکرر فطرہ، ولم یکفر للأول یکفیه واحدۃ، ولو في رمضانین عند محمد ،و علیه الاعتماد، بزازیة،ومجتبیٰ وغیرھما.و اختار بعضھم للفتوی أن الفطر بغیر الجماع تداخل، وإلا لا.(۱)

ترجمہ:

امام محمدؒ کے نزدیک اگر اس کا روزہ توڑنا مکرر ہو جائے اور پہلے روزے کا کفارہ ابھی ادا نہیں کیا تو سب روزوں کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا، اگرچہ رمضان کے دو مختلف مہینوں میں ہو اور امام محمدؒ کے اس قول پر صاحب بزازیہ اور مجتبیٰ وغیرہ نے اعتماد کیا ہے اور بعض نے اس فتویٰ کو بہتر جانا ہے کہ روزہ توڑنے کا سبب جماع کے بغیر کوئی اور ہو تو اس کے کفارے میں تداخل درست ہے، ورنہ پھر نہیں۔

(۱) الدرالمختار علی ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد:۳/۳۹۱،۳۹۲

کفارہ کے روزے رکھنے پر قدرت کے باوجود مساکین کو کھانا کھلانا

سوال نمبر(180):

فاطمہ نے شادی سے پہلے رمضان کا روزہ رکھ کر قصداً توڑ دیا تھا۔اب اس کی شادی ہوگئی ہے اور ابھی تک اُس نے روزے کا کفارہ ادا نہیں کیا۔اب فاطمہ کہتی ہے کہ اگر میں مسلسل دو ماہ روزے رکھتی ہوں تو سسرال میں مجھے طعن وتشنیع کا سامنا کرنا پڑے گا اور حال یہ ہے کہ فاطمہ روزے رکھنے پر قدرت رکھتی ہے ۔ایسی صورت میں فاطمہ روزے رکھنے کے علاوہ دوسرے طریقوں سے کفارہ ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ قصداً توڑ دے تو کفارے کے طور پر ایک غلام آزاد کرے یا مسلسل دو مہینے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا،لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ ایک پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں دوسری صورت اختیار کی جائے گی ۔موجودہ دور میں غلاموں کی عدم دستیابی کی بنا پر کفارے میں دو مہینے روزے رکھنا ضروری ہے،تاہم قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں جب فاطمہ نے رمضان کا روزہ قصداً توڑا تھا تو قدرت کے ہوتے ہوئے اُس پر کفارے کے طور پر دو مہینے روزے رکھنا لازمی ہے، جہاں تک سسرال کے طعن وتشنیع کا تعلق ہے تو اس کو خاطر میں نہ لائے، بلکہ خوف خدا کو سامنے رکھتے ہوئے حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

كفارة الفطر،و كفارة الظهار واحدة،وهي عتق رقبة مؤمنة ،أو كافرة،فإن لم يقدر على العتق،فعليه صيام شهرين متتابعين ،وإن لم يستطع فعليه إطعام ستّين مسكينًا.(۱)

ترجمہ: روزہ توڑنے اور ظہار کا کفارہ ایک جیسا ہے اور وہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، چاہے مسلمان ہو یا کافر،اگر غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔

(۱)الفتاوى الهندية،كتاب الصوم ،الباب السابع في الاعتكاف ،فصل في المتفرقات : ۱/ ۲۱۵

باب في العوارض

(مباحث ابتدائیہ)

روزہ چاہے فرض ہو یا نفل، بلا عذر اس کے توڑنے پر گناہ اور مواخذہ ہوگا۔ اسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرض، واجب اور نفل ہر ایک کے لیے مخصوص اعذار ذکر کیے ہیں جن کی موجودگی میں روزہ توڑنا جائز ہو جاتا ہے اور بعد میں اس کی قضا لائی جاتی ہے۔ پھر ان اعذار میں بعض وہ ہیں جن کی وجہ سے روزہ افطار کرنا محض جائز ہوتا ہے، بعض مواقع پر روزہ رکھنا افضل اور بعض میں نہ رکھنا افضل، بلکہ ضروری ہوتا ہے۔ ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱)......مرض:

اگر کوئی شخص اس قدر بیمار ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے جان جانے یا کسی عضو یا کسی صلاحیت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے۔ اگر بیماری بڑھ جانے یا صحت یابی طویل ہو جانے کا اندیشہ ہو تو افطار کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہو جائے، اس میں روزہ توڑنا بھی جائز ہے۔ اگر کوئی شخص فی الحال صحت مند ہو، لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے بیمار پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو وہ بھی بیمار کے حکم میں ہے، البتہ اس کے لیے ذاتی تجربے اور مہارت یا کسی عقل مند، تجربہ کار اور دین دار طبیب و ڈاکٹر کی رائے بھی ضروری ہوگی۔(۱)

(۲)......سفر:

سفر سے مراد کم سے کم شرعی سفر کی مقدار ہے، چاہے یہ سفر رمضان سے پہلے کا ہو یا رمضان کے دوران، اور چاہے یہ سفر کسی دینی کام کے لیے ہو یا کسی جائز دنیوی کام کے لیے یا کسی گناہ و معصیت کے لیے، بہر صورت عذر شمار ہوگا، تاہم یاد رہے کہ مسافر سے مراد وہ شخص ہے جس نے طلوع فجر سے پہلے ہی سفر شروع کیا ہو، اگر ابتدائے نہار سے قیام کی حالت میں روزہ رکھا اور پھر سفر شروع کیا تو افطار کرنا جائز نہیں، البتہ اگر سفر شروع کرنے کے بعد افطار کیا تو صرف قضا لازم ہوگی، لیکن اگر سفر شروع کرنے سے پہلے ہی افطار کیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہوں گے، یعنی قیام کی حالت میں روزہ توڑنے کے بعد چاہے خود سفر کرے یا کوئی سفر پر مجبور کرے، ہر صورت میں کفارہ لازم ہوگا

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حکم من أفسد صومه: ۲/۶۰۹، الفتاوی الهندية، کتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار المبيحة للإفطار: ۱/۲۰۷

اسی طرح وہ شخص جو کسی ضروری کام کے لیے سفر سے لوٹ کر گھر میں افطار کرے، پھر سفر شروع کرے تو اس پر بھی کفارہ ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں سفر میں روزہ رکھنا عزیمت ہے، لہٰذا اگر روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے، البتہ اگر مشقات زیادہ ہو تو نہ رکھنا بہتر ہے۔(۱)

(۳)......اکراہ، یعنی جبر:

اگر کسی صحت منداور مقیم شخص پر رمضان کا روزہ توڑنے کے لیے جبر اور زبردستی کی جائے اور اُسے اپنے قتل یا سخت نقصان کے بارے میں یقین یا غالب گمان ہو تو اس کے لیے افطار کرنا مرخص ہے، البتہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھنا افضل ہے۔

اور اگر کسی مریض یا مسافر پر روزہ توڑنے کے لیے زبردستی کی جائے تو اس کے لیے رخصت پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی روزہ توڑنا اس کے لیے محض مباح نہیں، بلکہ واجب ہے۔

(۴)......حبل اور ارضاع، یعنی حمل اور دودھ پلانا:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت اگر اپنے آپ یا اپنے بچے کے بارے میں روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ رکھتی ہو تو ان کے لیے بھی افطار کرنا جائز ہے، اگر کسی سخت نقصان کا یقین ہو تو پھر روزہ توڑنا واجب ہے۔(۲)

(۵)......حیض ونفاس:

جس عورت کو حیض ونفاس میں سے کوئی عذر پیش آئے تو اس کے لیے روزہ توڑنا واجب ہے، تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ حیض آنے کے مقررہ دن جب تک بالفعل حیض نہ آئیے تو روزہ توڑنا جائز نہیں، البتہ اگر روزہ توڑنے کے بعد اسی دن حیض آ جائے تو صرف قضا واجب ہوگی۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/ ۶۱۰-۶۱۴، الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار المبيحة للإفطار: ۱/ ۲۰۶، ۲۰۷، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في العوارض: ص ۵۶۴، ۵۶۵

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/ ۶۱۴

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/ ۶۲۳، الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار المبيحة للإفطار: ۱/ ۲۰۷

(۶)......جوع اور عطشِ شدید، یعنی سخت بھوک اور پیاس:

بھوک و پیاس کی اتنی شدت کہ جان جانے کا اندیشہ ہو یا دماغی توازن متأثر ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے بھی روزہ توڑنا جائز ہے۔

(۷)......شیخِ فانی، یعنی بڑھاپا اور کبرسنی:

اتنا بڑھاپا کہ روزہ رکھنے کی قوت نہ رہے اور روز روز صحت گھٹتی ہی جائے تو ایسے بوڑھے مرد اور عورت کے لیے افطار کرنا جائز ہے اور اگر صحت مندی اور قوت واپس آنے کی امید نہ ہو تو ہر روز کے بدلے فدیہ ادا کرے۔(۱)

نذر روزہ توڑنے کے لیے اعذار:

اس کے وہی اعذار ہیں جو فرض روزہ کے اعذار ہیں۔(۲)

نفل روزہ توڑنے کے لیے اعذار:

حنفیہ کے ہاں نفلی روزہ بلا عذر توڑنا مکروہ ہے۔علامہ طحطاویؒ نے کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد لیا ہے، تاہم حنفیہ کے ہاں نفلی روزہ توڑنے کے اعذار کافی عام ہیں۔ضیافت اور مہمان نوازی کی صورت میں مہمان و میزبان ہر ایک کے لیے افطار کی اجازت ہے۔اسی طرح اگر ماں باپ یا بھائی بہن وغیرہ کا تقاضا روزہ افطار کرنے کا ہو اور ان کی ناراضگی کا اندیشہ ہو تو بھی افطار کرنا جائز ہے، تاہم علامہ طحطاویؒ کا کہنا ہے کہ جس شخص کو قضا لانے کا یقین ہو تو وہ شخص ان اعذار کی وجہ سے افطار کرسکتا ہے، ہر کسی کو اجازت نہیں۔

حنفیہ کے ہاں نفلی روزہ عذر کے ساتھ توڑ دیا جائے یا بلا عذر، بہرصورت قضا واجب ہوگی، البتہ اگر عیدین یا ایامِ تشریق میں نفلی روزہ رکھ کر افطار کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے ظاہر روایت کے مطابق قضا نہیں۔(۳)

امساک یعنی تشبہ بالصائمین کا حکم:

رمضان کی عظمت و تقدس اور دوسرے صائمین پر آسانی کی خاطر شریعتِ مطہرہ نے ان لوگوں کے لیے بھی کھلم کھلا کھانا پینا اور جماع سے رُکنا ضروری قرار دیا ہے جنہوں نے کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ افطار کیا ہو۔مذکورہ حکم

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۱۶، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذ[ار المبيحة للإفطار]: ۱/۲۰۷.(۲) بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۶۱۶

(۳) مراقي الفلاح [مع حاشية ا]لطحطاوي، فصل في العوارض: ص۵۶۸،۵۶۹

یعنی امساک بعض صورتوں میں واجب، بعض میں مباح اور بعض میں حرام اور ناجائز ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱)......واجب امساک:

وہ شخص جس کو دن کے پہلے حصے میں کوئی ایسا عذر درپیش ہو جس کی وجہ سے اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز یا واجب ہوا اور وہ عذر بعد میں اس طور پر زائل ہو جائے کہ یہ شخص مکمل طور پر روزہ رکھنے کا اہل ہو جائے تو عذر کے زوال کے بعد اس شخص کے لیے کھانا پینا جائز نہیں، بلکہ امساک کرے گا، مثلاً دن کے درمیانی حصے میں:

(۱) بچہ بالغ ہو جائے۔

(۲) کافر مسلمان ہو جائے۔

(۳) مجنون یا بے ہوش کو افاقہ ہو جائے۔

(۴) حیض ونفاس والی عورت پاک ہو جائے۔

(۵) مسافر اپنے وطن واپس آ جائے۔

اس کے علاوہ چند اور صورتوں میں بھی امساک واجب ہے۔

(۶) قصداً روزہ توڑنے کے بعد بقیہ دن میں امساک واجب ہے، اگرچہ گناہ اور کفارہ اپنی جگہ لازم ہوں گے۔

(۷) یوم الشک کو روزہ نہیں رکھا تھا اور پھر قوی دلائل سے رمضان ہونا یقینی ہوا۔

(۸) طلوع فجر کے بعد غلطی سے سحری کی ہو اور بعد میں غلطی کا علم ہو جائے۔

(۲)......مباح امساک:

مریض اور مسافر کے لیے امساک واجب نہیں، تاہم یہ لوگ دوسرے روزہ داروں سے چھپ کر کھایا پیا [illegible]

(۳)......حرام امساک:

حیض ونفاس والی عورتوں کے لیے حیض ونفاس کے دوران امساک حرام [illegible] یہ ہے کہ حیض ونفاس کے دوران روزہ رکھنا حرام ہے اور حرام چیز کے ساتھ مشابہت بھی حرام ہوتی ہے، تا [illegible] یہ عورتیں بھی رمضان کے ماحول کے تقدس کو مدنظر رکھ کر کھانے پینے میں پردے کا اہتمام کریں تو زیادہ منا[illegible]ہے۔(۱)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل في حكم الصوم المؤ[illegible] ۲، ۶۱، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب [illegible] فصل يجب الإمساك ص: ۵۵

باب في العوارض

(مسائل)

مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا

سوال نمبر (181):

ایک شخص کو چند سالوں سے معدہ کی تکلیف ہے اور رمضان المبارک میں ماہر ڈاکٹر نے روزہ رکھنے سے منع کر دیا ہے۔ایسی صورت میں باوجود تکلیف کے روزہ رکھے یا قضا روزوں کے بدلے فدیہ ادا کرے؟ بینوا توجروا

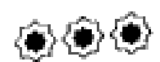
الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر مریض کو خود روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے کا غالب گمان ہو یا کوئی عادل، مسلمان، ماہر ڈاکٹر اسے روزہ رکھنے سے منع کرے تو ایسی صورت میں مریض کو افطار کرنے کی اجازت ہے، البتہ صحت کی اُمید ہو تو مرض سے خلاصی کے بعد فوت شدہ روزوں کی قضا لائے، لیکن اگر کہیں بیماری اتنی زیادہ ہو کہ جلد صحت یابی کی امید نہ ہو تو پھر قضا روزوں کے بدلے فدیہ ادا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

المریض إذا خاف علی نفسه التلف، أو ذهاب عضو، يفطر بالاجماع، وإن خاف زيادة العلة، و امتداده، فكذلك عندنا وعليه القضاء إذا أفطر، كذا في المحيط ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض، والاجتهاد غير مجرد الوهم، بل هو غلبة ظن عن إمارة، أو تجربة، أو بإخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق.(۱)

ترجمہ: اگر بیمار شخص کو اپنی جان ضائع ہونے یا کسی عضو کے بیکار ہونے کا خوف ہو تو بالاجماع حکم یہ ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دے اور اگر روزہ دار شخص کو بیماری بڑھ جانے یا اس کے لمبا ہو جانے کا خوف ہو تو بھی ہمارے ہاں یہی حکم ہے اور روزہ چھوڑ دینے کی صورت میں اس پر قضا لازم ہوگی۔ پھر مذکورہ خوف کو پہچاننا یا مریض کے اپنے اجتہاد سے ہے اور وہ اجتہاد محض وہم نہ ہو، بلکہ گمان غالب ہو، خواہ وہ گمان غالب کسی علامت سے ہو یا تجربہ سے یا کسی ایسے مسلمان طبیب کے آگاہ کرنے سے ہو جس کا فسق غیر ظاہر نہ ہو۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/ ۲۰۷

دائمی مریض کے احکام

سوال نمبر(182):

اگر کسی شخص کے لیے بوجہ بیماری رمضان المبارک کے روزے رکھنا ممکن نہ ہو اور بعد میں بیماری بڑھ جانے کی وجہ سے قضا کی استطاعت بھی نہ ہو تو شریعت کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

روزہ ایک اہم عبادت ہے جو ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے، لیکن بعض اوقات کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی گنجائش پائی جاتی ہے اور عذر زائل ہونے پر اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

لہذا اگر کوئی کسی مرض کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھ سکے اور بعد میں مرض مزید بڑھ چکا ہو اور قضا کی طاقت اور استطاعت نہ ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا، ایک روزے کا فدیہ صدقہ فطر کی مقدار کے برابر ہوا کرتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا وجب على الرجل القضاء بأن أفطر بعذر أو بغير عذر، ولم يقض، حتى عجز و صار شيخا فانيا، بحيث لا يرجي برؤه يجوز له الفدية.........ويجوز فيها ما يجوز في صدقة الفطر.(١)

ترجمہ:

آدمی پر کسی عذر کی بنا پر یا بغیر عذر کے روزہ کی قضا لازم ہو اور اس نے قضا نہیں کی، یہاں تک کہ عاجز ہوا اور شیخ فانی ہوا، اس طور پر کہ اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ رہی تو اس کے لیے فدیہ دینا جائز ہے۔۔۔۔۔اور فدیہ میں ہر اس چیز کا دینا جائز ہے جس کا صدقہ فطر میں دینا جائز ہے۔



(١) التاتارخانية، كتاب الصوم، فصل في الأسباب المبيحة للفطر: ٢/٢٩٣، ٢٩٤

سفر شروع کرنے سے پہلے افطار کرنا

سوال نمبر(183):

کچھ لوگ وزیرستان سے پشاور آرہے تھے، بعض لوگوں نے ابتداءً روزہ نہیں رکھا اور بعض لوگوں نے سفر شروع کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا، حالانکہ بھوک یا پیاس وغیرہ کا عذر نہیں تھا۔ پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں فریق میں کس فریق پر صرف قضا لازم ہے اور کس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص شرعی مقدار میں سفر کی غرض سے گھر سے نکلے تو ایسے شخص کے لیے روزہ نہ رکھنا مرخص ہے، تاہم اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں دن کے وقت گھر سے نکلے تو ایسے شخص کے لیے نہ تو روزہ توڑ کر نکلنا جائز ہے اور نہ نکلنے کے بعد اُس دن کا روزہ توڑنا جائز ہے، البتہ اگر سفر پر نکلنے کے بعد توڑ دے تو صرف قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جس فریق نے سرے سے روزہ رکھا نہیں اُس پر صرف قضا لازم ہے، جب کہ دوسرا یق جس نے روزہ رکھ کر سفر شروع کرنے کے بعد توڑ دیا تو اس کے لیے بلا عذر روز، توڑنا جائز نہیں تھا، تاہم جب توڑ دیا تو صرف اس دن کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

منها السفر الذي يبيح الفطر، وهو ليس بعذرٍ في اليوم الذي أنشأ السفر فيه فلو سافر نهاراً لا يباح له الفطر في ذلك اليوم، وإن أفطر لا كفارة عليه. (١)

ترجمہ:

جن اعذار میں روزہ نہ رکھنا جا ے، اُن میں ایک وہ سفر بھی ہے جس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہوتا ہے۔ البتہ جس دِن میں سفر شروع کیا ہے اس دن کے یے سفر عذر شمار نہ ہوگا، چنانچہ اگر (روزہ رکھ کر) دِن کے وقت سفر شروع کیا تو اس کے لیے اس دن میں روزہ توڑنا جائز نہیں۔ تاہم اگر توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہ ہوگا (بلکہ صرف قضا لازم ہے۔)

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الخ . . . ف الأعذار التي تبيح الإفطار: ١/ ٢٠٦

مسافر ڈرائیور کا روزہ نہ رکھنا

سوال نمبر (184):

دور دراز علاقوں میں گاڑی چلانے والے ڈرائیور رمضان میں دورانِ سفر اگر روزہ نہ رکھیں تو قضا کی کیا صورت ہوگی؟ حالانکہ ان کا ہمیشہ سفر میں ہونے کی وجہ سے قضا کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شرعی احکام فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور عمل کرنے والوں کے لیے نہایت آسان ہیں۔ جہاں کہیں کسی حکم کی ادائیگی میں کسی عارض کی وجہ سے دشواری پیش آجائے تو وہاں شریعت رخصت کا پہلو اختیار کرنے کا حکم فرماتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دورانِ سفر مشقت کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا مرخص ہے جس کی قضا سفر سے واپس ہونے پر واجب ہے۔

لہٰذا صورتِ مسؤلہ میں جو لوگ دور دراز علاقوں میں ڈرائیونگ کرتے ہیں، شرعاً ان کے لیے روزہ نہ رکھنا تو جائز ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ روزہ ہی ان سے ساقط ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی قضا بعد میں ضروری اور واجب ہے۔

اور یہ مطلب بھی نہیں کہ سفر میں بالکل روزہ ہی نہ رکھے، بلکہ کوئی مشقت یا دشواری نہ ہو تو دورانِ سفر روزہ رکھنا افضل ہے، اگر بوجہ مشقت و دشواری روزہ نہ رکھا تو بعد میں موقع ملنے پر قضا ضروری ہے۔ اگر موقع ملنا بوجہ مستقل ڈرائیونگ کے مشکل ہو تو پھر ایک ماہ کی چھٹی لے کر قضا شدہ فرض روزوں کی ادائیگی کرے، کیوں کہ مستقل ڈرائیونگ کے عمل سے استطاعت ختم نہیں ہوتی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويندب للمسافر الصوم، إن لم يضره.(۱)

ترجمہ: مسافر کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے، اگر اس کو کوئی نقصان یا ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

و قال تعالى ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

(۱) الدرالمختار على ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، فصل في العوارض: ۳/۴۰۵

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾.(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اس کے روزے ضرور رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا مسافر تو اس کو اور دونوں سے گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی، اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم گنتی پوری کرو۔

❁❁❁

عورت کو نفل روزہ کے دوران حیض آنا

سوال نمبر(185):

اگر کسی عورت کو نفلی روزہ کے دوران حیض آنا شروع ہو جائے تو اس پر اس روزے کی قضا لازم ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شریعتِ مطہرہ میں اعمال و عبادات مراتب کے اعتبار سے مختلف قسم پر ہیں۔ من جملہ ان میں سے نفلی عبادات بھی ہیں، جن کے متعلق احناف کی رائے یہ ہے کہ نفلی عبادت شروع کرنے کے بعد اس کو مکمل کرنا لازم ہوتا ہے اور مکمل نہ کرنے کی صورت میں اس کی قضا لازم ہوگی، چاہے اپنے اختیار سے فاسد ہوا ہو یا بلا اختیار۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق جب کسی خاتون کو نفل روزہ کے دوران حیض آئے تو روزہ فاسد ہو جانے کی وجہ سے اس پر ایک دن کی قضا لازم ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومن دخل في صوم التطوع، ثم أفسده قضاه، كذافي الهداية، سواء حصل الفساد بصنعه،أو بغير صنعه ،حتى إذاحاضت الصائمة المتطوعة يجب القضاء في أصح الروايتين .(۲)

ترجمہ: جس شخص نے نفل روزہ شروع کر کے توڑ دیا تو وہ اس کی قضا کرے گا، خواہ مذکورہ صورت میں اس کا وہ روزہ اس کے فعل سے ٹوٹا ہو یا بدون اس کے فعل کے ٹوٹا ہو، حتیٰ کہ جس عورت نے نفل روزہ رکھا تھا اور اسے حیض آ گیا تو اس کے حکم کے متعلق دو روایتوں میں زیادہ صحیح روایت کے بموجب اس پر قضا واجب ہوگی۔

---

(۱) البقرة/۱۸۵۔(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم،فصل في المتفرقات :۱/ ۲۱۵

باب الاعتکاف

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اعتکاف اپنی روح اور اصل کے اعتبار سے روزہ کے مقاصد کی تکمیل ہے جس میں معتکف اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ کر دیتا ہے اور خورد ونوش کے ساتھ ساتھ رات کو اپنی بیوی سے جنسی تعلق کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ دنیوی علائق، خرید وفروخت اور عبث گوئی کو چھوڑ کر روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب خطہ زمین یعنی مسجد کو مسکن بنا کر اپنے اندر فرشتوں کی صفات پیدا کرنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اللہ کا مہمان بن کر صبح وشام اس کی تعریف وتوصیف اور حمد وثنا کو اپنا وظیفہ بنالیتا ہے۔ اپنے عاجز بندے کو یکسو ہو کر اپنے دروازے پر دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی چادر رحمت میں لپیٹ کر اس کی مغفرت کر دیتا ہے اور اس کو مقرب بنالیتا ہے و ذلك الفوز العظیم(۱)

اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

اعتکاف کا لغوی معنیٰ ہے "ٹھہرنا، رُکنا، منع ہونا اور کسی چیز پر دوام اور ہمیشگی"۔ شریعت کی اصطلاح میں:

"هو الإقامة بنيةٍ في مسجد تقام فيه الجماعة بالفعل للصلوات الخمس، أولبث امرأة في مسجد بيتها"۔

نیت کے ساتھ ایسی مسجد میں اقامت اور ٹھہرنا جس میں پانچ وقت نمازیں جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہوں یا عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کہلاتا ہے۔(۲)

باب الاعتکاف سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) اعتکاف......: تعریف گزر گئی۔

(۲) معتکف......: مسجد میں عبادت کے لیے مذکورہ طریقے پر بیٹھنے والا شخص۔

---

(۱) مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ص ٥٨٤، ٥٨٥، بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف: ٣/٥، الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، وأمامحاسنه: ١/٢١٢

(۲) الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٣/٤٢٩، مراقي الفلاح على صدر حاشية الطحطاوي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ص ٥٧٦

(۳) معتکف فیہ:.....وہ جگہ جہاں اعتکاف کے لیے بیٹھا جائے، یعنی مردوں کے لیے مسجد اور عورتوں کے لیے گھر کا مخصوص حصہ۔(۱)

اعتکاف کی مشروعیت:

اعتکاف کی مشروعیت رسول اللہ ﷺ کی مواظبت سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف پر موت تک مواظبت فرمائی ہے۔

"کان رسول اللہ یعتکف العشر الأواخر من شهر رمضان حتی توفاه اللہ تعالیٰ".

اعتکاف کا حکم:

اعتکاف کا اصل حکم سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اگر پورے محلے یا گاؤں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کرلے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو سنت مؤکدہ چھوڑنے کی وجہ سے سب پر عقاب اور ملامت ہوگی۔

چونکہ آپ ﷺ نے کسی صحابیؓ کو اعتکاف چھوڑنے پر تنبیہ نہیں فرمائی ہے، اس لیے مواظبت النبی ﷺ کے باوجود اعتکاف سنت ہے، واجب نہیں۔(۲)

اعتکاف کی قسمیں:

اسباب اور بعض احکام کے اختلاف کے اعتبار سے اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ واجب، مسنون اور مستحب

(۱)......واجب اعتکاف:

واجب اعتکاف کی دو قسمیں ہیں:

(الف) منذور، یعنی نذر کی وجہ سے واجب شدہ اعتکاف، چاہے نذر مطلق ہو، جیسے: مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دن یا ایک ماہ کا اعتکاف ہے یا نذر معلق (کسی شرط اور قید کے ساتھ مشروط اور مقید) جیسے: اگر اللہ نے مجھے شفا دی یا اگر فلاں شخص آجائے تو مجھ پر ایک ماہ کا اعتکاف ہے۔

اگر نذر غیر مشروط ہو تب تو اس کی تکمیل کے لیے کوئی شرط نہیں، بلکہ وہ بہرحال واجب ہے اور اگر کسی شرط کے

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۳/۵

(۲) الدرالمختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/ ۴۲۰ - ۴۲۱، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف: ۳/۴

ساتھ نذر مانی ہو تو شرط پائے جانے کے بعد اعتکاف واجب ہوگا۔ اعتکاف واجب کم از کم ایک دن کا ہوگا، اس سے کم کا نہیں، اس لیے کہ واجب اعتکاف میں چاہے روزہ کی نیت کی ہو یا نہیں، بہرحال روزہ رکھنا واجب ہوگا اور روزہ کی کم از کم مقدار ایک مکمل دن ہے، لہٰذا ایک دن سے کم اعتکاف کی نذر درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکاف کی نذر مانتے وقت روزہ کی نفی کرتے ہوئے یہ کہے کہ: ''روزہ رکھنے کے بغیر مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے فلاں مہینہ کا اعتکاف ہے'' تو تب بھی اس پر روزہ واجب ہوگا۔

(ب) سنت اعتکاف کو شروع کرنے کے بعد توڑ دینا، چاہے کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بلا عذر کے، دونوں صورتوں میں اس کی قضا واجب ہوگی۔ قضا لاتے وقت اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنا بھی واجب ہوگا۔(۱)

(۲)......مسنون اعتکاف:

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ اس اعتکاف کے لیے بھی روزہ ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مرض یا سفر کی حالت میں روزہ کے بغیر اعتکاف کرلے تو سنت کی ادائیگی کے لیے یہ کافی نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان کے اعتکاف کی نذر مان لے تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ اعتکاف کے لیے نفس روزہ شرط ہے اور وہ پایا جارہا ہے، البتہ رمضان کے روزے رکھتے ہوئے اگر اس شخص نے اعتکاف کو فاسد کردیا تو اعتکاف کی قضا لاتے ہوئے اس کے ساتھ روزے بھی رکھنے ہوں گے۔(۲)

(۳)......مستحب اور نفلی اعتکاف:

حنفیہ کے ہاں ظاہر الروایۃ اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق اعتکافِ نفل میں نہ روزہ شرط ہے، نہ مسجد میں شب گزاری اور نہ دنوں کی کوئی تعداد، بلکہ جتنے دن یا جتنے لمحات کا بھی چاہے، اعتکاف کرسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلے، لہٰذا جب تک وہ مسجد میں رہے گا، اس کو اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا اور جب باہر آجائے تو اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق چونکہ نفل اعتکاف کے لیے مخصوص وقت یا

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف:۳/ ۴۳۰، ۴۳۱، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۳/ ۶۔ ۱۰، الفتاوی الهندية، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما شروطه: ۱/ ۲۱۱

(۲) ردالمحتار مع الدر المختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/ ۴۳۱، ۴۳۲، الفتاوی الهندية، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما شروطه: ۱/ ۲۱۱

روزہ شرط نہیں، اس لیے اس کو کبھی بھی ختم کیا جاسکتا ہے اور توڑنے پر قضا واجب نہیں ہوگی۔(۱)

اعتکاف کا رکن:

اعتکاف کا رکن مخصوص وقت کے لیے مسجد یا گھر کے مخصوص حصے میں ٹھہرنا ہے، لہٰذا جہاں کہیں رکن متاثر ہو، وہاں پر اعتکاف فاسد یا مکروہ رہے گا۔

اعتکاف کا سبب:

☆ واجب اعتکاف کے لیے دو اسباب ہیں: نذر اور سنت اعتکاف کو شروع کرنے کے بعد توڑ دینا۔

☆ سنت اعتکاف کے لیے سبب رمضان کے آخری عشرے کا پایا جانا ہے۔

☆ نفلی اعتکاف کے لیے سبب ثواب اور قربت الٰہی کے حصول کا جذبہ پایا جانا ہے۔(۲)

اعتکاف کی شرطیں:

اعتکاف کی شرطیں دو قسم کی ہیں: بعض کا تعلق معتکف، یعنی اعتکاف کرنے والے سے اور بعض کا معتکف فیہ، یعنی مسجد سے ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

معتکف سے متعلق شرائط:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) حیض ونفاس سے طہارت۔ مذکورہ تین چیزیں اعتکاف کی صحت کے لیے شرط ہیں۔

(۴) جنابت سے طہارت صحتِ اعتکاف کے لیے تو شرط نہیں، البتہ حلِ اعتکاف کے لیے شرط ہے، یعنی جنابت کے ساتھ اعتکاف میں وقت گزارنا ناجائز ہے۔

اعتکاف کی صحت کے لیے بلوغ، مردانگی یا آزادی شرط نہیں، بلکہ سمجھدار بچے، عورت اور غلام کا اعتکاف بھی درست ہے بشرطیکہ عورت کو شوہر اور غلام کو آقا کی اجازت حاصل ہو۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: ''دوسری شرائط کی طرح باجماعت نماز کی ادائیگی بھی اعتکاف کی شرط ہونی چاہیے''۔(۳)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/۴۳۳، ۴۳۴، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۳/۵، ۱۰، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما شروطه: ۱/۲۱۱

(۲) مراقي الفلاح علی صدر حاشیة الطحطاوي، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ص ۵۷۷

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/۴۳۰، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۳/۵، مراقي الفلاح علی صدر حاشیة الطحطاوي، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ص ۵۷۷

(۵) نیت......: دوسری عبادات کی طرح اعتکاف کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔

(۶) صوم......: واجب اور مسنون اعتکاف کے لیے روزہ رکھنا بھی شرط ہے۔

معتکف فیہ سے متعلق شرائط:

معتکف فیہ یعنی مسجد کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں فی الحال پنج وقتہ نمازیں ادا کی جاتی ہوں۔

مردوں کے لیے اعتکاف کی بہتر جگہ:

مردوں کے حق میں اعتکاف کی بہتر جگہ مسجد حرام، پھر مسجد نبوی، پھر مسجد اقصیٰ، پھر شہر کی جامع مسجد، پھر وہ مسجد جہاں نمازی زیادہ آتے ہوں اور پھر اپنے محلے کی مسجد ہے۔(۱)

عورتوں کے اعتکاف کے لیے بہتر جگہ:

پہلے گزر گیا کہ عورتوں کے لیے بھی اعتکاف کرنا سنت ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ پہلے شوہر سے اجازت لے لے۔(۲)

عورتوں کے لیے مساجد میں اعتکاف کرنا مکروہ، بلکہ ممنوع ہے، لہٰذا ان کو گھر ہی میں اعتکاف کرنا چاہیے۔ اگر گھر کا کوئی حصہ ایسا ہو جو پہلے سے نماز کے لیے مقرر ہے تو وہاں اعتکاف کرے ورنہ کسی جگہ کو مقرر کر لے اور وہیں اعتکاف کرے، اگر ایسا نہیں کیا تو اعتکاف کرنا جائز نہ ہوگا۔(۳)

اعتکاف کے مستحبات:

معتکف کو چاہیے کہ اپنا وقت تلاوتِ قرآن، احادیثِ مبارکہ، رسول اللہ ﷺ کی سیرت، انبیاء و صالحین کے واقعات و حالات، دینی کتابوں کے مطالعہ، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزارے۔ جن باتوں میں شرعی اعتبار سے کوئی نقصان اور گناہ نہ ہو، وہ معتکف کے لیے جائز ہیں۔(۴)

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۴۲۹/۳، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۶۰۶/۳، ۱۰۱۶۶، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما شروطه: ۲۱۱/۱

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۶۰۵/۳

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الاعتکاف: ۴۲۹/۳، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في شرائط صحته: ۲۵/۳، ۲۶، الفتاوی الهندیة حواله بالا: ۲۱۱/۱، مراقي الفلاح مع الطحطاوي، باب الاعتکاف: ص ۵۷۶، ۵۷۷

(۴) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما آدابه: ۲۱۱/۱، ۲۱۲

اعتکاف کے مفسدات:

(۱) بلاضرورت مسجد سے نکل جانا واجب اور مسنون اعتکاف کے لیے مفسد ہے، چاہے دن کے وقت ہو یا رات کے وقت۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو بلاضرورت تھوڑی دیر کے لیے نکلنے سے بھی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک دن یا رات کے اکثر حصے میں مسجد سے باہر رہنے سے اعتکاف فاسد ہوگا۔ اکثر فقہائے کرام نے استحساناً اس قول پر عمل کیا ہے، اس لیے کہ نصف دن رات سے کم وقت قلیل ہے اور قلیل وقت بسا اوقات معمولی کوتاہی سے قضائے حاجت یا غسل وغیرہ میں بھی زیادہ خرچ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ابن نجیمؒ، صاحب ہدایہؒ اور ابن ہمامؒ نے بھی صاحبین کی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۱)

ضرورت کیا ہے؟

اعتکاف کے دوران مسجد سے نکلنے کی ضرورت دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ طبعی اور شرعی۔ ضرورتِ طبعی سے مراد پیشاب، پاخانہ، وضو، استنجا یا واجب غسل کے لیے نکلنا ہے۔ علامہ شامیؒ نے ابن شلبی سے ضرورتِ طبعی کی تعبیر ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"مالابدّ منها و مالا يقضي في المسجد".

شرعی ضرورتوں میں سے یہ ہے کہ اگر کسی ایسی مسجد میں معتکف ہو، جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ پڑھنے کے لیے جامع مسجد جانا درست ہے، البتہ صرف اتنی دیر پہلے چلا جائے جتنی دیر میں وہ آسانی سے جامع مسجد پہنچ کر سنتیں پڑھ لے، خطبہ سن لے، دو رکعت نمازِ جمعہ اور بعد کی سنتیں پڑھ لے۔ جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد میں ایک دن رات کے بقدر یا اس سے زیادہ ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، اس لیے کہ جامع مسجد میں ابتدا ہی سے اعتکاف کرنا جائز ہے، لہٰذا جہاں کہیں اعتکاف کرنا درست ہو، وہاں ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔(۲)

طبعی اور شرعی امور کے علاوہ بقیہ امور کے لیے نکلنا:

یہ امور دو قسم کے ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کی وجہ سے آدمی کے لیے مسجد سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسے:

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الاعتکاف:۳/۴۳۷، ۴۳۸، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته:۳/۲۶، ۲۹، البحرالرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف:۲/۵۲۹

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب الاعتکاف:۳/۴۳۴۔۴۳۷، بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته:۳/۲۶۔۲۸

مسجد کی چھت گر جائے یا کوئی ظالم بادشاہ وغیرہ اس کو جبراً نکال دے تو اگر ایسا شخص فوراً کسی ایسی دوسری مسجد میں چلا جائے، جہاں ابتدا سے اعتکاف درست ہو تو استحساناً اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ باقی جتنے بھی امور ہیں، جیسے: کسی کی اشد ضرورت کو پوری کرنے کے لیے جانا، ڈوبتے یا جلتے ہوئے شخص کو بچانا، عیادت یا جنازہ کے لیے جانا، جہاد کے لیے عمومی اعلان کے بعد جہاد کے لیے نکلنا، ضروری گواہی دینا، نسیان یا اکراہ کی وجہ سے کسی منافی اعتکاف امر کا ارتکاب کرنا وغیرہ؛ ان تمام صورتوں میں اگر نصف دن سے زیادہ مسجد سے باہر رہا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح کسی مرض کی وجہ سے ہسپتال یا گھر جانا بھی مفسدِ اعتکاف ہے، اس لیے کہ مرض عذر طبعی تو ہے، لیکن کثیر الوقوع نہیں۔(۱)

(۲) بیوی سے ہم بستری، اندرونِ مسجد ہو یا بیرونِ مسجد، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، دن میں ہو یا رات میں، انزال ہو یا نہ ہو؛ بہر حال اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ یاد رہے کہ نسیان روزہ میں عذر شمار ہوتا ہے، لیکن اعتکاف میں نہیں۔(۲)

(۳) دن میں جان بوجھ کر کھانے پینے سے چونکہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے تبعاً اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا، اور اگر بھول کر کھانے پینے کا ارتکاب کیا تو روزے کی طرح اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا۔

اصل اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیزیں اعتکاف کے منافی ہوں اور اس کی روح اور بنیادی مقاصد سے متصادم ہوں تو ان کے ارتکاب میں دن، رات یا عمد و سہو اور نسیان سب کے سب برابر ہیں، جیسے: جماع اور مسجد سے نکلنا چاہے دن میں ہوں یا رات میں، قصد و ارادے سے ہو یا بھول کر؛ بہر صورت اعتکاف کو فاسد کرے گا۔ اس کے برعکس جو چیزیں صوم کی محظورات اور ممنوعات ہوں تو ان میں دن رات یا عمد و سہو کے مابین فرق ہوگا، جیسے کھانا پینا اگر رات کے وقت ہو یا دن میں بھول کر ہو تو اس سے روزہ اور اعتکاف کوئی بھی فاسد نہیں ہوگا۔

(۴) بیوی کے ساتھ بوس و کنار اور مباشرت کرتے وقت اگر انزال ہو گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۵) بیوی کے ساتھ مخصوص شرم گاہ کے علاوہ کسی اور جگہ جماع کرتے ہوئے انزال ہو جائے۔

(۶) مرتد ہونے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

(۷) بے ہوشی یا جنون ایک دن رات سے زیادہ ہو جائے تو اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب الاعتكاف: ۴۳۹،۴۳۸/۳، بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف، فصل في ركن الاعتكاف ومحظوراته: ۲۹-۲۷/۳، البحر الرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۵۳۰،۵۲۹/۲

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف، فصل في ركن الاعتكاف ومحظوراته: ۳۱،۳۰/۳

(۸) عورت کو حیض یا نفاس آجائے تو اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔(۱)

جن چیزوں سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا:

(۱) نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں ٹھہرنا، اگر چہ نصف دن رات سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) اگر معتکف کسی ضرورتِ طبعی یا شرعی کے لیے مسجد سے نکل جائے اور راستے میں ضمناً کسی کی عیادت کرلے یا نماز جنازہ پڑھ لے تو اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) اذان دینے کے لیے مسجد کی حدود سے باہر مینار یا اذان خانے پر چڑھنا۔

(۴) انزال کے بغیر بیوی سے بوس وکنار اور مباشرت کرنا مفسد اعتکاف نہیں، البتہ حرام ضرور ہے۔

(۵) کسی عورت کو دیکھ کر یا خود بخود انزال (احتلام) ہوجانا۔

(۶) ایک دن سے کم بے ہوشی یا جنون طاری ہونا یا رات کے وقت نشہ چڑھ جانا۔

(۷) فضول باتیں اور بے ہودہ گوئی کرنا اگر چہ مسجد وغیر مسجد ہر جگہ ناجائز ہیں، البتہ اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔(۲)

معتکف کے لیے مسجد میں مباح امور:

(۱) اگر مسجد میں گندگی پھیلائے بغیر غسل کرنا ممکن ہو تو غسل کرسکتا ہے۔

(۲) سامان حاضر کیے بغیر مسجد میں خرید وفروخت کرنا۔

(۳) نکاح یا طلاق کے بعد رجوع کرنا۔

(۴) خوشبو لگانا، تیل لگانا، کپڑے بدلنا، کھانا پینا، مسجد میں سونا اور ضرورت کی باتیں کرنا، سب کچھ جائز ہے۔

(۵) اعتکاف کے دوران حج کے لیے احرام باندھنا بھی جائز ہے، اسی طرح اگر حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اعتکاف چھوڑنا بھی جائز ہے، البتہ بعد میں قضا ضروری ہے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في رکن الاعتکاف ومحظوراته: ۳/۳۱، الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، وأما محظوراته: ۱/۲۱۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في رکن الاعتکاف ومحظوراته: ۳/۲۸۔۳۴

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في رکن الاعتکاف ومحظوراته: ۳/۳۲

اعتکاف فاسد ہونے کے بعد قضا کا حکم:

جن صورتوں میں اعتکاف (واجب یا مسنون) فاسد ہو جاتا ہے، ان میں مرتد ہونے کے علاوہ بقیہ تمام صورتوں میں اعتکاف کی قضا لانی ہوگی۔ اعتکاف کی قضا لاتے وقت روزہ رکھنا بھی ضروری ہے۔

نذر اعتکاف اگر کسی مخصوص و معین وقت کا ہو تو اس مہینے کے جتنے دن کا اعتکاف فاسد ہونے سے پہلے ادا کیا تھا، اس کی قضا لانے کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ فاسد ہونے کے بعد جتنے دن رہ گئے ہوں، ان کی قضا لائی جائے گی، اور اگر نذر مطلق ہو یعنی کسی مخصوص مہینے کی تعیین نہ ہو تو درمیان میں فاسد ہونے کے بعد قضا لاتے وقت استیناف، یعنی ابتداء سے دوبارہ شروع کرنا واجب ہوگا۔

اعتکاف جس وجہ سے بھی فاسد ہو، عذر شرعی ہو یا غیر شرعی؛ بہر صورت قضا واجب ہوگی۔(۱)

اہم متفرق مسائل:

(۱) اعتکاف کے روزوں کے بدلے وصیت:

جو اعتکاف نذر کی وجہ سے واجب ہو جائے اور اس کی ادائیگی کے لیے حالتِ صحت میں وقت بھی مل جائے، لیکن ادا نہ ہو سکے تو موت کے وقت ہر دن کے بدلے ایک فدیہ کی وصیت لازمی ہوگی۔ یہ وصیت اس روزے کے بدلے میں ہوگی جو اعتکاف کے ضمن میں واجب ہوا تھا۔ یہی حکم اعتکافِ مسنون فاسد کرنے کے بعد قضا نہ لانے کا بھی ہے۔

ان صورتوں میں اگر وصیت نہ ہو تو ورثا پر فدیہ دینا واجب نہیں، البتہ وہ بطور تبرع و احسان دینا چاہیں تو بہتر ہے۔(۲)

(۲) نفلی اعتکاف میں مسجد سے نکلنا:

نفلی اعتکاف میں بلا عذر بھی مسجد سے نکلنا جائز ہے جس سے نفلی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، لیکن چونکہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں، اس لیے واپس آ کر دوبارہ نیت کر کے معتکف بن جائے۔ نفلی اعتکاف توڑنے سے قضا واجب

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف، فصل في حكمه إذا فسد: ۳/۳٤، ۳۵

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الاعتكاف، فصل في حكمه إذا فسد: ۳/۳۵، ۳٦

نہیں ہوتی۔ حنفیہ کا یہی ظاہر الروایۃ ہے۔(۱)

(۳) اعتکاف میں بعض امور کا استثنا:

مسنون اعتکاف میں شرعی اعذار کے علاوہ بقیہ کسی بھی فعل (عیادت، نماز جنازہ وغیرہ) کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں، اگرچہ اعتکاف کے لیے بیٹھتے وقت ان امور کا استثنیٰ بھی کیا ہو، البتہ واجب یعنی نذر اعتکاف میں نذر اور التزام کے وقت استثنیٰ درست ہے۔(۲)

(۴) نابالغ کا اعتکاف کرنا بھی درست ہے۔(۳)

(۵) ویران مسجد جہاں پر پنجوقتہ نماز نہ ہوتی ہو، وہاں اعتکاف درست نہیں۔(۴)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الاعتکاف، فصل في ركن الاعتكاف ومحظوراته: ۳/۳۰، الدر المختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۴۳۴، ۴۳۵

(۲) الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف: ۲/۳۱۲

(۳) بدائع الصنائع، فصل شرائط صحته ۳/۵

(۴) أيضاً: ۳/۱۸

باب الاعتکاف

(مسائل)

اعتکاف کے دوران داڑھی منڈھوانے کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال نمبر(186):

اگر کوئی داڑھی منڈھوانے والا اعتکاف میں بیٹھے تو دوران اعتکاف داڑھی منڈھوانے کے لیے مسجد سے باہر جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوانوجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ اعتکاف کا مقصد اصلی اپنے آپ کو گناہوں سے بچا کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ اگر حالتِ اعتکاف میں بھی انسان گناہوں کو نہ چھوڑے تو اعتکاف کے ثمرات وانوارات سے اپنے آپ کو محروم کرنے کے مترادف ہے۔ چونکہ شرعاً ایک مشت کے برابر داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا یا بالکل منڈھوانا فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق حرام ہے تو دورانِ اعتکاف داڑھی منڈھوانے کے لیے مسجد سے ایک حرام فعل کے لیے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ ان اعذار میں سے نہیں، جن کے لیے فقہائے کرام نے مسجد سے نکلنے کی اجازت دی ہے۔
البتہ اگر مسجد کے اندر حالتِ اعتکاف میں داڑھی منڈھوالے تو مسجد اور حالتِ اعتکاف کے تقدس کی پامالی کی وجہ سے یہ شخص گناہ گار ہوگا، لیکن اس کا اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولایخرج المعتکف من معتکفه لیلاً، ولا نهاراً إلّا بعذر..........ومن الأعذار: الخروج للغائط، والبول، ولأداء الجمعة .(۱)

ترجمہ: اور اعتکاف کرنے والا اپنے اعتکاف کی جگہ سے دن یا رات کو بغیر عذر نہیں نکلے گا۔۔۔البتہ اعذار، جیسے بول وبراز اور جمعہ وغیرہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصوم، الباب الثاني عشر في الاعتکاف: ۳۱۲/۲

معتکف کا لوگوں سے چہرہ چھپانا

سوال نمبر(187):

مسئلہ مذکورہ کے متعلق مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ دورانِ اعتکاف معتکف کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں سے اپنا چہرہ چھپائے رکھے اور کسی کو اپنا چہرہ دکھانا جائز نہیں؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی حقیقت ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے مسجد میں ہر آنے والے شخص خاص کر معتکف کو اگر چہ بعض امور کے متعلق پابند کیا ہے، مگر یہ پابندی دنیوی باتوں اور غیر ضروری امور سے اجتناب تک محدود ہے، البتہ جہاں تک حالتِ اعتکاف میں کسی کو اپنا چہرہ نہ دکھانے کا تعلق ہے، سو شریعت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں، بلکہ مختلف اوقات میں اس کا چہرہ نظر آنا ناگزیر ہے، مثلاً وضو کرتے وقت، نماز کے لیے صف بندی کے دوران، درسِ قرآن وحدیث کے وقت، جمعہ یا قضائے حاجت انسانی کے واسطے جاتے ہوئے اور ان امور میں بعض تو فقط درجہ استحسان تک محدود ہیں، جبکہ بعض کے انجام دیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ دورانِ اعتکاف معتکف کے لیے چہرہ چھپانا ضروری ہے، غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(و) یکره تحریمًا(صمت)إن اعتقده..........(وتکلّم إلّا بخیرٍ)وهو مالاإثم فیه..........(کقرأة قرآن، وحدیثٍ، وعلم) وتدریس في سیرالرسول علیه السلام..........وکتابة أمورالدین.(۱)

ترجمہ:

اور بالکل چپ رہنا جب کہ وہ اس کا اعتقاد رکھے، مکروہ ہے۔۔۔۔۔اور دُنیوی باتیں کرنا مکروہ تحریمی ہے، مگر خیر کی باتیں جس میں کوئی گناہ نہ ہو، جائز ہے۔۔۔۔۔جیسے قرأت قرآن، حدیث، علم، سیرت رسول ﷺ کی تدریس اور دینی امور کے متعلق لکھنا وغیرہ۔

(۱) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۳/۴۴۱، ۴۴۲

اعتکاف پر اجرت لینا

سوال نمبر(188):

ماہ رمضان میں محلّہ کی مسجد میں اگر کوئی آدمی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھا ہو تو پیسے بطورِ اجرت دینے کے وعدے پر باہر کے ایک آدمی کو لا کر مسجد میں بٹھا دیا جائے تو کیا اس آدمی کا اعتکاف محلّہ والوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا اور اجرت دے کر اعتکاف میں بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

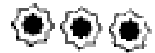
اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ایک آدمی کے اعتکاف کے لیے بیٹھ جانے سے جملہ محلّہ والوں کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔اعتکاف ایک مستقل عبادت ہے،ایسی عبادت کی ادائیگی کے لیے اجارہ کرنا درست نہیں اور نہ یہاں ایسی کوئی ضرورت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر امامت اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی صحت کی طرح جواز کا سہارا لیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا،لقوله عليه السلام: "اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به" ...... ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل، ولهذا تتعين أهليته، فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره كما في الصوم والصلوة.(١)

ترجمہ:

اور اصل یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جو مسلمان کے ساتھ مختص ہو اس پر اجارہ لینا جائز نہیں۔حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ:"تم قرآن پڑھو اور اس پر کچھ نہ کھاؤ" اس لیے کہ جب قربت حاصل ہوتی ہے تو وہ عامل کی طرف سے واقع ہو گئی،اسی لیے عامل کی اہلیت کا اعتبار ہے،پس اس کو دوسرے سے اجرت لینا جائز نہ رہا،جیسے روزہ اور نماز میں ہے۔



(١) ردالمحتار علی الدرالمختار،كتاب الاجارة،باب الاجارة الفاسدة،مطلب في الاستئجار على الطاعات:٩/٧٦

معتکف کے لیے مسجد کے باہر دروازے تک جانا

سوال نمبر (189):

معتکف مسجد کے بڑے دروازے کو (جو کہ حدودِ مسجد سے باہر ہے اور کوئی بند کرنے والا نہ ہو) بند کرنے کے لیے جوتوں کی جگہ تک جاسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ مسجد کے متصل جوتے اتارنے کی جگہ چونکہ مسجد کی حدود سے باہر ہے، اس لیے بغیر عذرِ شرعی مسجد سے نکل کر وہاں جانا اعتکاف باطل ہونے کا باعث ہوگا، تاہم شرعی عذر کی بناپر نکلنے کی اجازت ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ جان اور مسجد کے چیزوں کی حفاظت کی خاطر مسجد کا دروازہ بند کرنا ایک ضرورت ہے، اس لیے اگر کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو معتکف کا اس کے لیے نکلنے کی صورت میں اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا پھر بھی وہاں ضرورت سے زائد ٹھہرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویخرج أیضاً لأمر لابدله منه، ثم یرجع إلی المسجد بعد مافرغ من ذلک الأمر سریعاً.(۱)

ترجمہ: مسجد سے ایسے کام کے لیے جس کے کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو، نکل سکتا ہے، لیکن پھر اس کام سے فارغ ہونے کے بعد جلدی مسجد لوٹ آئے۔

❁❁❁

معتکف کا افطاری اور سحری کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال نمبر (190):

اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھ جائے تو کیا افطاری وسحری کے لیے گھر آکر کھانا درست ہے؟

(۱) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصوم، فصل في الاعتکاف: ۲/۳۱۳

الجواب وباللہ التوفیق:

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھنا مسنون ہے اور مسنون اعتکاف کے دوران بغیر کسی عذر کے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، تاہم طبعی ضروریات کے تحت بقدرِ ضرورت نکلنے کی شرعاً اجازت ہے، لیکن اس صورت میں ضرورت پوری ہونے کے فوراً بعد مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اولاً تو بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری وافطاری کھانا لانے کے لیے کوئی انتظام ہو، اگر کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو ایسی مجبوری کے تحت خود جاکر کھانا لاسکتا ہے اور بقدرِ ضرورت صرف سحری اور افطاری کے لیے کھانا اٹھاکر مسجد لائے، بلاضرورت ٹھہرنا، تاخیر کرنا اور گھر پر کھانا تناول کرنا معتکف کے لیے جائز نہ ہوں گے۔

والدلیل علیٰ ذلك:

وینبغي حمله علی ماإذا لم یجد من یأتي له به،فحینئذ یکون من الحوائج الضروریة ،کالبول والغائط.(۱)

ترجمہ:

اور جب معتکف کے کھانا لانے کے لیے کوئی نہ ہو تو چاہیے کہ وہ کھانا گھر سے لاکر کھائے، یہ ضروریات میں سے شمار ہوگا، جس طرح بول وبراز ہیں۔

❁❁❁

دورانِ اعتکاف مشت زنی کرنا

سوال نمبر(191):

کوئی شخص گذشتہ تین سالوں سے اعتکاف کے لیے بیٹھتا ہو اور دوران اعتکاف اس سے مشت زنی کرنے کا گناہ سرزد ہوا ہو تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص نے دوران اعتکاف جس فعل کا ارتکاب کیا، اس سے اعتکاف فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے کفارے کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

(۱) البحرالرائق، کتاب الصوم، باب الاعتکاف:۲/ ۵۳۰

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اعتکاف ایسا عمل ہے جس میں انسان پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، جن کی رعایت نہ رکھنے سے اعتکاف کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اس کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دورانِ اعتکاف مذکورہ عمل کے ارتکاب سے اعتکاف باقی نہیں رہتا بشرطیکہ انزال بھی ہوا ہو، اور اگر یہ عمل دن کو روزہ کی حالت میں کیا ہو تو روزہ کی قضا بھی لازم ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

والجماع عامداً، أو ناسياً ليلاً أو نهاراً، يفسد الاعتكاف أنزل، أولم ينزل، وما سواه يفسد إذا أنزل.(۱)

ترجمہ:

اور جماع جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، رات کو ہو یا دن کو، اعتکاف فاسد کر دیتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ اور جماع کے علاوہ دیگر امور سے اگر انزال ہو تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

۞۞۞

عورتوں کا اعتکاف کرنا

سوال نمبر(191):

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مردوں کی طرح عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مرد و زن کے لیے یکساں طور پر مسنون ہے، تاہم مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے، جب کہ عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز کے لیے مقرر کردہ جگہ میں اعتکاف کے لیے بیٹھے، اگر گھر میں نماز کے لیے کوئی مقرر کردہ جگہ نہ ہو تو گھر کے کسی

بھی کونے میں پردہ لگا کر اعتکاف کر سکتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

عن عائشةؓ زوج النبي ﷺ: أن النبي ﷺ كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان، حتى توفاه الله، ثم اعتكف أزواجه من بعده.(۱)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے ہاں بلا لیا۔ آپ ﷺ کے بعد پھر امہات المؤمنین، یعنی آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔

والمرأة تعتكف في مسجد بيتها،إذا اعتكفت في مسجد بيتها،فتلك البقعة في حقها كمسجد الجماعة في حق الرجل لا تخرج منه إلا لحاجة الإنسان .(۲)

ترجمہ:

عورت اپنے گھر میں نماز کے لیے مخصوص مقام میں اعتکاف کرے، جب اس نے اس مقام میں اعتکاف کیا تو وہ جگہ اس کے حق میں ایسی ہی ہوگی، جیسا کہ مردوں کے حق میں مسجد ہوتی ہے۔ پس وہ عورت انسانی ضروریات کے سوا وہاں سے نہ نکلے گی۔

❁❁❁

عورت کے لیے اعتکاف کے احکام

سوال نمبر (192):

ایک عورت گھر کے اندر اعتکاف میں بیٹھی ہو تو حالتِ اعتکاف میں وہ امور جن سے مردوں کے لیے اجتناب ضروری ہے، کیا عورتوں کے لیے بھی ان امور سے اجتناب ضروری ہے یا کوئی استثنا موجود ہے؟

بيّنوا تؤجروا

---

(۱) صحيح البخاري،باب الاعتكاف:۱/۲۷۱

(۲) الفتاوى الهندية،كتاب الصوم ،باب الاعتكاف۱/۲۱۱

الجواب وباللہ التوفیق:

اعتکاف کے احکام وامور میں مرد وزن دونوں برابر ہیں۔صرف قیام میں فرق ہوگا کہ مرد اعتکاف کے لیے مسجد میں قیام کرے، جب کہ عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز کی مقررہ جگہ میں اعتکاف کے لیے بیٹھے۔اور باقی جن امور کی رعایت رکھنا حالتِ اعتکاف میں مردوں کے لیے مسجد میں ضروری ہے، وہی تمام امور عورت کے لیے حالتِ اعتکاف میں گھر کی جائے نماز میں ضروری ہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

والمرأة تعتكف في مسجد بيتها إذا اعتكفت في مسجد بيتها،فتلك البقعة في حقها كمسجد الجماعة في حق الرجل لا تخرج منه إلا لحاجة الإنسان.(١)

ترجمہ: عورت اپنے گھر میں نماز کے لئے مخصوص مقام میں اعتکاف کرے، جب اس نے اس مقام میں اعتکاف کیا تو وہ جگہ اس کے حق میں ایسی ہی ہوگی، جیسا کہ مردوں کے حق میں مسجد ہوتی ہے۔پس وہ عورت انسانی ضروریات کے سوا وہاں سے نہ نکلے گی۔

❁❁❁

مسنون اعتکاف میں مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لیے نکلنے کی نیت کرنا

سوال نمبر(193):

رمضان کے آخیر عشرہ میں کسی شخص کا اعتکاف کے لیے بیٹھتے وقت نمازِ جنازہ، مریض کی عیادت یا دوسری مسجد میں ختم قرآن کے لیے جانے کی نیت کرنا اور پھر ان امور کی ادائیگی کے لیے مسجد سے نکلنا معتکف کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے اعتکاف متاثر ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف مسنون ہے اور اس قسم کے اعتکاف میں نمازِ جنازہ وغیرہ

---

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الصوم ،باب الاعتکاف:١/٢١١

کے لیے نکلنے کی نیت کرنا اوران امور کو اعتکاف سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں، استثنا صرف واجب اعتکاف میں درست ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ یا مریض کی عیادت وغیرہ امور کا استثنا کیا اور پھر کسی نماز جنازہ وغیرہ میں شرکت کی غرض سے مسجد سے نکل گیا تو ایسی صورت میں اس شخص کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا یخرج لأکله، وشربه، ولا لعیادة المریض، ولا لصلاة الجنازة. (١)

ترجمہ: اور (معتکف) کھانے، پینے، مریض کی عیادت اور نماز جنازہ کے لیے نہیں نکلے گا۔

۞۞۞

بلا ضرورت غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال نمبر (194):

ایک شخص کو روزانہ غسل کرنے کی عادت ہے، اگر یہ شخص حالت اعتکاف میں بلا عذر شرعی غسل کے لیے مسجد سے نکلے تو ایسی صورت میں اس شخص کا اعتکاف فاسد ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھے تو اس کے لیے مسجد سے بلا عذر شرعی نکلنا جائز نہیں۔ فقہائے کرام نے طبعی حاجات، واجب غسل اور جمعہ وغیرہ کے لیے مسجد سے نکلنے کی اجازت دی ہے، البتہ ٹھنڈک حاصل کرنے وغیرہ کے لیے غسل کی غرض سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا یخرج المعتکف من معتکفه لیلاً، ولا نهاراً إلّا بعذر..........ومن الأعذار: الخروج للغائط،

(١) الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصوم، فصل في الاعتکاف: ٢/٣١٢

والبول، ولأداء الجمعة .(١)

ترجمہ:

اوراعتکاف کرنے والا اپنے اعتکاف کی جگہ سے دن یارات کو بغیر عذر نہیں نکلے گا۔۔۔۔۔البتہ اعذار، جیسے بول وبراز اور جمعہ وغیرہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔

۞۞۞

معتکف کو مسجد سے زبردستی نکالنے سے اعتکاف کا حکم

سوال نمبر(195):

اگرکوئی شخص کسی معین دن کے اعتکاف کی نذر کرے اور وہ اعتکاف کی غرض سے مسجد میں بیٹھ جائے، لیکن اس کو جبری طور پر مسجد سے باہر نکالا جائے تو ایسی صورت میں اس کا اعتکاف فاسد ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص کسی معین دن کے اعتکاف کی نذر مانے تو اسی دن کا اعتکاف اس شخص پر واجب ہو جاتا ہے اور اس کے لیے حاجاتِ طبعیہ وشرعیہ کے علاوہ مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔

تاہم جہاں کہیں کسی شخص کو مسجد سے زبردستی نکالا جائے، مسجد منہدم ہو یا مسجد میں جان ومال کا خطرہ لاحق ہو تو ان تمام صورتوں میں اس مسجد سے دوسری مسجد منتقل ہو کر اعتکاف پورا کرے تو اس سے اعتکاف پر کوئی خلل نہیں پڑے گا، البتہ دوسری مسجد کی طرف بلا تاخیر منتقل ہونا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

فإن خرج من المسجد بعذر، بأن انهدم المسجد، أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعته، لم يفسد اعتكافه استحساناً.(٢)

---

(١) الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصوم، الباب الثاني عشر في الاعتكاف: ٢/٤١٢

(٢) الفتاوی الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ١/٢١٢

ترجمہ:
اگر اعتکاف والا شخص مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکلا، مثلاً: مسجد گرگئی یا (وہاں سے) زبردستی نکال دیا گیا اور وہ اسی وقت کسی دوسری مسجد میں چلا گیا تو (اس صورت میں) اس کا اعتکاف ازروئے استحسان فاسد نہیں ہوگا۔

اعتکاف کے دوران اہل وعیال کے ساتھ بات چیت کرنا

سوال نمبر(196):
اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھے اور اس کی بیوی کسی کام کی غرض سے مسجد میں ملاقات کے لیے آئے تو ایسی صورت میں یہ شخص بیوی سے بات چیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:
واضح رہے کہ اعتکاف کے دوران معتکف کے لیے ضروری بات چیت کرنا جائز ہے، تاہم اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ یہ بات چیت کسی لایعنی قسم کی نہ ہو۔
صورتِ مسئولہ میں جب معتکف کی بیوی اپنے شوہر کی ملاقات کے لیے مسجد آجائے تو معتکف اس سے بات چیت کرسکتا ہے، تاہم ایسے امور سے احتراز ضروری ہے جو جنسی خواہشات اُبھارنے کا ذریعہ ہوں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:
عن علي بن حسین رضي اللّٰہ عنہ، قال: کان النبي ﷺ في المسجد، وعندہ أزواجہ فرحن، فقال لصفیۃؓ بنت حیي: لاتعجلي حتی انصرف معك. (۱)

ترجمہ:
علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام مسجد میں تھے اور آپ ﷺ کے پاس ازواج مطہرات تھیں، جب وہ چلنے لگیں تو آپ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ''جلدی مت کرو، یہاں تک کہ میں آپ کے ساتھ چلا جاؤں''۔

(۱) صحیح البخاري، کتاب الصوم، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا في اعتکافہ: ۱/۲۷۳

قال المهلب: وفيه من الفقه أنه لا بأس بزيارة أهل المعتكف له في اعتكافه. (۱)

ترجمہ: علامہ مہلبؒ فرماتے ہیں کہ:"اس سے یہ معلوم ہوا کہ معتکف کے اہل کا اس کے اعتکاف کے دوران ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں"۔

❁❁❁

اعتکاف کے دوران لوگوں کو دینی مسائل سکھانا

سوال نمبر(197):

زید اعتکاف میں بیٹھا ہے اور اعتکاف کی حالت میں لوگوں کو دینی مسائل سکھاتا ہے، بعض لوگ اُس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اعتکاف میں کسی قسم کی باتیں کرنا جائز نہیں؟ ازروئے شریعت ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

واضح رہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کے لیے بیٹھنا ایک مسنون عمل ہے، اس سے مقصود دُنیوی امور سے یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہونا ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کی دُنیوی باتیں کرنا یا ایسے امور کی طرف متوجہ ہونا جو عبادت میں خلل پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہوں، جائز نہیں، البتہ درس وتدریس اور لوگوں کو دینی مسائل سے آگاہ کرنا بذاتِ خود عبادت کی ایک قسم ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص اعتکاف کے دوران اسی مسجد میں درس وتدریس اور لوگوں کو دینی مسائل سکھاتا ہو تو شرعاً اس کے لیے یہ امور انجام دینا جائز ہے اور لوگوں کا اس پر اعتراض کرنا صحیح نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(و) يكره تحريمًا (صمت) إن اعتقده..........(وتكلّم إلّا بخير) وهو ما لا إثم فيه..........(كقرأة قرآن، وحديث، وعلم) وتدريس في سير الرسول عليه السلام..........وكتابة أمور الدين. (۲)

(۱) علي بن خلف، شرح صحيح البخاري، كتاب الاعتكاف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد: ۱۷۳/٤، مكتبة الرشيد، رياض.

(۲) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ٤٤۱/۳، ٤٤۲

ترجمہ:　اور بالکل چپ رہنا جبکہ وہ اس کا اعتقاد رکھے، مکروہ ہے۔۔۔۔۔ اور دُنیوی باتیں کرنا مکروہ تحریمی ہے مگر خیر کی باتیں کرنا جس میں کوئی گناہ نہ ہو، جائز ہے۔۔۔۔۔ جیسے قرأت قرآن، حدیث اور علم اور سیرت رسول ﷺ کی تدریس اور دینی امور کے متعلق لکھنا وغیرہ۔

❁❁❁

عورت کا یکسوئی کے لیے کمرے میں لٹکے ہوئے پردے سے باہر نکلنا

سوال نمبر(198):

اگر کوئی عورت پورا کمرہ اعتکاف کے لیے متعین کرے، صرف یکسوئی پیدا کرنے کی غرض سے کمرہ کے کسی کونے میں پردہ لٹکائے تو اس پردے سے نکلنے کی صورت میں اس عورت کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی عورت اعتکاف کا ارادہ کرے تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ اعتکاف کے لیے اُس جگہ کا انتخاب کرے جو گھر میں نماز کے لیے متعین ہو، اگر گھر میں کوئی جگہ متعین نہ ہو تو جس جگہ کو بھی وہ اعتکاف کے لیے منتخب کرے گی، وہ اس کے لیے معتکف (اعتکاف کی جگہ) ہوگی، اور بلا عذرِ شرعی اُس جگہ سے نکلنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق جب کوئی عورت کسی کمرے کو اعتکاف کے لیے منتخب کرے تو وہ جگہ اس کے لیے موضعِ اعتکاف بن جائے گا، البتہ اگر وہ عورت کسی کونے میں خشوع پیدا کرنے کے لیے پردہ لٹکائے تو اس پردہ سے بلا ضرورت نکلنے کی صورت میں اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، جب تک اس متعین کمرے سے باہر نہ نکلے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والمرأة تعتكف في مسجد بيتها إذا اعتكفت في مسجد بيتها، فتلك البقعة في حقّها كمسجد الجماعة في حقّ الرجل لاتخرج منه إلّا لحاجة الإنسان.(۱)

ترجمہ:　عورت اپنے گھر میں نماز کے لیے مخصوص مقام میں اعتکاف کرے، جب اس نے اس مقام میں اعتکاف کیا تو وہ جگہ اس کے حق میں ایسی ہوگی، جیسا کہ مردوں کے حق میں مسجد ہوتی ہے، پس وہ عورت ضروری حاجات کے علاوہ وہاں سے نہیں نکلے گی۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۲۱۱/۱

کتاب الحج

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

اسلام کی جملہ عبادات میں عبودیت و بندگی، تذلل، تزکیہ نفس اور احسانات کی شکر گزاری کا پہلو موجود ہوتا ہے اور بلاشبہ ان عبادات میں سے ایک حج بھی ہے، جس میں ایک طرف تو مسلمانوں کی بین الاقوامی اجتماعیت، یکسانیت اور وحدت کا ظہور ہوتا ہے تو دوسری طرف شعائر اللہ کی تعظیم اور اس سے عبرت خیزی کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ یہی وہ موقع ہے جس میں بندہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے میدانوں میں کفن پوش ہوکر فقیرانہ مستی اور ذوق غلامی و بندگی سے سرشار ہوکر عشقِ خداوندی اور رضائے ربانی کے حصول میں ہر طرح کی راحت، زیب و زینت اور سامانِ سکون سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی بے مثال فداکاری اور حب الٰہی کے حرارت انگیز جذبات و احساسات سے اپنے دل و دماغ میں طاعت و فرماں برداری کا درس پختہ کر دیتا ہے۔ (۱)

حج کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

لغت میں حج ''حاء'' کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے، جس کا معنی ہے ''کسی بڑے اور عظیم کام کا ارادہ کرنا'' البتہ بعض فقہائے کرام نے مطلق قصد اور ارادہ کو بھی حج کا درست لغوی معنی قرار دیا ہے۔ اصطلاحی معنی کے بارے میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

> "وشرعا زيارة مكان مخصوص في زمن مخصوص بفعل مخصوص، بأن يكون محرما بنية الحج سابقاً".

اصطلاحِ شرع میں حج مخصوص مکان، یعنی کعبہ اور عرفات کی زیارت کا نام ہے، جو مخصوص وقت میں مخصوص افعال کے ساتھ ادا کیا جائے، بایں طور کہ احرام کی حالت میں ہو اور پہلے سے حج کی نیت کی ہو۔ (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج: ۴۱/۳، الموسوعة الفقهية، مادة حج: ۲۶/۱۷، ۲۷، قاموس الفقه، مادة حج: ۱۹۱/۳

(۲) الدر المختار، کتاب الحج: ۴۴۷/۳۔ ۴۵۰

حج کا حکم:

حج ارکان اسلام میں پانچواں رکن ہے جو ہر اس شخص پر فرض عین ہے، جس میں وجوب کی جملہ شرائط موجود ہوں، لہٰذا تمام شرائط کی موجودگی میں صرف ایک مرتبہ تمام عمر میں حج ادا کرنا فرض عین ہے۔(۱)

تاہم بعض خارجی عوامل کی بنا پر حج کے احکام مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) واجب.........: حج تب واجب ہوتا ہے جب کوئی شخص احرام باندھے بغیر میقات سے گزر جائے تو ایسے شخص کے لیے واجب ہے کہ واپس ہو کر میقات سے احرام باندھے اور تلبیہ پڑھ لے اور احد النسکین، یعنی حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کو ادا کرے۔ حج یا عمرے میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق اسی کو ہے۔

(۲) نفل.........: ایک مرتبہ حج ادا کرنے کے بعد پھر بار بار کرنا نفل ہے۔

(۳) حرام.........: حرام مال سے کیا ہوا حج حرام اور غیر مقبول ہے، البتہ ادا کرنے والے کا ذمہ پھر بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عدم قبولیت کی وجہ سے ثواب نہیں ملتا۔

(۴) مکروہِ تحریمی.........: حج فرض ادا کرتے وقت خدمت کے محتاج والدین یا دادا، دادی، نانا، نانی سے اجازت نہ لینا مکروہِ تحریمی ہے۔ اسی طرح قرض دار شخص اگر ادائیگی قرض پر قدرت نہ رکھتے ہوئے حج کرے تو یہ بھی مکروہِ تحریمی ہے۔(۲)

حج کی فرضیت کب ہوئی؟

مشہور اور راجح قول کے مطابق ہجرت کے نویں سال کے اواخر میں حج فرض ہوا، البتہ نبی کریم ﷺ نے چونکہ ہجرت کے دسویں سال حج فرمایا تھا، اس لیے فقہائے کرام اور محدثینؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی شرعی عذر یا کسی عظیم اسلامی مصلحت کے تحت اس سال تاخیر فرمائی، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بتا دیا گیا ہو کہ آئندہ سال آپ کو حج کا موقع ملے گا۔ جس میں حج کی تعلیمات سے آپ لوگوں کو آگاہ فرما کر اتمام دین کا اعلان بھی کریں گے۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في بيان فرضه: ۴۱/۳

(۲) الدرالمختار، کتاب الحج: ۴۵۲/۳_۴۵۴، غنية الناسك، مقدمه فی تعريف الحج وما يتعلق بفرضيته، ص: ۱۰

(۳) الدرالمختار، کتاب الحج: ۴۵۰/۳_۴۵۲

حج کی فرضیت کی دلیل:

حج کی فرضیت قرآن کریم، سنت رسول ﷺ، اجماع امت اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر، جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں، اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من لم يمنعه عن الحج حاجة ظاهرة، أو سلطان جائر، أو مرض حابس، فليمت إن شاء يهوديا أو نصرانيا". (۲)

جس شخص کو کسی قوی حاجت یا ظالم بادشاہ یا روکنے والے مرض نے حج سے منع نہ کیا ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو چاہے وہ یہودی کی موت مرے یا نصرانی کی موت مرے، کوئی پرواہ نہیں۔

اسی طرح حج کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے اور عقل وقیاس بھی اس کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ خالق ومالک اور محسن حقیقی کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس کے حکم کو مانتے ہوئے عاجزی اور غلامی کا اظہار کرنا فرض ہے۔ (۳)

حج کی فرضیت علی الفور ہے یا علی التراخی؟

حج کی استطاعت پیدا ہونے کے بعد امام ابوالحسن کرخیؒ نے حج کے علی الفور واجب ہونے کو ترجیح دی ہے۔ یہی رائے امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے اور صحیح تر روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کی بھی ہے۔ اکثر فقہا نے اس قول کو مختار کہا ہے، لہٰذا بلا ضرورت تاخیر پر گنہگار ہوگا، البتہ سب کے ہاں تاخیر کے ساتھ ادا کرنا قضا نہیں ہوگا، بلکہ ادا ہی ہوگا۔ یہ قول امام مالکؒ واحمدؒ کا بھی ہے، جب کہ امام محمدؒ وامام شافعیؒ کے ہاں حج کی فرضیت علی التراخی ہے۔ فقہائے کرام کا مذکورہ اختلاف اس شخص کے بارے میں ہے جو صحت مند ہو اور آئندہ سال تک اس کے زندہ رہنے کی امید ہو۔ اگر کسی شخص کے بارے میں بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے آئندہ سال تک زندہ رہنے کی امید نہ ہو تو ایسے شخص کے حق میں تاخیر بالاتفاق

---

(۱) آل عمران: ۹۷ (۲) سنن الدارمي، كتاب المناسك: ۲/۴۵

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الحج: ۳/۴۰، ۴۱

گناہ کا باعث ہے، البتہ موت سے قبل حج ادا کرنے کی صورت میں یہ گناہ ختم ہو جائے گا۔(۱)

اوقاتِ حج:

حنفیہ کے ہاں شوال اور ذی قعدہ کا پورا مہینہ اور ذی الحج کا پہلا عشرہ حج کے اوقات ہیں، لہٰذا ان اوقات کے علاوہ اوقات میں حج کے اعمال حج کی نیت سے ادا کرنا حج نہ ہوگا۔(۲)

ارکانِ حج:

فقہائے حنفیہ میں سے اکثر کے ہاں حج کے دو ارکان ہیں: وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت، جب کہ بعض فقہا احرام کو بھی ارکان میں شمار کرتے ہیں، تاہم اکثر فقہا احرام کو صحتِ ادا کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔(۳)

سببِ حج:

حج کا سبب بیت اللہ شریف اور اس کی موجوگی کا علم ہونا ہے۔(۴)

شرائطِ حج:

یہ شرائط چار قسم کی ہیں: (۱) شرائط الوجوب، یعنی حج فرض ہونے کے لیے شرائط (۲) وجوبِ ادا کے لیے شرائط (۳) صحت ادا کے لیے شرائط (۴) فرض حج ادا ہونے کے لیے خاص شرائط۔(۵)

(۱) شرائط الوجوب، یعنی فرض ہونے کے لیے شرائط:

حج کی فرضیت کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہو تو حج فرض نہیں ہوگا۔

(۱) اسلام......: یعنی حج کی استطاعت پائے جانے کے وقت مسلمان ہو۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك ،الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱٦/۱ ،التاتارخانية، كتاب الحج،الفصل الثاني في بيان ركن الحج ....: ۳۳۱/۲ ،الدرالمختار، كتاب الحج:۳/٤٥٤ ،البحرالرائق، كتاب الحج: ۲/٥٤۲، ٥٤۳

(۲) الفتاوى الهندية، حواله بالا ، التاتارخانية، كتاب الحج،الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة:۳۹۱/۲

(۳)الدرالمختار، كتاب الحج: ۳/٤٦۸، ٤٦۹ ، تاتارخانيه، كتاب الحج،الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة:۳۳۱/۲

(٤) غنية الناسك ،مقدمة في تعريف الحج و ما يتعلق بفرضيته،تتمة، ص:۱۲

(٥) غنية الناسك ،باب شرائط الحج:۱۲

(۲) عقل......: پاگل اور مغلوب العقل (معتوہ) شخص پر حج فرض نہیں۔

(۳) بلوغ......: نابالغی کی حالت میں کیا ہوا حج نفل شمار ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد اگر صاحب استطاعت ہوگیا تو دوبارہ ادائیگی فرض لازم ہے۔

(۴) آزادی......: حج کی فرضیت کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ آزادی کی نعمت حاصل ہو، غلام اور باندی پر حج فرض نہیں۔

(۵) استطاعت......: استطاعت سے مراد مالی اعتبار سے حج ادا کرنے پر قدرت ہے۔ استطاعت میں تین چیزیں داخل ہیں۔

(الف) سواری مہیا ہو، چاہے اپنی سواری ہو یا کرائے پر حاصل کرلے۔

(ب) توشہ سفر مہیا ہو۔

(ج) سفر حج کی ابتداء سے لے کر واپسی تک ان لوگوں کے اخراجات ادا کرسکتا ہو جن کا نان نفقہ اس کے ذمے واجب ہو۔ مذکورہ اشیا پر قدرت اس وقت معتبر ہوگی جب اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی ادائیگی کے بعد اپنی ذاتی ملکیت سے ان اشیا پر قادر ہو اور وہ کسی کا اتنا مقروض نہ ہو، جس کی ادائیگی سے مذکورہ تینوں اشیا میں سے کسی ایک پر اثر پڑ جائے۔

یاد رہے کہ غریب شخص اگر استطاعت نہ ہونے کے باوجود کسی بھی طور سے حج کرلے تو اس کا فریضہ حج ہمیشہ کے لیے ادا ہوگیا۔ صاحب استطاعت ہونے کے بعد دوبارہ حج فرض نہیں۔

(۶) حج کی فرضیت کا علم......: اگر کوئی شخص کسی اسلامی مملکت (دارالاسلام) میں نہ ہو، بلکہ کسی ایسے علاقے (دارالحرب وغیرہ) میں ہو جہاں اسلام کی تعلیمات نہ پہنچی ہوں تو وہاں حج فرض ہونے کے لیے حج کی فرضیت کا علم ہونا بھی شرط ہے۔

(۷) وقت......: وقت سے مراد یہ ہے کہ اس میں حج کی ادائیگی پر قدرت حاصل ہو، یعنی حج کے مہینوں، خاص کر ذی الحجہ کے وہ ایام جن میں حج ادا ہوتا ہو، کا اتنا حصہ مل جائے جس میں مناسک حج ادا ہوسکیں، لہٰذا حج کے مہینوں سے پہلے کسی شخص کا صاحب استطاعت اور مال دار ہونا کافی نہیں، بلکہ مذکورہ شرائط یا تو حج کے مہینوں میں موجود ہوں یا اس وقت موجود ہوں جب اس علاقے کے لوگ حج کے لیے سفر کرنا شروع کردیں۔ موجودہ دور میں حج کے لیے داخلہ کرنے کا وقت اسی شرط کے تحت داخل کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ وقت اشہر حج سے کافی پہلے ہوتا ہے۔(۱)

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۶-۲۱۹، البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۳۸، ۵۳۹، غنية الناسك، باب شرائط الحج، فصل وأما شرائط الوجوب فسبعة، ص: ۱۲-۲۲

(2) وجوبِ ادا کے لیے شرائط:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جو پہلی قسم (نفسِ وجوب) کی تمام شرائط کے ساتھ مل جائیں تو آدمی پر بذاتِ خود حج ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے ایک بھی شرط فوت ہو جائے اور پہلی قسم کی شرائط تمام تر موجود ہوں تو اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو حج کے لیے بھیجنا یا موت کے وقت اس کی وصیت کرنا واجب ہوتا ہے۔ یہ شرائط پانچ ہیں۔

(۱) صحت، یعنی بدن کی سلامتی......: مفلوج، معذور، اپاہج، ضعیف اور مریض شخص پر امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حج فرض نہیں۔ مالی استطاعت کے باوجود اس پر حجِ بدل کرانا بھی واجب نہیں، تاہم صاحبینؒ کے ہاں اس پر حجِ بدل کرانا واجب ہے۔ اور اگر حجِ بدل کے بعد صحت مند ہو گیا اور مالی استطاعت پائی گئی تو خود حج ادا کرنا فرض ہوگا۔ اکثر مشائخ احناف نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(۲) راستے کا محفوظ ہونا......: یعنی راستہ ایسا محفوظ ہو جس سے عام طور پر لوگ صحیح سالم پہنچ جاتے ہوں۔

(۳) حبس، قید یا کسی ظالم جابر بادشاہ کا خوف نہ ہو، یعنی موانع حسیہ رفع ہوں۔

(۴) عورت عدت کی حالت میں نہ ہو، چاہے عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات۔

(۵) عورت کے ساتھ محرم رشتہ دار موجود ہو، بشرطیکہ مکہ سے تین دن (سفرِ شرعی کی حد) یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔ محرم عام ہے، چاہے نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت و مصاہرت کی وجہ سے ہو۔ محرم کا نفقہ اور راحلہ، یعنی سواری کا خرچہ بھی عورت کے ذمے ہوگا۔

نوٹ:

مذکورہ شرائط کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ نفسِ وجوبِ حج کی شرائط میں سے ہیں یا ادائیگی حج کی شرائط میں سے؟ تو حنفیہ (صاحبینؒ) کے صحیح اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ وجوبِ ادائیگی کے شرائط ہیں، یعنی اگر یہ شرائط ہوں گے تو بذاتِ خود حج ادا کرنا فرض ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شرط نہ ہو تو نفسِ حج تو فرض ہوگا، لیکن خود ادا کرنے کی بجائے نیابت یا وصیتِ نیابت لازمی ہوگی۔(۱)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۲۱۶/۱ـ۲۱۹، البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۹/۲، غنية الناسك، باب شرائط الحج، اما شرائط وجوب الاداء فخمسة، ص: ۲۳ـ۳۰

(۳) صحت ادا کے لیے شرائط:

مذکورہ بالا شرائط کی موجودگی میں حج فرض ہو جاتا ہے، تاہم ادائیگی حج تب صحیح اور درست ہوگی، جب درج ذیل تین شرائط بھی پائی جائیں۔

(۱) احرام......: بعض فقہا نے احرام کی جگہ نیت کا ذکر کیا ہے، یعنی حج کی نیت کرنا۔

(۲) زمان......: یعنی حج کے لیے متعینہ اوقات اور دن۔

(۳) مکان......: یعنی متعینہ مقامات میں مناسکِ حج کی ادائیگی۔(۱)

فرض حج ادا ہونے کے لیے شرائط:

درج ذیل شرائط کی موجودگی میں فرض حج ادا ہو جائے گا، اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو تو فریضۂ حج ساقط نہیں ہوگا۔

(۱) اسلام اور موت تک اسلام پر برقرار رہنا، اس لیے کہ ارتداد سے پہلے کیا ہوا حج ضائع ہو جاتا ہے، لہٰذا دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد اگر پھر صاحبِ استطاعت ہوا تو دوبارہ حج فرض ہوگا۔

(۲) عقل (۳) آزادی (۴) بلوغ۔

(۵) اگر خود ادائیگی پر قادر ہو تو خود ادا کرنا شرط ہے، تاہم وجوبِ ادا کی شرائط کی غیر موجودگی میں کسی اور سے بھی حج کروا سکتا ہے۔ بشرطیکہ عذر موت تک برقرار ہے۔

(۶) نفلی حج کی نیت نہ کی ہو، بلکہ فرض حج کی نیت کی ہو یا مطلق حج کی نیت ہو۔

(۷) کسی اور کی طرف سے حج کرنے کی نیت نہ ہو۔

(۸) حج کو جماع وغیرہ سے فاسد نہ کیا ہو۔(۲)

واجباتِ حج:

واجباتِ حج پانچ ہیں: (۱) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (۲) وقوفِ مزدلفہ (۳) رمی جمرات (۴) بال منڈوانا یا ترشانا (۵) آفاقی شخص کے لیے طوافِ صدر۔ اس کے علاوہ حج تمتع اور قران میں قربانی کرنا بھی واجب ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، وأما شرائط صحة أدائه: ۱/۲۱۹

(۲) غنية الناسك، باب شرائط الحج، فصل وأما شرائط وقوع الحج عن الفرض، ص:۳۲

اس کے علاوہ بھی بعض افعال کرنے اور بعض نہ کرنے کو فقہاے کرام نے واجب کہا ہے۔فقہاے کرام کے ہاں واجب کا حکم یہ ہے کہ بلا عذر اس کے ترک کرنے پر دم واجب ہوتا ہے۔جہاں تک حج کے جواز کی بات ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا،چاہے ان واجبات کو قصداً چھوڑ دیا گیا ہو یا خطأً،البتہ قصداً چھوڑنے والا گناہ گار ہوگا۔(۱)

سننِ حج:

حج کی سنتیں یہ ہیں:احرام کے لیے غسل کرنا،حدودِ حرم میں احرام باندھنا،طوافِ قدوم یا طوافِ زیارت کسی ایک میں رمل،سعی میں میلین اخضرین کے درمیان تیز چلنا،ایام نحر(۱۰،۱۱،۱۲)کو رات کے وقت منیٰ جانا اور وہاں رات گزارنا،عرفہ کے دن سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات جانا،دس ذی الحجہ کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے نکلنا،عرفہ کے دن غسل کرنا،عرفات میں مقام ابطح پر اترنا،مزدلفہ میں رات گزارنا اور تینوں جمرات میں ترتیب کی رعایت کرنا وغیرہ سنت ہے۔سننِ حج کا حکم یہ ہے کہ ان کے چھوڑنے پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں،البتہ ثواب میں کمی ضرور آتی ہے۔(۲)

آدابِ حج:

حج کا ارادہ ہو تو حقوق الناس سے فراغت اور برأت کا خاص اہتمام کیا جائے،قرض ادا کیے جائیں،عبادت میں جو کوتاہی ہوئی ہو،اس کی بھی قضا کی جائے،توبہ وندامت اور عاجزی کی کیفیت ہو،ریا،نمائش اور فخر کے جذبات سے دل ودماغ کو فارغ کرے،آغازِ سفر میں ایسا اہتمام نہ کرے کہ لوگ متوجہ ہوں،حلال آمدنی کو سفرِ حج میں خرچ کرے اور اگر مال مشتبہ ہو تو قرض حاصل کر کے حج کرلے اور اس مال سے قرض ادا کرے،سفر کے لیے صالح اور نیک ساتھی کا انتخاب کرلے،ذکر واستغفار کثرت سے کرتا رہے اور صبر واستقلال اور عفو ودرگزر کا معاملہ کرتا رہے۔(۳)

ممنوعاتِ حج:

حج میں جو چیزیں ممنوع ہیں،وہ دو طرح کی ہیں:ایک وہ جو حج کرنے والے کی ذات سے متعلق ہیں اور

(۱)الفتاوی الهندية، كتاب المناسك،الباب الأول في تفسير الحج،وأما واجباته فخمسة:۲۱۹/۱،غنية الناسك،باب فرائض الحج وواجباته، فصل وأما واجباته......ص:۴۵،۴۶،البحرالرائق، كتاب الحج:۲/۵۳۹،۵۴۰

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك،الباب الأول في تفسير الحج،وأما سننه: ۲۱۹/۱،غنية الناسك،باب فرائض الحج وواجباته، فصل،وأما سننه ،ص:۴۷(۳)البحرالرائق، كتاب الحج: ۵۴۰/۲، غنية الناسك،باب ماينبغي لمريدالحج من آداب سفره،ص:۳۴،۳۵

دوسری وہ جو کسی اور سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم کی ممنوعات چھ ہیں۔ جماع کرنا، سرمنڈوانا یا بال کاٹنا، ناخن تراشنا، خوشبو لگانا، سر اور چہرے کو چھپانا اور سلے ہوئے کپڑے استعمال کرنا۔

دوسری قسم کی ممنوع چیزیں یہ ہیں: احرام یا حرم میں شکار کرنا یا شکار سے تعرض کرنا، حرم کے درخت کاٹنا اور کسی اور کا سر منڈانا۔(۱)

مکروہاتِ حج:

(۱) والدین یا دادا، دادی اور نانا، نانی اس کی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر حج کا سفر کرنا مکروہ ہے۔

(۲) مقروض شخص کا قرض خواہوں یا کفیل (ذمہ دار شخص) کی اجازت کے بغیر حج پر جانا مکروہ ہے۔

(۳) دورانِ حج ہر وہ فعل چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے جس کا شمار واجبات میں ہوتا ہے اور ہر وہ فعل چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے جو سنن میں شمار ہوتا ہے۔(۲)

اقسامِ حج:

ادائیگی اور احکام کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہیں۔ افراد، تمتع، اور قران۔

(۱) افراد سے مراد یہ ہے کہ صرف حج کے لیے احرام باندھا جائے اور احرام باندھتے وقت اور تلبیہ پڑھتے وقت صرف اور صرف حج کی نیت ہو اور پھر اس احرام سے صرف حج ادا کرے۔

(۲) قران سے مراد یہ ہے کہ حج اور عمرہ کو ایک ہی احرام میں جمع کر دیا جائے، احرام باندھتے وقت اور تلبیہ پڑھتے وقت ہی دونوں کی نیت ہو یا پہلے حج کی نیت سے احرام باندھ لے، پھر عمرہ کی نیت بھی کر لے یا ابتداءً عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لے، پھر حج کی نیت بھی کر لے، لیکن عمرہ کے اعمال حج کے اعمال پر مقدم ہوں گے۔

حج قران میں بالاتفاق دمِ شکر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرے کی سعادت نصیب فرمائی۔ مذکورہ قربانی میں سے حاجی خود بھی کھا سکتا ہے اور فقرا و اغنیا سب کو کھلا سکتا ہے۔ حج قران میں حنفیہ کے ہاں عمرے اور حج ہر ایک کے لیے الگ الگ طواف اور سعی ہے، البتہ عمرے کا طواف اور سعی کرنے کے بعد حلق نہیں کرے گا، بلکہ حلق یوم النحر تک مؤخر کرے گا۔(۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك ،الباب الأول ،وأمامحظوراته: ۱/۲۲۰، ۲۲۱، البحرالرائق ،كتاب الحج:۲/۵٤۰

(۲) الفتاوی الهندية، والبحرحواله بالا،غنية الناسك،باب فرائض الحج .... فصل وأمامكروهاته،ص:٤٨

(۳) التاتارخانيه، كتاب الحج ،الفصل التاسع في القارن:۲/۳۹۳، ۳۹٤،فتح القدير، كتاب الحج،باب القران:۲/٤۰۹

(۳) تمتع: تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا گیا اور گھر لوٹے بغیر اسی سفر میں دوسرے احرام کے ساتھ حج بھی ادا کر لیا گیا، یعنی اشہرِ حج میں ایک احرام کے ساتھ ابتداءً عمرہ کے افعال ادا کیے، پھر حلال ہوا اور حج کا انتظار کرنے لگا، پھر ایامِ حج میں دوسرے احرام کے ساتھ حج بھی ادا کر لیا۔ حج تمتع میں بھی شکرانے کی قربانی واجب ہے۔ (۱)

مذکورہ اقسام میں کون سا حج افضل ہے؟

حج کی یہ تینوں صورتیں، یعنی افراد، تمتع اور قِران بلا کراہت درست ہیں۔ خود آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے والے صحابہ کرامؓ نے تینوں طریقوں پر حج فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں، تاہم دلائل کی قوت اور فقہی استدلالات کی بنا پر حنفیہ کے ہاں قران افضل ہے، پھر تمتع اور پھر افراد کا درجہ ہے۔ حنابلہ کے ہاں تمتع افضل ہے، پھر افراد اور پھر قران کا درجہ ہے، جبکہ مالکیہ اور شوافع کے ہاں افراد افضل ہے، پھر تمتع ہے اور پھر قران ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (۲)

حج کی مجموعی کیفیت:

سمجھنے میں آسانی کی خاطر ان مناسک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) ایامِ حج شروع ہونے سے پہلے کے اعمال و مناسک۔

(۲) ایامِ حج شروع ہونے کے بعد کے اعمال۔

ایامِ حج شروع ہونے سے پہلے کے اعمال:

حج کا ارادہ کرنے کے بعد حاجی احرام کی تیاری کر لے گا اور دو رکعت نماز پڑھ کر آسانی اور قبولیت کی دعا کرے گا۔ اس کے بعد آفاقی (مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہر کا رہائشی) یا تو گھر ہی سے احرام باندھ لے یا میقات کے حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے، پھر مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ شریف کا رُخ کرے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے عاجزی اور خشوع و خضوع کے ساتھ باب بنی شیبہ سے مسجدِ حرام میں داخل ہو۔ کعبہ پر نظر پڑتے ہی کوئی (مسنون یا غیر مسنون) دعا پڑھے۔ پھر حجرِ اسود کا استیلام کر کے دعا پڑھ لے اور وہاں سے شروع کر کے بیت اللہ کے اردگرد سات مرتبہ طواف کرے۔ حج افراد کا احرام باندھنے والے شخص کے لیے یہ طواف

(۱) التاتارخانیہ، کتاب الحج، الفصل العاشر فی التمتع: ۲/۳۹۵-۳۹۷، فتح القدیر، کتاب الحج، باب القران: ۲/۴۰۹

(۲) الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الحج، باب القران: ۲/۴۰۹-۴۱۴، الموسوعة الفقهیة، مادہ حج: ۱۷/۴۳-۴۵

طواف قدوم کہلائے گا، جب کہ متمتع اور قارن دونوں کے حق میں حنفیہ کے ہاں یہ طواف صرف اور صرف عمرے کا ہوگا، طواف قدوم کے لیے عمرہ کرنے کے بعد الگ طواف کرنا ہوگا۔ متمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ طواف شروع کرتے ہوئے تلبیہ پڑھنا بند کردے، جبکہ قارن اور مفرد بدستور تلبیہ پڑھتے رہیں۔ طواف کے دوران حجر اسود پر گزرتے ہوئے ہر دفعہ استیلام کرتا رہے۔ طواف کے بعد اگر ممکن ہو تو مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھ لے، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھ لے۔ دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر حجر اسود کا استیلام کرلے اور پھر صفا جاکر وہاں پر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔ مفرد کے لیے یہ ایک ہی سعی کافی ہے، جبکہ متمتع اور قارن کے حق میں حنفیہ کے ہاں یہ سعی صرف عمرے کے لیے ہے، حج کے لیے الگ سعی کرنی ہوگی۔ اس کے بعد اگر متمتع ہو تو وہ بال منڈوا کر خود کو حلال کرسکتا ہے، جبکہ قارن اور مفرد بدستور اعمالِ حج کی انجام دہی تک اسی احرام میں رہیں گے۔(۱)

ایامِ حج شروع ہونے کے بعد کے اعمال:

حج کے مناسک ۸ ذی الحج سے شروع ہوتے ہیں جن کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

(۱) یوم الترویہ (۸ ذی الحج) کے اعمال:

حاجی ۸ ذی الحج کو سورج نکلنے کے بعد مکہ سے نکلے اور نماز ظہر تک منیٰ پہنچ جائے۔ مفرد اور قارن تو بدستور احرام ہی میں ہوں گے، البتہ متمتع دوبارہ احرام باندھ لے۔ مسنون یہ ہے کہ حاجی ۸ ذی الحج کی نمازِ ظہر منیٰ ہی میں ادا کرے اور ۹ ذی الحج کی نمازِ فجر تک پانچ نمازیں بھی یہاں پڑھ لے۔ اسی طرح یہ رات منیٰ میں گزارنا بھی سنت ہے۔

(۲) یوم عرفہ (۹ ذی الحج) کے اعمال:

ایامِ حج میں یہ دن سب سے زیادہ اہم ہے جس میں وقوف عرفہ جیسے اہم رکن کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ۹ ذی الحج کی نماز فجر طلوع فجر کے فوراً بعد منیٰ میں پڑھ لے اور مسجد خیف کے قریب آجائے۔ سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لیے روانہ ہوجائے اور وہاں ٹھہرا رہے۔ زوالِ آفتاب کے بعد مسجد نمرہ آجائے اور امیر حج کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھ لے، ورنہ خیموں میں ظہر اور عصر کی نماز اپنے اپنے اوقات میں جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اس موقع پر امیر دو خطبے بھی دے گا۔ ظہر کے بعد میدانِ عرفات میں وقوف کرے گا۔ وقوف میں سوار ہونا یا کھڑے ہونا بیٹھنے سے افضل

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في كيفية أداء الحج: ۱/۲۲۴-۲۲۶، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الحج، فصل في كيفية تركيب أفعال الحج، ص: ۶۰۲، ۶۰۳، الموسوعة الفقهية، مادة حج: ۱۷/۴۵، ۴۶، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في سنن الحج وترتيب أفعاله: ۳/۱۰۷ ومابعد

ہے۔غروب آفتاب تک میدانِ عرفات میں رہنے کے بعد مزدلفہ کی سمت روانہ ہو۔

مزدلفہ پہنچ کر مغرب وعشا کی نمازیں عشا کے وقت امیر کے ساتھ پڑھ لے یا جہاں میسر ہو جمع بین المغرب والعشاء کرے۔ پوری رات مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے۔طلوعِ فجر کے فوراً بعد غلس (اندھیرے) میں امام فجر کی نماز پڑھالے اور روشنی پھیلنے کا انتظار کرے۔اچھی طرح صبح کھل جانے تک مزدلفہ میں یہ وقوف حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔

(۳)یوم النحر (۱۰ذی الحج) کے اعمال:

اعمال کی کثرت کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ اہم دن ہے۔مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد طلوعِ شمس سے تھوڑا سا پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائے۔منیٰ پہنچنے کے بعد جمرۂ عقبہ یا جمرۂ کبریٰ کی رمی کرے۔اس کے بعد قربانی کرلے (متمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے) قربانی کر لینے کے بعد بال منڈوائے یا کٹوائے۔احرام کے سارے ممنوعات اب اس کے لیے (ماسوا عورت کے) حلال ہو جائیں گی۔قربانی کر لینے کے بعد پھر مکہ جانا چاہیے۔مکہ آنے کے بعد طوافِ زیارت کرلے۔طوافِ زیارت کے بعد عورت بھی حلال ہو جاتی ہے۔رات کو پھر مکہ سے منیٰ آکر رات گزار لے۔

گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحج کے اعمال:

۱۱ذی الحج کو زوال کے بعد بالترتیب جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ، جمرۂ عقبہ کی رمی کرے۔رات پھر منیٰ میں بسر کرے اور ۱۲ذی الحج کو پھر زوال کے بعد اس ترتیب سے رمی کرے۔اب اگر حاجی واپس مکہ آنا چاہے تو اس کا حج مکمل ہو گیا، لہٰذا غروبِ شمس سے پہلے مکہ آجائے۔البتہ اگر ۱۳ذی الحج کے طلوعِ فجر تک منیٰ میں رہا تو پھر ۱۳ذی الحجہ کی رمی بھی ضروری ہوگی۔اس دن زوال سے قبل بھی رمی کی جاسکتی ہے۔اب مکہ آجائے اور وہاں پر رخصتی کا طواف (طوافِ وداع) بھی ادا کرے۔(۱)

چند اہم اصطلاحات کی تشریح:

(۱)احرام:

تعریف......:احرام لغت میں حج یا عمرے کے اسباب اختیار کرنے تلبیہ پڑھنے اور مخصوص حرمات میں داخل ہونے

(۱)مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الحج، فصل في كيفية تركيب أفعال الحج، ص:۶۰۴-۶۰۵، الموسوعة الفقهية، مادہ حج:۱۷/۴۶-۴۸

کا نام ہے، جبکہ اصطلاح میں نیت اور تلبیہ کے ساتھ حج یا عمرے کے مخصوص حرمات میں داخل ہونا احرام کہلاتا ہے۔(۱)

رکن......: احرام کا ایک ہی رکن ہے اور وہ تلبیہ، یعنی "لبیك اللھم لبیك......الخ" پڑھنا ہے، البتہ جو شخص مخصوص نشان لگا کر قربانی کا جانور بھی اپنے ساتھ حرم لے آئے تو وہ تلبیہ پڑھے بغیر احرام میں شمار ہوگا۔ تلبیہ ان مخصوص الفاظ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کوئی بھی ذکر، تہلیل اور تحمید رکن کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔(۲)

احرام کی شرط......: احرام کی شرط بھی صرف ایک ہی ہے۔ احرام کی نیت کرنا، لہٰذا نیت کیے بغیر محض تلبیہ پڑھنے سے محرم نہیں ہوگا۔ علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کے ہاں نیت احرام کا رکن ہے اور تلبیہ (یا کوئی بھی ذکر) اس کے لیے شرط ہے۔ تعین نیت، زمان، مکان، مخصوص ہیئت یا حالت، احرام کے لیے شرط نہیں۔

واجبات......: احرام کے واجبات دو ہیں: میقات سے احرام باندھنا اور ممنوعاتِ احرام سے بچنا۔(۳)

سنتیں......: احرام کی سنتیں یہ ہیں: (۱) اشہرالحج میں احرام باندھنا (۲) اپنے شہر کے میقات اور راستے سے جانا (۳) احرام کے واسطے غسل کرنا (۴) مخصوص لباس زیب تن کرنا (۵) اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا (۶) متعین تلبیہ پڑھنا (۷) تلبیہ ایک سے زائد مرتبہ پڑھنا اور بلند آواز سے پڑھنا۔

مستحبات......: (۱) احرام کے کپڑوں کا نیا ہونا یا اچھی طرح صاف ہونا (۲) ایسے جوتے پہننا جن میں ٹخنے چھپے ہوئے نہ ہوں (۳) دو رکعت نماز کے فوراً بعد بیٹھے ہوئے احرام کی نیت کرنا (۴) اپنے میقات سے پہلے احرام باندھنا، بشرطیکہ محظوراتِ احرام سے خود کو بچا سکتا ہو۔(۴)

مکان کے اعتبار سے احرام کے مختلف احکام:

مکان کے اعتبار سے احرام کا حکم مختلف ہو سکتا ہے، مثلاً:

(۱) واجب: کسی بھی میقات تک پہنچنے کے بعد احرام واجب ہوتا ہے۔

(۲) سنت: اپنے شہر یا ملک کے مقررہ میقات سے احرام باندھنا سنت ہے۔

---

(۱) فتح القدیر، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۳۳۷، غنیة الناسك، باب الإحرام، فصل في ماهية الإحرام، ص: ٦٥

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام: ۱/۲۲۱، ۲۲۲

(۳) الفتاوی الهندية، حواله بالا ۱/۲۲۱، غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في واجبات الإحرام و شرائطه، ص: ٦٦

(٤) غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في واجبات الإحرام و سننه، ص: ٦٧

(۳) مستحب: مستحب یہ ہے کہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھ لے۔(۱)

محرماتِ احرام:

(۱) میقات سے احرام مؤخر کرنا (۲) احرام کے ممنوعات کا ارتکاب کرنا (۳) واجبات چھوڑنا (۲)

مکروہاتِ احرام:

(۱) اشہر الحج سے پہلے حج کے لیے احرام باندھنا (۲) محظورات سے بچنے کی طاقت نہ رکھتے ہوئے بھی میقات سے پہلے احرام باندھنا (۳) بلا غسل اور بلا وضو احرام باندھنا (۴) احرام کی سنتوں کو ترک کرنا (۵) قارن کا عمرہ سے پہلے حج کے لیے احرام باندھنا (۶) مکی شخص کا اشہر حج کے دوران حج وعمرہ کرنا۔(۳)

احرام کی کیفیت:

پہلے غسل یا وضو کر لے، تاہم غسل افضل ہے۔ یہ غسل چونکہ محض نظافت کے لیے ہے، اس لیے حیض ونفاس کے ہوتے ہوئے بھی سنت ہے۔ ناخن تراش لے، مونچھیں کاٹ لے، بغل، زیر ناف وغیرہ کے بال صاف کر لے، بدن کو صابن وغیرہ سے اچھی طرح دھولے، پھر سلے ہوئے کپڑے اتار کر مخصوص چادریں پہن لے، ایک کو ناف اور اس کے نیچے تک باندھ لے اور ایک سے پشت اور سینہ چھپالے، البتہ ضروری ہے کہ یہ چادر دائیں مونڈھے کے بغل سے بائیں مونڈھے کے اوپر گزار لے تاکہ دایاں مونڈھا اوپر سے کھلا رہے۔ یہ عمل اضطباع کہلاتا ہے۔ یہ عمل صرف طواف میں ہوگا۔ خوشبودار یا بلا خوشبو تیل بھی لگائے۔ بدن کے لیے کوئی بھی خوشبو استعمال کر سکتا ہے، البتہ کپڑوں پر ایسی خوشبو استعمال کرے جس کی خوشبو تو باقی رہے، لیکن رنگ باقی نہ رہے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور فوراً احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنا شروع کر دے۔ احرام کی ایک صورت فعلی بھی ہے، تاہم وہ آج کل ناممکن ہوتی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے لے اور اس کے گلے میں ''ذبیحۂ حج'' ہونے کی خاص علامت ''قلادہ'' لٹکا دے۔ یہ قربانی نفلی ہو یا نذر یا کسی جنایت پر دم، بہر صورت احرام کے لیے کافی ہے۔(۴)

---

(۱) غنیۃ الناسک، باب الإحرام، فصل فی واجبات الإحرام وسننه، ص:٦٧

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الرابع فی ما یفعله بعد الإحرام و ما لا یفعله: ١/٢٢٤، غنیۃ الناسك، فصل فی محرمات الإحرام ومحظوراته، ص:٨٥ (٣) غنیۃ الناسك، باب الإحرام، فصل فی ما ینبغی لمرید الاحرام......، ص:٦٧

(٤) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الثالث فی الإحرام: ١/٢٢٢_٢٢٣

تلبیہ:

تعریف......تلبیہ کا لغوی معنی ہے: کسی بلانے والے کا جواب دینا۔ حج کے دوران استعمال ہونے والا لفظ "لبیک" اس سے ہے۔ جس کا معنی ہے "أقمت ببابك إقامة بعد أخرى و أجبت ندائك مرة بعد أخرى" کہ اے میرے رب میں تیرے بلانے پر تیرے در پہ حاضر ہوں اور بار بار حاضر ہوں۔(۱)

تلبیہ کا حکم......حنفیہ کے ہاں احرام کے لیے ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ سے زیادہ پڑھنا سنت ہے۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں جاتے ہوئے تلبیہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، جب کہ حالت بدلے بغیر تلبیہ کی کثرت مستحب ہے۔(۲)

تلبیہ کے الفاظ......تلبیہ کے وہ الفاظ جو بالاتفاق رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، وہ یہ ہیں:

"لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، إن الحمد، والنعمة لك، والملك لاشريك لك".(۳)

تلبیہ کے الفاظ کے درمیان کمی کرنا یا زیادتی کرنا مکروہ ہے، البتہ ان الفاظ سے پہلے یا بعد میں زیادتی کرنا جائز ہے۔

تلبیہ کی شرائط......تلبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ زبان سے اس پر تکلم کرلے اور کم از کم خود سن لے، جبکہ دوسری شرط یہ ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ تلبیہ پڑھ لے۔

تلبیہ کی سنتیں......ایک مرتبہ سے زائد اور بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا سنت ہے۔ اس طرح فرض نمازوں کے بعد اور چڑھائی اور اترائی پر کثرت سے تلبیہ پڑھنا بھی سنت ہے۔

تلبیہ کا قائم مقام......مخصوص تلبیہ پڑھنا اگرچہ سنت ہے، تاہم حنفیہ کے ہاں کوئی بھی ذکر جس میں اللہ تعالیٰ کی عزت وعظمت پر دلالت ہورہی ہو، تلبیہ کا قائم مقام بننے کے لیے کافی ہے۔(۴)

---

(۱) حاشية الطحطاوي، كتاب الحج، فصل في كيفية تركيب أفعال الحج، ص:۶۰۲، الموسوعة الفقهية، مادة تلبية:۱۳/۲۶۰ (۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام:۱/۲۲۲، غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في صفة التلبية، ص:۷۴ (۳) الصحيح للمسلم، باب حجة النبي ﷺ:۱/۳۹۵، ايچ ايم سعيد (۴) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام:۱/۲۲۲، ۲۲۳، غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في كيفية الإحرام وصفة التلبية، ص:۷۴، ۷۵، الدر المختار، كتاب الحج، فصل في الإحرام:۳/۴۹۲

قربانی کے جانور کو اپنے ساتھ لے جانا......: قربانی کے جانور کو اپنے ساتھ مکہ لے جانا بھی تلبیہ کا قائم مقام ہے، تاہم اس کے لیے تین شرائط ہیں۔

(۱) جانور لے جانے سے احرام کی نیت کی ہو۔

(۲) جانور کو مکہ مکرمہ کی طرف لے جائے۔

(۳) خود بھی جانور کے ساتھ ہو۔ اگر کسی اور آدمی کے ہاتھ سے جانور بھیج رہا ہو تو ضروری ہے کہ میقات میں داخل ہونے سے پہلے پہلے خود اس جانور کے ساتھ میقات میں داخل ہو جائے، البتہ اگر جانور قِران یا تمتع کا ہو اور اشہر حج ہوں تو استحساناً خود جانا شرط نہیں۔(۱)

تلبیہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے؟

احرام کے لیے غسل کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لے اور نماز پڑھ لینے کے بعد فوراً آسانی کی دعا کر لے، حج کی نیت کر لے اور تلبیہ پڑھنا شروع کر دے۔ حاجی (مفرد، متمتع اور قارن) یوم النحر کے دن جمرہ عقبہ پر رمی کرتے وقت تلبیہ پڑھنا چھوڑ نے دے، جب کہ عمرہ ادا کرنے والا شخص طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کا استیلام کرنے لگے تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے۔(۲)

میقات:

تعریف......: میقات توقیت سے ہے جس کا معنی ہے ''کسی شے کے لیے ایسا وقت مقرر کرنا کہ وہ شے اسی وقت کے ساتھ مختص ہو جائے''۔ تاہم اس لفظ میں توسع کو مدِ نظر رکھ کر اس مخصوص مکان کو بھی ''میقات'' کہا جاتا ہے جو کسی شے کے لیے حد بندی کے طور پر مقرر کیا جائے۔

اصطلاحِ شریعت میں احرام کے لیے دو قسم کے میقات مقرر ہیں: میقات زمانی اور میقات مکانی۔ میقاتِ زمانی سے مراد اشہر الحج ہیں، جب کہ میقاتِ مکانی سے مراد وہ مخصوص پانچ مقامات ہیں جہاں پہنچ کر گزرنے والے کو احرام باندھنا ہوتا ہے اور احرام باندھے بغیر ان مقامات سے گزرنا جائز نہیں ہوتا۔(۳)

(۱) غنية الناسك، باب الإحرام، فصل فيمايقوم مقام التلبية، ص: ۷۶، ۷۷، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، فصل في الإحرام، مطلب في مايصيربه محرما: ۳/ ۴۹۳، ۴۹۴

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثالث: ۱/ ۲۲۳، والباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/ ۲۳۱

(۳) غنية الناسك، باب المواقيت، ص: ۴۹، ۵۰، الموسوعة الفقهية، مادة إحرام: ۲/ ۱۴۱، ۱۴۲

میقات کا حکم:

حنفیہ کے ہاں احرام باندھے بغیر کسی بھی آفاقی شخص کے لیے میقات سے گزرنا جائز نہیں، اگرچہ وہ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور حاجت کے لیے مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہو۔ اگر بلا احرام میقات میں داخل ہو جائے تو اس پر گناہ کے علاوہ دم بھی لازم ہوگا اور اگر تمام میقاتوں سے بلا احرام گزر کر مکہ میں داخل ہو تو اس پر حج یا عمرہ ادا کرنا بھی واجب ہوگا۔

میقات کے اندر رہنے والے لوگ حج وعمرہ کے علاوہ کسی اور حاجت کے لیے بغیر احرام باندھے مکہ داخل ہو سکتے ہیں، اسی طرح مکی شخص اگر کسی حاجت کے لیے باہر آجائے تو اس کے لیے بغیر احرام باندھے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ اگر آفاقی شخص میقاتی یا مکی بن جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔(۱)

میقات مکانی کی قسمیں:

مواقع اور مواضع کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے لیے میقات کا بھی الگ حکم ہے۔

(۱) آفاقی......: مواقیتِ خمسہ کے باہر جو لوگ ہوں، ان کو آفاقی کہتے ہیں۔

(۲) میقاتی......: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو میقات کے حدود کے اندر رہتے ہوں۔ تاہم حرم کے حدود سے باہر ہوں۔

(۳) الحرمی......: حرمِ مکہ کے اندر رہنے والا شخص حرمی کہلاتا ہے۔

(۴) المکی......: مکہ مکرمہ میں رہنے والے لوگ مکی کہلاتے ہیں۔ حرمی اور مکی شخص کے احکام یکساں ہیں۔

آفاقی شخص کا میقات:

یہ مواقیت پانچ ہیں:

(۱) ذوالحلیفہ ......: اہل مدینہ یا وہ لوگ جو مدینہ سے گزرتے ہوں، ان کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔ عوام الناس کے ہاں آج کل اس جگہ کو "أبیار علی" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(۲) الجحفہ......: اہل شام، مصر اور اہل مغرب کے لیے میقات جحفہ ہے، تاہم ان لوگوں کے لیے مقامِ رابغ سے احرام

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت: ۱/ ۲۲۱، والباب العاشر في مجاوزة الميقات بلا إحرام: ۱/ ۲۵۳، غنية الناسك، باب مجاوزة الميقات بلا إحرام، فصل في مجاوزة الآفاقي وقته، ص: ۶۰، ومطلب في دخول الآفاقي مكة بغير إحرام، ص: ۶۲، ۶۳

باندھنے میں زیادہ احتیاط ہے، اس لیے کہ مقام جحفہ کی تعیین میں کچھ ابہام موجود ہے۔

(۳) قرن المنازل......: یہ اہلِ نجد کا میقات ہے، آج کل اس کو "السیل" کہتے ہیں۔ یہ تمام میقاتوں میں مکہ کے زیادہ قریب ہے۔

(۴) یلملم......: اہلِ یمن، تہامہ اور اہلِ ہند کا میقات یلملم ہے۔

(۵) ذاتِ عرق......: اہلِ عراق اور اہلِ مشرق کا میقات ذاتِ عرق ہے۔

میقاتی یا بستانی شخص کی میقات:

میقاتی اور بستانی لوگوں کی میقات وہ تمام جگہ ہے جو مواقیت اور حرم کے مابین ہے۔ اس علاقے کو حل کہتے ہیں جس کی انتہا حدودِ حرم تک ہے، لہٰذا حدودِ حرم شروع ہونے تک کا علاقہ ان لوگوں کے لیے میقات شمار ہوگا۔

حرمی اور مکی لوگوں کی میقات:

آفاقی اور میقاتی لوگوں کے برعکس مکی اور حرمی لوگوں کے لیے حج اور عمرہ کے میقات الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کا میقات حج کے لیے حرم ہی ہے، یعنی حرم کے اندر اپنے گھروں سے حج کے لیے احرام باندھیں اور عمرہ کے لیے حرم سے باہر آکر حل میں میقات تنعیم سے احرام باندھیں۔ حنفیہ کے ہاں یہی افضل ہے۔

نوٹ:

اپنے میقات سے بلا احرام گزرنے والا شخص اگر راستے میں کسی اور میقات سے احرام باندھ لے تو جائز ہے۔ کشتی یا ہوائی جہاز میں سفر کرنے والا شخص جس میقات کا محاذی ہو، اسی سے احرام باندھ لے۔ اگر دو میقات کے درمیان سفر کر رہا ہو تو تحری کر کے کسی ایک سے احرام باندھ لے، تاہم دور والے میقات سے احرام باندھنا افضل ہے۔(۱)

طواف:

تعریف......: طواف کا لغوی معنی ہے، کسی شے کے ارد گرد چکر لگانا اور گھومنا، جب کہ اصطلاحِ شریعت میں بیت اللہ شریف کے ارد گرد مخصوص انداز میں چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں۔(۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، غنية الناسك، باب المواقيت، فصل وأما الميقات المكاني، ص: ۵۰-۵۸، الموسوعة الفقهية، مادة إحرام: ۲/۱۴۵-۱۴۸

(۲) غنية الناسك، باب في ماهية الطواف وأنواعه وأركانه، ص: ۱۰۹، الموسوعة الفقهية، مادة طواف: ۲۹/۱۲۰.

طواف کی قسمیں:

سبب مشروعیت کے اعتبار سے طواف کی سات قسمیں ہیں: طواف القدوم، طواف الزیارۃ، طواف الوداع، طواف العمرۃ، طواف النذر، طواف تحیۃ المسجد الحرام، اور طواف التطوع۔ ان میں سے ہر ایک کے احکام کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) طواف القدوم:

اس کو طواف القادم، طواف الورود، طواف التحیۃ اور طواف اللقاء بھی کہتے ہیں۔ آفاقی شخص کے لیے مذکورہ طواف سنت ہے، بشرطیکہ وہ مفرد یا قارن ہو، معتمر، متمتع، مکی اور میقاتی شخص کے لیے مذکورہ طواف سنت نہیں۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یوم عرفہ تک اس کی ادائیگی ہو سکتی ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے فوراً بعد اس کو ادا کیا جائے۔

کیفیت......: طوافِ قدوم کی ادائیگی کی کیفیت طوافِ زیارت کی طرح ہے، البتہ اس میں نہ تو اضطباع ہے اور نہ رمل اور نہ ہی اس طواف کے لیے کوئی سعی ہے، تاہم اگر کوئی شخص حج کی سعی طوافِ قدوم کے بعد ادا کرنا چاہے تو پھر اس کے لیے طوافِ قدوم میں رمل اور اضطباع کرنا مسنون ہے، اس لیے کہ ہر جگہ وہ طواف جس کے بعد سعی ہو، اس میں رمل اور اضطباع مسنون ہوتا ہے۔ (۱)

(۲) طواف الزیارۃ:

۱۰ ذی الحج کو جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق یا قصر کے بعد مکہ آکر بیت اللہ شریف کا طواف کرنا طوافِ زیارت کہلاتا ہے۔ اس کو طوافِ افاضہ، طواف یوم النحر اور طوافِ رکن بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق حج کے ارکان میں سے اہم رکن ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو طواف کیا جائے، تاہم ۱۱ اور ۱۲ ذی الحج کو بھی طواف کیا جا سکتا ہے۔ طوافِ زیارت کے بعد بیوی کے پاس جانا بھی حلال ہو جاتا ہے۔ (۲)

---

(۱) غنیة الناسك، باب دخول مكة وحرمها، فصل في أحكام طواف القدوم، ص: ۱۰۸، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في سنن الحج وترتيب أفعاله: ۳/۱۱۹، ۱۲۰

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۳۱، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في طواف الزيارة: ۳/۶۷، ۶۸، الموسوعة الفقهية، مادة طواف: ۲۹/۱۲۲

طواف کے فرائض اور ارکان:

طواف کے فرائض یہ ہیں:

(۱) بیت اللہ کے اردگرد طواف کرنا۔

(۲) طواف خود کرنا، چاہے اپنے فعل سے کرے یا کسی اور کے فعل سے کرے۔

(۳) سات چکروں میں اکثر، یعنی چار چکر لگانا بھی حنفیہ کے ہاں فرض ہے۔ آخری تین چکر واجب ہیں۔ (۱)

طواف کی شرائط:

ان میں سے پہلی دو شرائط خصوصی طور پر طوافِ زیارت کے لیے ہیں جب کہ بقیہ شرائط عام ہیں۔

(۱) وقت: حنفیہ کے ہاں طوافِ زیارت کے لیے مخصوص وقت ایام نحر، یعنی تین دن (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحج) ہیں۔

(۲) وقوفِ عرفہ کو طوافِ زیارت پر مقدم کرنا یعنی پہلے سے وقوفِ عرفہ کر چکا ہے۔

(۳) نیت: محض طواف کی نیت کرنا بھی کافی ہے۔ تعین ضروری نہیں۔ نیت کیے بغیر کسی بھی صورت میں بیت اللہ کے گرد گھومنا طواف نہیں کہلائے گا۔

(۴) اسلام۔

(۵) مسجدِ حرام کے اندر طواف کرنا، چاہے زمین پر ہو یا اوپر چھت پر ہو۔ (۲)

طواف کے واجبات:

طواف کے واجبات سات ہیں جن کے چھوڑنے سے اعادہ واجب ہوتا ہے۔ اعادہ کا وقت گزرنے (مکہ سے واپس آنے) کے بعد اس کے بدلے دم واجب ہوگا۔

(۱) حدثِ اکبر (جنابت، حیض ونفاس) اور حدث اصغر سے پاک ہونا۔

(۲) سترِ عورت، یعنی شرعاً پوشیدہ اعضا کو چھپانا۔

(۳) تندرست انسان کا پیدل طواف کرنا۔

---

(۱) غنیة الناسك، باب في ماهية الطواف......، فصل في أركان الطواف وشرائطه، ص:۱۰۹، بدائع الصنائع، فصل في ركن الزيارة: ۲/ ۶۷، ۶۸

(۲) غنية الناسك حواله بالا، بدائع الصنائع، فصل في شرائط طواف الزيارة وواجباته: ۳/ ۶۸، ۶۹

(۴) داہنی طرف سے طواف شروع کرنا۔

(۵) حطیم کی دیوار سے باہر طواف کرنا۔

(۶) سات چکروں میں سے آخری تین چکر لگانا (کیونکہ طواف کے سات چکروں میں پہلے چار فرض ہیں جب کہ آخری تین واجب)

(۷) ہر طواف کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا۔(۱)

طواف کی سنتیں:

طواف کی سنتیں یہ ہیں: ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو، اس میں اضطباع اور رمل کرنا، پہلے تین چکروں میں رمل کرنا اور بقیہ چار میں وقار کے ساتھ چلنا، طواف کے اول وآخر اور ہر چکر کی ابتدا میں حجر اسود کا استیلام کرنا، حجر اسود سے طواف کی ابتدا کرنا، طواف کے چکروں کے درمیان موالات اور تسلسل کا خیال رکھنا، نجاست حقیقی سے کپڑوں اور بدن کو صاف رکھنا، حجر اسود کے سامنے تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اُٹھانا اور ابتدائے طواف میں حجر اسود کی طرف مکمل متوجہ ہونا اور چہرہ پھیرنا سنت ہے۔(۲)

طواف کے مستحبات:

حجر اسود کو تین مرتبہ بوسہ دینا، رکن یمانی کا استیلام کرنا، طواف کے دوران ذکر واذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنا، آواز کو پست رکھنا، حتی المقدور بیت اللہ کے قریب طواف کرنا، بلاضرورت باتوں سے اجتناب کرنا اور ہر وہ کام نہ کرنا جو خشوع کے منافی ہو، طواف کے دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد آب زم زم پینا، طواف کے بعد ملتزم سے لپٹ کر دعا کرنا اور طواف کو درمیان میں چھوڑنے یا مکروہ فعل کے ارتکاب کے بعد از سرنو طواف کرنا مستحب ہے۔(۳)

طواف کے محرمات:

(۱) حجر اسود کے بغیر کسی اور جگہ سے طواف شروع کرنا۔

(۲) بیت اللہ شریف کی طرف رخ کیے ہوئے طواف کرنا۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في شرط طواف الزيارة وواجباته: ۳/۶۹-۷۰، غنية الناسك، فصل في واجبات الطواف، ص: ۱۱۲-۱۱۶، إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي قاري، ص: ۱۶۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرط طواف الزيارة وواجباته: ۳/۶۹-۷۰، غنية الناسك، باب في ماهية الطواف ...... فصل وأما سنن الطواف، ص: ۱۱۸-۱۲۰

(۳) غنية الناسك، باب في ماهية الطواف، فصل وأما مستحبات الطواف، ص: ۱۲۰-۱۲۲

(۳)سات چکروں میں سے کسی بھی چکر میں کمی کرنا۔

(۴)واجباتِ طواف چھوڑنا۔(۱)

مکروہات:

(۱)ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں ذکر کرنا۔

(۲)بے فائدہ باتیں اور خرید وفروخت کرنا۔

(۳)کوئی چیز کھانا۔

(۴)نجس کپڑوں میں طواف کرنا۔

(۵)حجر اسود کی طرف رُخ کرنے سے پہلے ہاتھ اٹھانا۔

(۶)پیشاب کی ضرورت کے وقت یا غصہ وبھوک میں طواف کرنا۔

(۷)حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور چیز کا استیلام کرنا۔

(۸)طواف میں خشوع سے غافل کرنے والے اعمال کا ارتکاب کرنا۔(۲)

سلام یا چھینک کی دعا، ضرورت کی باتیں، پانی پینا، افتا یا استفتا، پاک جوتوں، پاک موزوں میں طواف کرنا، دِل میں قرآن پڑھنا، کوئی مفید شعر کہنا، عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا وغیرہ چیزیں طواف میں مباح ہیں۔(۳)

(۳)طواف وداع:

اس طواف کو طواف وداع اور طواف آخر عہد بالبیت یا طواف واجب بھی کہا جاتا ہے۔حج کے اعمال کی ادائیگی کے بعد یہ سب سے آخری عمل ہے۔طوافِ زیارت کے بعد ہی سے اس کی ادائیگی کا وقت شروع ہوتا ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ جب مکہ سے روانگی کا قصد کرلے تو اسی وقت یہ طواف ادا کرے۔طواف کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ لے، زم زم کے پاس آکر قبلہ رخ ہو کر پانی پیے اور اس سے سر، چہرے اور بدن کو مسح کرے، ملتزم پر آکر خوب روئے اور دعا کرے، غلافِ کعبہ کو تھامے، اپنے رخسار کو دیوارِ کعبہ سے لگائے تکبیر وتہلیل اور اذکار کا اہتمام کرے اور حسرت زارار اور پرنم آنکھوں سے اس طرح واپس ہو کہ جاتے ہوئے چہرہ اب بھی کعبہ کی طرف ہو۔

---

(۱) غنیة الناسك،باب في ماهية الطواف،فصل و أما محرماته،ص:١٢٦

(۲) غنیة الناسك،باب في ماهية الطواف،فصل و أما مكروهاته ،ص:١٢٦

(۳) غنیة الناسك،باب في ماهية الطواف،فصل و أما مباحات الطواف ،ص:١٢٥

طوافِ وداع کے وجوب کی شرطیں:

(۱) حاجی آفاقی ہو، مکی یا میقاتی نہ ہو۔

(۲) عورت حیض ونفاس سے خالی ہو۔

(۳) یہ شخص حج ادا کرنے والا ہو، چاہے مفرد ہو، متمتع ہو یا قارن ہو۔ عمرہ کرنے والے شخص پر طوافِ وداع نہیں۔(۱)

(۴) طواف العمرۃ:

یہ عمرہ کا رکن ہے۔ اس کا اول وقت احرام باندھنے سے شروع ہوتا ہے اور آخری وقت متعین نہیں۔

(۵) طواف النذر:

یہ واجب ہے، تاہم وقت کی تعیین وعدم تعیین کا دارومدار نذر ماننے والے کے الفاظ پر ہے۔

(۶) طواف تحیۃ المسجد:

مسجد حرام میں داخل ہونے والے ہر شخص کے لیے یہ طواف مستحب ہے وہ احرام کی حالت میں ہو یا نہ ہو، البتہ اگر داخل ہونے والے کے ذمے کوئی اور طواف ہو جیسے طوافِ عمرہ یا طواف قدوم تو اس کے ضمن میں یہ طواف بھی ادا ہو جائے گا۔

(۷) طواف التطوع، یعنی نفلی طواف:

یہ طواف کسی خاص وقت کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ جمہور فقہائے کرام کے ہاں نماز کے مکروہ اوقات میں بھی ادا ہوسکتا ہے، تاہم جس شخص کے ذمے کوئی ضروری طواف ہو تو اس کے لیے اولاً نفل طواف ادا کرنا درست نہیں۔ نفلی طواف شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے۔ یہی حکم طوافِ تحیۃ المسجد اور طوافِ قدوم کا بھی ہے۔(۲)

وقوفِ عرفہ:

وقوفِ عرفہ کا رکن اور مقدارِ رکن:

وقوفِ عرفہ کا رکن یہ ہے کہ یومِ عرفہ کو زوال شمس کے بعد میدان عرفات میں ٹھہر جائے، چاہے جس حالت میں بھی ہو، نیت کی ہو یا نہ کی ہو، عرفہ کے دن کا علم ہو یا نہ ہو، حالتِ نیند، نشہ، جنون، بے ہوشی وغیرہ میں ہو یا بہ ہوش

۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الخامس في کیفیة أداء الحج: ۱/ ۲۳۴_۲۳۶

۲) غنیة الناسك، باب فی ماهیة الطواف وانواعه، ص: ۱۰۹، الموسوعة الفقهیة، مادة طواف: ۲۹/ ۱۲۲، ۱۲۳

وحواس ہو، پاک ہو یا حالتِ جنابت، حیض ونفاس میں ہو، بس ایک لحظہ کے لیے میدانِ عرفات میں آنا ضروری ہے۔

وقوفِ عرفہ کی شرطیں:

اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔

(۱) وقوف میدانِ عرفات میں ہو، جہاں کہیں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو، البتہ ''بطن عرنہ'' کا علاقہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہاں پر وقوف کرنے سے رکن ادا نہیں ہوگا۔

(۲) وقوف اپنے مخصوص وقت میں ہو، یعنی یوم عرفہ (۹ ذی الحج) کو زوالِ شمس سے لے کر یوم النحر (۱۰ ذی الحج) کے طلوعِ فجر تک کسی بھی وقت وقوف کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ ایامِ حج میں راتیں گزشتہ دنوں کے تابع ہوتی ہیں۔ یہ قاعدہ صرف ایامِ حج میں جاری ہوتا ہے۔

(۳) حاجی حجِ صحیح کے احرام میں ہو، غیر احرام کی حالت میں ہونا، عمرے یا حجِ فاسد کے احرام میں ہونا فرضیتِ وقوف کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں۔ وقوف کی نیت کرنا اور کھڑے ہو کر وقوف کرنا حنفیہ کے ہاں مستحب ہے، شرط یا واجب نہیں۔(۱)

وقوفِ عرفہ کی اہمیت:

رکن ہونے میں یہ طوافِ زیارت سے زیادہ قوی ہے، لہٰذا اس میں من کل وجہ احرام کا ہونا ضروری ہے۔ وقوف سے پہلے جماع کرنا حج کو فاسد کر دیتا ہے، جبکہ طوافِ زیارت سے قبل جماع کرنے سے صرف دم واجب ہوتا ہے، حج فاسد نہیں ہوتا۔ وقوف کے بعد بیوی کے علاوہ احرام کی باقی تمام ممنوعات جائز ہو جاتی ہیں۔(۲)

وقوف کی واجب مقدار:

اگر حاجی دن کے وقت وقوف کر رہا ہو تو واجب ہے کہ غروبِ شمس تک میدان میں ٹھہرا رہے۔ اگر غروبِ شمس سے پہلے وہ عرفات کی حدود سے باہر نکل گیا اور واپس نہیں آیا، یا واپس تو آ گیا لیکن غروبِ شمس کو میدانِ عرفات سے باہر پایا تو اس پر دم واجب ہوگا، چاہے وہ امام ہو یا کوئی اور شخص ہو اور چاہے خود نکل گیا ہو یا سواری کے بدک جانے سے بلا اختیار نکل گیا ہو۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۲۹، غنية الناسك، باب مناسك عرفات، فصل في شرائط صحة الوقوف، ص: ۱۵۷

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۹، التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الثاني في بيان ركن الحج وكيفية وجوبه: ۲/۳۳۱

اور اگر حاجی رات کے وقت میدانِ عرفات آیا تو معمولی ٹھہرنا بھی کافی ہو جائے گا۔رات کے وقت وقوف کے لیے کوئی واجب نہیں، بلکہ تھوڑا سا وقت گزار کر مزدلفہ جانا شروع کردے۔(۱)

وقوفِ عرفہ کی سنتیں:

غسل کرنا،زوال کے بعد اور نمازِ ظہر سے قبل دو خطبے سننا،نمازِ ظہر وعصر کو جمع کر کے ادا کرنا،ضعیف شخص کے لیے روزہ نہ رکھنا،باوضو رہنا،امام (امیرِ حج) کے قریب رہنا،حضورِ قلب اور پست آواز کے ساتھ دعائیں پڑھنا،سیاہ چٹانوں کے قریب وقوف کرنا،دعا،تلبیہ اور استغفار کثرت سے پڑھنا مسنون ہے۔(۲)

وقوفِ عرفہ کی مکروہات:

یومِ عرفہ کو عمرہ کے لیے احرام باندھنا،چلنے میں ایسی تیزی کرنا،جس سے دوسروں کو تکلیف کا اندیشہ ہو،کمزوری اور سستی کے باوجود (روزہ رکھنا) وغیرہ وقوفِ عرفہ کے مکروہات ہیں،اسی طرح عرفہ کی سنتوں میں کسی کو بلاضرورت چھوڑنا بھی مکروہ ہے۔(۳)

عرفہ کے دن جمع بین الصلاتین کی شرائط:

جمہور فقہائے کرام کے ہاں عرفہ کے دن نمازِ ظہر وعصر کو ظہر کے وقت ایک ساتھ پڑھنا حج کے مسنون مناسک میں سے ہے۔زوال کے بعد مؤذن آذان دے گا اور امام منبر پر جمعہ کے دن کی طرح دو خطبے پڑھنے کے بعد اتر کر دو الگ الگ اقامتوں کے ساتھ نمازِ ظہر وعصر ادا کرے گا۔جن میں خفیہ قرأت ہوگی ،دونوں نمازوں کے مابین اگر نفلی نماز،اکل وشرب یا کوئی اور عمل آگیا تو پھر عصر کی نماز کے لیے دوبارہ اذان دینی ہوگی۔اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں۔حنفیہ کے ہاں اس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

(۱) عصر کی نماز ظہر کی نماز پر مرتب ہونا،البتہ اگر کسی وجہ سے ظہر کی نماز فاسد ہو جائے تو عصر کا بھی اعادہ واجب ہوگا۔

(۲) وقت،یعنی یومِ عرفہ کا ہونا اور ظہر کا وقت ہونا۔

(۳) مکان،یعنی میدانِ عرفات کا ہونا۔

---

(۱) غنیة الناسك،باب مناسك عرفات،فصل في ركن الوقوف وقدر الواجب فيه،ص:۱۵۹،الفتاوی الهندية،الباب الخامس في كيفية أداء الحج:۱/۲۲۹،ردالمحتار على الدرالمختار،كتاب الحج،مطلب في الدفع من عرفات:۳/۵۲۴

(۲) غنية الناسك،باب مناسك عرفات،فصل في ركن الوقوف وسننه،ص:۱۶۰

(۳) الموسوعة الفقهية،مادة يوم عرفة:۴۵/۳۲۹_۳۳۱

(۴) حج کے احرام میں ہونا۔(۵) جماعت کا ہونا۔

(۶) حاکم وقت یا اس کے نائب کا نماز پڑھانا۔

مذکورہ شرائط میں اگر کوئی ایک بھی شرط نہ ہو تو حاجی کے لیے ایک وقت میں دو نمازیں پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے گا اور عصر اپنے وقت میں پڑھے گا۔(۱)

مزدلفہ کے احکام:

مزدلفہ تک پہنچنے کی کیفیت:

عرفہ کے دن غروبِ آفتاب تک حدودِ عرفات میں رہنا واجب ہے۔غروبِ آفتاب کے بعد مستحب یہ ہے کہ لوگ امام کے پیچھے پیچھے وقار کے ساتھ مزدلفہ کی طرف جائیں، تاہم کسی عذر یا جلدی کی وجہ سے اگر کوئی امام سے پہلے چلا جائے تو جائز ہے،لیکن یہ خیال رکھے کہ مغرب یا عشا کی نماز راستے میں کہیں بھی نہ پڑھے، بلکہ دونوں کو مزدلفہ اور وقتِ عشا تک مؤخر کردے۔

(۲) مزدلفہ میں جمع تاخیر کی کیفیت:

مستحب یہ ہے کہ جیسے ہی عشا کا وقت داخل ہو جائے تو اذان دی جائے،اقامت کی جائے اور مغرب کی نماز پڑھ لی جائے،مغرب کی نماز کے فوراً بعد (سنن پڑھے بغیر) بلا اذان و اقامت عشا کی نماز ادا کی جائے۔عشا کی نماز کے بعد مغرب وعشا کی سنتیں اور وتر پڑھ لے۔اگر درمیان میں کوئی نفلی یا سنت نماز پڑھ لی یا کوئی اور کام کیا تو عشا کی نماز کے لیے دوبارہ اقامت کرلے۔

جمع تاخیر کے واجبات:

(۱) مغرب کی نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے عشا کے وقت پڑھنا۔

(۲) عشا کی نماز کو مزدلفہ تک مؤخر کرنا،اگرچہ راستے میں عشا کا وقت داخل ہو جائے۔

(۳) اور مغرب کی نماز کو عشا کی نماز سے پہلے پڑھنا،تاہم مذکورہ واجبات میں کوئی بھی واجب رہ گیا تو دونوں نمازوں کا اعادہ بالترتیب واجب ہوگا،تاہم اگر اعادہ نہ کیا اور فجر کی نماز ادا کی تو دونوں نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب المناسك،الباب الخامس في کیفیة أداء الحج:۱/۲۲۸،الدرالمختارمع ردالمحتار،کتاب الحج، مطلب في شروط الجمع بین الصلاتین بعرفة:۳/۵۲۰،۵۲۱

جمع تاخیر کی شرائط:

(۱) حج کے احرام میں ہونا۔

(۲) وقوفِ عرفہ کا جمع تاخیر پر مقدم ہونا۔

(۳) وقت، یعنی عشا کا وقت ہونا۔

(۴) زمان، یعنی یوم عرفہ اور یوم النحر کی درمیانی رات کا ہونا۔

(۵) مکان، یعنی مزدلفہ میں ہونا، لہٰذا اگر کوئی شخص مزدلفہ کی بجائے کہیں اور رات گزارنا چاہے تو اس پر جمع بین الصلاتین واجب نہیں۔

(۶) دونوں نمازیں بالترتیب ادا کرنا۔

مزدلفہ میں رات گزارنے کی حیثیت:

حنفیہ کے ہاں مزدلفہ میں رات گزارنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

(عرفات میں) جمع تقدیم اور (مزدلفہ میں) جمع تاخیر کے درمیان فرق:

(۱) جمع تاخیر واجب ہے، جب کہ جمع تقدیم سنت ہے۔

(۲) جمع تاخیر میں سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط نہیں۔

(۳) جمع تاخیر میں جماعت بھی شرط نہیں، جب کہ جمع تقدیم میں شرط ہے۔

(۶) جمع تاخیر کے لیے خطبہ سنت نہیں، جب کہ جمع تقدیم کے لیے سنت ہے۔

(۵) جمع تاخیر ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ہے، جبکہ جمع تقدیم ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہے۔(۱)

وقوفِ مزدلفہ:

مزدلفہ میں رات گزارنا سنتِ مؤکدہ ہے، تاہم صبح صادق نکلنے کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک کا وقت یا اس کا کوئی معمولی حصہ کسی بھی حالت میں مزدلفہ میں گزارنا واجب ہے۔ طلوعِ فجر سے پہلے اور طلوعِ شمس کے بعد وقوف کا کوئی اعتبار نہیں۔ مذکورہ تمام وقت مزدلفہ میں گزارنا مسنون ہے۔ مزدلفہ میں کہیں بھی وقوف کرنا درست ہے،

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك،الباب الخامس في كيفية أداء الحج:۱/۲۳۰،ردالمحتار، كتاب الحج،مطلب في الدفع من عرفات: ۳/۵۲۴۔۵۲۶،غنية الناسك،باب أحكام مزدلفة،ص:۱۶۲۔۱۶۵

تاہم بطنِ محسر میں وقوف کرنا کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب وقوف کرے۔ مستحب یہ ہے کہ اندھیرے میں امام کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لی جائے، تاکہ وقوف کے لیے زیادہ وقت میسر ہو۔ فجر کی نماز اکیلے پڑھنا بھی جائز ہے۔ نماز سے پہلے اگر کسی شخص نے بغیر عذر کے مذکورہ وقوف چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہوگا، البتہ کسی عذر، مرض یا کمزوری کی وجہ سے اگر ہجوم سے بچتے ہوئے رات کے وقت مزدلفہ سے چلا جائے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس شخص پر بھی دم واجب نہیں جس کو مذکورہ وقت میسر نہ ہو سکے، مثلاً وہ تاخیر سے وقوف عرفہ کر رہا ہو اور آتے آتے اس سے وقوف مزدلفہ کا وقت فوت ہو جائے۔

وقوفِ مزدلفہ اور وقوف عرفہ میں فرق:

وقوفِ عرفہ میں غروبِ شمس سے پہلے عذر کی وجہ سے بھی نکلنا جائز نہیں، جب کہ وقوف مزدلفہ کو عذر کی وجہ سے چھوڑنا جائز ہے۔ فرق یہ ہے کہ عرفات میں امتدادِ وقوف مشرکین کی مخالفت کی وجہ سے واجب ہے، لہٰذا عذر کی وجہ سے چھوڑنا بھی موجب دم ہے۔(۱)

سعی:

تعریف......سعی کا لغوی معنی ہے، چلنا، دوڑنا اور عمل کرنا، جب کہ اصطلاح شریعت میں حج یا عمرے کے طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیانی مسافت سات مرتبہ کاٹنا سعی کہلاتا ہے۔(۲)

کیفیت......حنفیہ کے ہاں سعی حج کے واجبات میں سے ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حج یا عمرے کے طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت طواف کی نماز پڑھ لے، حجر اسود کا استیلام کرے اور باب صفا سے نکل جائے اور اس پر اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آئے، اوپر چڑھ کر بیت اللہ شریف کا استقبال کرے، دونوں ہاتھ اٹھائے، تین بار تکبیر کہے، تہلیل و تحمید اور درود پڑھے اور دعا کرے۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے، پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چڑھے، نشیبی حصے میں میلین اخضرین کے درمیان تیز دوڑے، مروہ پر بھی وہی افعال انجام دے۔ صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک الگ الگ سعی شمار ہوگی۔ سات مرتبہ سعی مکمل ہونے کے بعد مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام آکر دو رکعت نماز بھی پڑھ لے۔(۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك،الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/ ۲۳۰، ۲۳۱،ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۳/ ۵۲۹، ۵۳۰، غنية الناسك،باب أحكام مزدلفة،فصل في صفة الوقوف،ص:۱۶۵ـ۱۶۷

(۲) الموسوعة الفقهية،مادة سعي: ۲۵/ ۱۱ (۳) غنية الناسك،باب السعي بين الصفا والمروة،ص:۱۲۸ـ۱۳۰،الفتاوى الهندية، كتاب المناسك،الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/ ۲۲۶،۲۲۷

سعی کا رکن:

صفاومروہ کے مابین چلنا سعی کا رکن ہے، چاہے اپنے فعل سے ہو یا کسی کے تعاون سے، بہرصورت رکن کی ادائیگی کے لیے کافی ہے۔(۱)

سعی کا اصل وقت:

حج کی سعی کا اصل وقت یہ ہے کہ یوم النحر کو طواف زیارت کے بعد اس کو ادا کیا جائے، اس لیے کہ واجب کو فرض کے تابع کرنا زیادہ مناسب ہے، البتہ حج کے دوران ہجوم اور ازدحام کے پیش نظر حاجی کی آسانی کی خاطر سعی کو طوافِ قدوم کے بعد بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔(۲)

سعی کی مقدار:

سعی کی مقدار بالاتفاق سات چکر ہیں۔ اسی پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔(۳)

سعی کی شرائط:

(۱) خود سعی کرنا، اگرچہ کسی کے تعاون یا سواری کے ذریعے کیوں نہ ہو۔

(۲) صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا۔

(۳) سعی کا اکثر حصہ، یعنی چار چکر لگانا۔

(۴) اگر سعی وقوفِ عرفہ سے پہلے ہو تو شرط یہ ہے کہ سعی کرنے والا احرام کی حالت میں ہو، البتہ اگر طوافِ زیارت کے بعد ہو تو پھر احرام شرط نہیں۔

(۵) طواف یا طواف کے اکثر حصے (چار چکر) کے بعد سعی کرنا۔

(۶) اگر سعی حج کے لیے ہو تو وقت، یعنی ایام حج کا داخل ہونا بھی شرط ہے، تاہم ایام حج کا باقی رہنا شرط نہیں۔ ایام حج کے بعد بھی سعی ہو سکتی ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في ركن السعي:۳/۸۵،غنية الناسك،فصل في ركن السعي وشرائطه،ص:۱۳۱

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما وقته:۳/۸۶،۸۷

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الحج،فصل في قدرالسعي:۳/۸٤

(٤) بدائع الصنائع، كتاب الحج،فصل في شرائط جوازالسعي:۳/۸۵،۸۶،غنية الناسك،باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في ركن السعي وشرائطه،ص:۱۳۱،۱۳۲

سعی کے واجبات:

(۱) سعی ایسے طواف کے بعد ہو جو طواف حیض، نفاس اور جنابت کی حالت میں نہ ہو، اس لیے کہ سعی طواف کا تابع ہے اور حیض ونفاس کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں، لہذا ایسی سعی بھی تابع ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہوگی، تاہم آج کل چونکہ صفا اور مروہ مسجدِ حرام کی حدود میں ہیں، اس لیے کوئی سعی بھی حیض، نفاس اور جنابت کی حالت میں جائز نہیں۔

(۲) صفا ومروہ کے درمیان ترتیب، یعنی صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا۔

(۳) تندرست انسان کا پیدل سعی کرنا۔

(۴) آخری تین چکر لگا کر سعی کی تکمیل کرنا۔

(۵) عمرہ ادا کرنے والے کا احرام کی حالت میں ہونا (حاجی اگر طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنا چاہے تو احرام ضروری نہیں)۔

(۶) صفا ومروہ کے مابین تمام مسافت طے کرنا۔(۱)

سعی کی سنتیں:

سعی کی سنتیں یہ ہیں: سعی سے قبل حجرِ اسود کا استیلام کرنا، طواف اور سعی کے درمیان موالات، یعنی تسلسل کا خیال رکھنا، صفا ومروہ پر چڑھنا، بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا، تسلسل کا خیال رکھنا، میلین اخضرین کے درمیان تیز چلنا، یہ تمام سعی کی سنن ہیں۔

سعی کے مستحبات:

سعی کی نیت کرنا، ذکر اور دعاؤں کا اہتمام کرنا، صفا ومروہ پر زیادہ دیر ٹھہرنا، سعی سے فراغت کے بعد مسجدِ حرام میں دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔(۲)

سعی کے مکروہات:

بغیر عذر کے سوار ہو کر سعی کرنا، سعی کے مابین خلل کثیر آنا، خرید وفروخت اور بے فائدہ باتیں کرنا، بلا عذر صفا

---

(۱) غنیة الناسك، باب السعي بین الصفا والمروة، فصل فی واجبات السعي، ص:۱۳۳، ۱۳۴

(۲) غنیة الناسك، باب السعي بین الصفا والمروة، فصل فی سنن السعي وفصل فی مستحباته، ص:۱۳۵

ومروہ پر نہ چڑھنا، میلین اخضرین میں تیزی نہ دکھانا اور بغیر عذر کے کوئی سنت چھوڑنا مکروہات میں سے ہیں۔(۱)

رمی:

تعریف......لغت میں چھوٹے پتھروں کے ساتھ کسی چیز کو مارنا رمی کہلاتا ہے۔اصطلاحِ شریعت میں "مخصوص وقت، مخصوص مکان، مخصوص عدد اور مخصوص کیفیت کے ساتھ جمرات کو چھوٹے پتھر مارنا" رمی کہلاتا ہے۔(۲)

رمی کا حکم......رمی فقہائے کرام کے ہاں بالاتفاق واجب ہے۔جس کا وجوب حدیث قولی فعلی اور اجماع سے ثابت ہے۔(۳)

رمی کے ایام اور جمرات کی ترتیب......رمی چار دنوں میں کی جاتی ہے۔یوم النحر (۱۰ ذی الحج) کو صرف جمرہ عقبہ کی، جب کہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحج کو تینوں جمرات کی رمی جاتی ہے۔ان دنوں کو ایام تشریق یا ایام منیٰ بھی کہتے ہیں۔(۴)

رمی کے اوقات......حنفیہ کے ہاں رمی کے اوقات حکم کے اعتبار سے کئی قسم پر ہیں۔ان کی تفصیل درج ذیل ہیں:

(۱) ۱۰ ذی الحج کو طلوعِ فجر سے نفسِ جواز کا وقت شروع ہوتا ہے، تاہم طلوعِ شمس تک رمی کرنا مکروہ ہے۔طلوعِ شمس کے بعد زوال تک کا وقت مسنون ہے۔زوالِ شمس سے لیکر غروبِ شمس تک کا وقت مباح ہے۔جب کہ غروبِ شمس کے بعد اگلی صبح تک پھر مکروہ وقت شمار ہوتا ہے۔۱۱ ذی الحج کے طلوعِ فجر کے بعد مذکورہ رمی جائز ہے۔

(۲) ۱۱ اور ۱۲ ذی الحج کو حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق زوال کے بعد سے رمی کا وقت شروع ہوتا ہے، تاہم امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ زوال سے قبل بھی رمی کی جاسکتی ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔مذکورہ دو دنوں میں زوال سے مغرب تک کا وقت رمی کے لیے مسنون ہے، جب کہ غروبِ آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص ۱۳ ذی الحج کے طلوعِ فجر سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ سے نکل گیا تو اس پر ۱۳ ذی الحج کو رمی کرنا واجب نہیں، تاہم اگر وہ ۱۳ ذی الحج کے طلوعِ فجر تک منیٰ میں ٹھہر گیا اور منیٰ کے حدود سے باہر نہ نکل سکا تو اس پر ۱۳ تاریخ کی رمی واجب ہوگی۔امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ۱۳ ذی الحج کو رمی کے جواز کا وقت طلوعِ فجر سے غروبِ شمس تک ہے، تاہم

---

(۱) غنية الناسك، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في مكروهاته، ص:۱۳۶

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما تفسير رمي الجمار:۳/۹۱

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما رمي الجمار:۳/۹۰

(۴) غنية الناسك، باب رمي الجمار، فصل في أيام الرمي، ص:۱۸۰، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل وأما وقت الرمي: ۳/۹۱-۹۵، عالمگيری الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج:۱/۲۳۳

مسنون وقت زوال کے بعد سے لے کر غروب شمس تک ہے اور زوال سے پہلے رمی کرنا مکروہ ہے۔(۱)

رمی کن چیزوں سے جائز ہے؟

زمین کی جنس سے جو چیز بھی ہو، اس سے رمی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ چیز قیمتی نہ ہو، مثلاً: یاقوت، چاندی وغیرہ نہ ہو۔ فقہائے کرام کے ہاں پتھروں کی مقدار چھوٹی کنکریاں جو لوبیا کے دانے کے برابر ہوں۔ مستحب یہ ہے کہ پتھر پاک اور دھلے ہوئے ہوں۔ یہ بھی مستحب ہے کہ یہ پتھر مزدلفہ یا منیٰ کے راستے سے لے کر اکٹھے کیے جائیں۔ ایک پتھر کو توڑ کر ستر کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔

رمی کا مسنون طریقہ:

مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہے۔ ۱۰ تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں دعا نہ کرے۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کو جمرہ اولی اور وسطی پر رمی کرنے کے بعد تھوڑی دیر رکنا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس رمی کے بعد دوسری رمی نہ ہو، وہاں پر رکنا نہیں چاہیے۔ مذکورہ توقف میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔ یہ توقف ۲۰ آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ تاریخ کو بالترتیب جمرہ اولی، وسطی اور عقبہ کی رمی کرے۔ حنفیہ کے ہاں ترتیب سنت ہے، واجب نہیں۔

کنکری دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی (مسبحہ) اور انگوٹھی کی مدد سے پکڑے اور بقیہ تین انگلیوں کو موڑ لے، پھر رمی کر لے۔ رمی کرنے والے اور جہاں کنکری گرے، اس جگہ کے درمیان کم از کم پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ جمرہ کے قریب کھڑے ہو کر اس کے اوپر کنکری رکھنا رمی شمار نہیں ہوگی۔

کنکریوں کی تعداد کی مقدار:

یوم النحر اور تینوں ایام تشریق کے تمام رمی دس ہیں اور ہر رمی میں سات کنکریاں پھینکنا واجب ہے، لہذا ستر کنکریوں سے رمی کرنا مشروع ہے۔ ہر جمرہ کو سات الگ کنکریوں سے مارنا واجب ہے۔ اگر ایک ہی مرتبہ ساتوں کنکریاں مارے تو یہ ایک ہی کنکری کے حکم میں ہوگا، لہذا چھ اور کنکریاں مارنی ہوں گی۔ سات سے زیادہ کنکریاں مارنے میں کوئی قباحت نہیں۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل وأما وقت الرمي: ۳/ ۹۱-۹۵، الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/ ۲۳۳، ارشاد الساري، باب رمي الجمار وأحكامه، ص: ۲۶۲-۲۶۸

(۲) الفتاوی الهندية حواله سابقه: ۱/ ۲۳۳، ۲۳۴، ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة: ۳/ ۵۳۰-۵۳۴

رمی کی شرائط:

(۱) رمی اس طور پر ہو کہ اس میں پھینکنے کا معنیٰ پایا جائے۔

(۲) کنکری ہاتھ سے ماری جائے، کسی آلے سے نہیں۔

(۳) کنکری جمرہ کے اوپر یا اس کے اردگرد تین شرعی گز کے اندر لگ جائے۔

(۴) کنکری رمی کرنے والے کے اپنے فعل سے مطلوبہ جگہ پہنچ کر گر جائے۔ اگر کسی شخص کو لگ جائے اور وہ اسے اُٹھا کر پھینک دے تو یہ کافی نہیں۔

(۵) ہر ایک رمی کی سات کنکریوں کو ایک ایک کر کے الگ الگ مارے۔

(۶) قدرت کے ہوتے ہوئے خود رمی کرے، البتہ عذر کی وجہ سے رمی میں نیابت بھی جائز ہے۔

(۷) کنکری زمین کی جنس سے ہو۔

(۸) کنکری ایسی ہو جس سے مارنا اہانت اور تحقیر سمجھی جاتی ہو۔

(۹) رمی اپنے مخصوص وقت میں ہو۔

(۱۰) ہر رمی کی اکثر کنکریاں پھینکنا رمی کے جواز کے لیے شرط ہے۔(۱)

رمی فوت ہونے کا حکم:

اگر کسی شخص نے بلا عذر کسی دن کی رمی نہیں کی تو تیرہ ذی الحج تک اس کی قضا کر سکتا ہے، تاہم تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا، اسی طرح اگر دس ذی الحج کو سات اور دوسری تاریخوں میں اکیس کے نصف سے کم کنکریاں نہ مار سکا تو ہر کنکری کے بدلے نصف صاع صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اگر اکثر کنکریاں یا ایک دن کی مکمل رمی رہ گئی تو ایک دم واجب ہوگا۔ تمام تین دن کی رمی نہ کرنے کے بدلے بھی مجموعی طور پر ایک ہی دم واجب ہوگا۔ الگ الگ دن کے بدلے الگ الگ دم واجب نہیں ہوگا۔(۲)

---

(۱) إرشاد الساري، فصل في أحكام الرمي وشرائطه، ص:۲۷۱-۲۷۶، غنية الناسك، باب رمي الجمار، فصل في شرائط الرمي، ص:۱۸۷، ۱۸۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب ...

حلق اور تقصیر سے متعلقہ بعض اہم احکامات:

تعریف اور حکم:

حلق سے مراد منڈوانا اور قصر سے مراد تراشنا اور کاٹنا ہے۔ حنفیہ کے ہاں حلق یا قصر حج کے واجبات میں سے ہے۔(۱)

حلق اور تقصیر کے جواز کے لیے شرائط:

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حلق کے جواز کے لیے دو شرائط ہیں: زمان اور مکان۔

زمان......حلق اور قصر اگر حج کے لیے ہوں تو اس کے لیے مخصوص وقت ایام نحر کے تین دن ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ پہلے ہی دن حلق یا قصر کرے۔ اس کا ابتدائی وقت یوم النحر کے طلوعِ فجر سے شروع ہوتا ہے، تاہم واجب ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی اور قربانی کے بعد حلق کرلے، جب کہ آخری وقت ۱۲ ذی الحج کو غروبِ آفتاب تک ہے۔(۲)

مکان......حلق یا قصر کے لیے حنفیہ کے ہاں مخصوص مکان حرم ہے۔ عمرہ میں حلق کرنے کے لیے کوئی وقت شرط نہیں، بلکہ صرف مکان شرط ہے۔

حلق اور قصر کی کیفیت:

مردوں کے لیے حلق افضل ہے، جب کہ عورتوں کے لیے صرف قصر ہے۔ حلق عورتوں کے حق میں مکروہ تحریمی ہے۔ حلق کی واجب مقدار ربع رأس یعنی چوتھائی سر ہے۔ چوتھائی سر سے کم منڈوانا جائز نہیں، بلکہ خود چوتھائی سر منڈوانا بھی مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ تمام سر کا حلق کرائے۔

قصر کی واجب مقدار بھی یہی ہے یعنی چوتھائی سر کے بالوں سے ایک پورے کی مقدار تراشنا کافی ہے۔ علامہ کاسانیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس مقدار سے ذرا زیادہ کٹوائے، اس لیے کہ بالوں کی لمبائی میں عموماً تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا کچھ زیادہ کٹوائے، تاکہ تمام بالوں سے ایک انگلی کی مقدار کاٹے جانے کا یقین ہوجائے۔ تمام سر کا قصر کرنا مستحب ہے، اگر سر پر بال نہ ہوں تو صرف استرا پھروالے۔ اگر چونے یا کسی کیمکل کے ذریعے بال صاف کرلیے جائیں تو بھی کافی ہے، تاہم استرے کا استعمال کرنا بہتر ہے۔ اگر کسی مرض کی وجہ سے حلق وقصر نقصان دہ ہوں تو حلق ساقط ہوجائے گا اور

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في أحكام الحلق و التقصير:۳/۹۸، وفصل في حكم الحلق:۳/۱۰۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في زمانه ومكانه:۳/۱۰۲

حاجی پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ مسنون یہ ہے کہ حجام اپنے دائیں اور خود اس شخص کے بائیں حصے سے قصر یا حلق شروع کرے۔ بال دفن کرنا بھی سنت ہے۔ حلق یا قصر کے بعد ناخن تراشنا، مونچھوں کو کاٹنا اور جسم کے دوسرے فاضل بال صاف کرنا مستحب ہے۔ حلق یا قصر کے بعد عورت کے سوا احرام کی بقیہ تمام ممنوعات حلال ہو جاتی ہیں۔(۱)

اگر حج فوت ہو جائے؟

حج چاہے فرض ہو، نفل ہو یا نذر، اگر فاسد ہو جائے (مثلاً جماع کرلے یا وقوف عرفہ فوت ہو جائے) تو اس کا اعتبار باقی نہیں رہتا، البتہ اس کو چاہیے کہ طواف اور سعی کرے اور حلال ہو جائے۔ حلال ہونے کے لیے مذکورہ طواف اور سعی اس پر واجب ہے، تاہم مزید کوئی دم وغیرہ واجب نہیں، البتہ آئندہ سال حج کی قضا کرلے۔ اگر قران کی نیت کی تھی تو ایک طواف وسعی عمرہ کا کرلے اور ایک طواف وسعی حج کے فوت ہونے پر کرلے۔ قران کی قربانی اب اس پر واجب نہیں، نیز جس کا حج فوت ہو گیا، اس پر طواف وداع بھی واجب نہیں۔(۲)

حج میں خواتین کے خاص احکام:

عموماً عورت کے لیے حج کے وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، البتہ عورت کے لیے حج میں شوہر یا محرم کی ہم راہی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح مردوں کے برعکس عورت سر چھپائے گی اور چہرہ کھلا رکھے گی، ہاں اگر چہرے پر اس طرح نقاب ڈالے کہ نقاب چہرے سے الگ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح عورت پست آواز میں تلبیہ وغیرہ کہے گی۔ رمل نہیں کرے گی اور میلین اخضرین کے درمیان نہیں دوڑے گی۔ بال نہیں منڈوائے گی، صرف تراشنے پر اکتفا کرے گی۔ سلا ہوا کپڑا، تیار موزے اور دستانے نہیں پہنے گی۔ البتہ ریشم اور زیورات پہن سکتی ہے۔ ازدحام ہو تو حجر اسود کا استیلام نہیں کرے گی۔ تنہائی میسر نہ ہو تو صفا و مروہ کے اوپر نہیں چڑھے گی۔(۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۳۱، ۲۳۲، بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب في الحلق: ۳/۱۰۱، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج: ۳/۵۳۵، ۵۳۶، غنية الناسك، فصل في الحلق، ص: ۱۷۳-۱۷۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثالث عشر في فوات الحج: ۱/۲۵۶، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يفوت الحج بعد الشروع: ۳/۲۸۸-۲۹۱

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/۲۳۵

حائضہ اور نافسہ عورتوں کے خاص احکام:

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) اگر عورت نے حج افراد یا قران کا احرام باندھ لیا ہو اور حیض یا نفاس ہو جائے تو طواف اور سعی کے علاوہ باقی تمام افعال انجام دے گی۔ پاک ہونے کے بعد حج افراد کی صورت میں ایک ہی طواف اور سعی ادا کرے گی اور حج قران کی صورت میں دو طواف اور دو سعی ادا کرے گی۔ طوافِ قدوم ایسی عورت کے لیے سنت نہیں۔(۱)

(۲) اگر حجِ تمتع کا ارادہ ہو اور احرام فی الحال عمرے کا ہو اور پاکی کی حالت میں عمرہ ادا کرنے کا موقع نہ ملے تو گزشتہ صورت کی طرح اعمال حج ادا کرے اور عمرہ چھوڑ دے، اگر بعد میں عمرہ ادا کرنا چاہے تو اعمال حج کی ادائیگی کے بعد ادا کر سکتی ہے۔(۲)

(۳) اگر ایام نحر میں حیض یا نفاس آ جائے اور طوافِ زیارت کی ادائیگی کے بقدر وقت پاکی میں گزر چکا ہو تو تاخیر کی وجہ سے عورت پر دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اتنی مدت نہ ملے جس میں طواف ادا ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی کوئی دم واجب ہوگا۔(۳)

(۴) وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کے بعد اگر حیض یا نفاس آ جائے تو طوافِ وداع ساقط ہو جائے گا، بشرطیکہ مکہ سے نکلنے سے پہلے پہلے پاکی حاصل نہ ہو۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) المبسوط، کتاب المناسك،باب الذي يفوته الحج:٤/ ١٧٩،الهداية مع فتح القدير، كتاب الحج،باب التمتع: ٢/ ٤٣٦_٤٣٨

(۲) المبسوط، كتاب المناسك،باب الطواف:٤/ ٣٥،٣٦، الهداية مع فتح القدير، كتاب الحج،باب التمتع:٢/ ٤٣٦_٤٣٨

(۳) غنية الناسك،باب طواف الزيارة،ص:١٧٨

(٤) المبسوط، كتاب المناسك،باب الذي يفوته الحج:٤/ ١٧٩،الهداية مع فتح القدير، كتاب الحج،باب التمتع: ٢/ ٤٣٦_٤٣٨

فصل في شرائط الحج

(حج کی شرائط کے متعلق مسائل)

نابالغ کے حج کا حکم

سوال نمبر (199):

والدین حج کے لیے جاتے ہوئے اپنے نابالغ بچے کو بھی ساتھ لے گئے تو کیا اس کا حج فرض شمار ہوگا یا نفل؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرائطِ حج میں سے ایک شرط بالغ ہونا بھی ہے، اس لیے نابالغ بچے پر حج واجب نہیں اور اگر بچے نے حج کر بھی لیا تو نفل شمار ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد اگر استطاعت پائی گئی تو اس پر مستقل حج فرض ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وشرائط وجوبه: منها اعتدال الحال بالعقل والبلوغ، فلا يجب على الصبي، ولو حج الصبي، كان عليه حجة الإسلام إذا بلغ. (۱)

ترجمہ:

حج واجب ہونے کی شرطوں میں سے عقل اور بلوغ کا ہونا ہے۔ پس بچے پر حج واجب نہیں۔ اگر کوئی بچہ حج کرلے تو اس پر بالغ ہونے کے بعد حج اسلام فرض ہوگا۔

❁❁❁

بلوغ سے قبل حج کرنے سے فرض ساقط ہونے کا حکم

سوال نمبر (200):

ایک بچہ جو کہ ابھی نابالغ ہے، اپنے والدین کے ہمراہ جا کر حج کر لیتا ہے، ظاہر ہے کہ نابالغ کے حج کا اعتبار

(۱) الفتاوى الخانية على هامش الهندية، كتاب الحج: ۱/ ۲۸۱

نہیں، لیکن بالغ ہونے کے بعد اگر استطاعت نہ ہو تو کیا حج کا فریضہ باقی رہے گا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے انسان احکام شرعیہ کا اس وقت مکلف اور پابند ہوتا ہے، جب سنِ بلوغ کو پہنچتا ہے، اس لیے بلوغ سے پہلے جو اعمال ایام نابالغی میں کر لیے جائیں، شرعاً ان کا اعتبار نہیں، تاہم نفل شمار ہو کر ان کا اجر و ثواب بچے کے والدین کو ملتا ہے۔

لہٰذا بلوغ سے قبل کیا جانے والا حج نفل ہی شمار ہوگا، تاہم اگر بلوغ کے بعد استطاعت نہ ہو تو حج بھی فرض نہیں، فرضیتِ حج بلوغ کے بعد استطاعت پر موقوف ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو أن الصبي إذا حج قبل البلوغ فلا يكون ذلك عن حجة الإسلام، ويكون تطوعاً.(۱)

ترجمہ:

جب کوئی بچہ بالغ ہونے سے پہلے حج ادا کرے تو اس کا وہ حج اسلام کا فرض حج نہیں قرار پائے گا اور وہ حج نفل ہوگا۔



فرضیتِ حج کے لیے صاحبِ استطاعت ہونے کا اعتبار

سوال نمبر (201):

میرا دادا سرکاری ملازم تھا، اُس کی تنخواہ دس ہزار روپے ماہانہ تھی، اس سال وہ ریٹائرڈ ہو گیا اور حکومت کی طرف سے اس کو پانچ لاکھ روپے پنشن ملا، اس نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا، لیکن حج کے لیے داخلہ کے دنوں سے پہلے وہ وفات پا گیا، ایسی صورت میں اس پر حج کی فرضیت باقی رہی یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في تفسيرها: ۲۱۷/۱

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا صاحب استطاعت ہونا اس وقت معتبر ہوتا ہے، جب اُس علاقے سے لوگ حج کے لیے نکلنے کی تیاری شروع کریں۔ موجودہ دور میں لوگ حکومت یا پرائیویٹ کمپنیوں کی زیرنگرانی حج کے لیے جاتے ہیں۔ وہ انتظامی امور کے تحت حج کے مہینوں سے پہلے لوگوں کو اپنے نام درج کرنے کے لیے تاریخ مقرر کرتے ہیں، اس مقررہ تاریخ کے بعد لوگوں کے نام درج نہیں کیے جاتے، لہٰذا حج کی استطاعت میں اُن دنوں کا اعتبار ہوگا جن دنوں میں حج کے لیے داخلہ کیا جاتا ہو۔

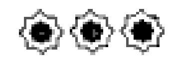
صورتِ مسئولہ میں جب سائل کا دادا حج کے ایام داخلہ سے پہلے فوت ہو چکا ہے تو اُس پر حج فرض نہیں ہوا تھا اور نہ ہی فوت ہو جانے کے بعد اُس کے ذمہ حج کی ادائیگی باقی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

من الشرائط لوجوب الحجّ من الزاد، والراحلة، وغیر ذٰلك یعتبر وجودھاوقت خروج أھل بلدہ إلیٰ مکّۃ.(۱)

ترجمہ:

حج کے وجوب کے لیے زادِراہ اور سواری کا پایا جانا اس وقت معتبر ہوگا، جب اُس علاقے کے لوگ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف جانے کی تیاری کرے۔



زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال نمبر(202):

اگر کسی شخص کی ملکیت میں ۲۰۰ کنال زمین ہو۔ اس میں ۱۵۰ کنال قابلِ زراعت ہو جس سے سالانہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے، اس سے صرف مالک کا خرچہ پورا ہوتا ہو اور باقی ۵۰ کنال زمین غیر آباد ہو، تاہم تمام زمین کی قیمت اگر لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے۔ اس قیمت کی وجہ سے مالکِ زمین پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب المناسك، الباب الأول في تفسیر الحج وفرضیتہ............:۱/۲۱۹

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ فرضیتِ حج کے واسطے مالی استطاعت ضروری ہے۔ایام داخلہ میں یا ایام حج میں اس کے پاس اتنی مالیت ہو کہ جس سے حج کے لیے آنے جانے کے خرچہ کے ساتھ ساتھ اہل وعیال کا خرچہ بھی پورا ہوتا ہو۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ میں اگر زمین کی آمدنی کی مقدار اتنی ہو کہ جس سے حج کے واسطے آمدورفت اور اہل وعیال کا خرچہ واپس آنے تک پورا ہوتا ہو تو اس پر حج فرض ہوگا، ورنہ صرف زمین کی قیمت سے اس پر حج فرض نہیں ہوتا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قال العلامة المرغیناني: إذا قدروا علی الزاد والراحلة، فاضلا عن المسکن، ومالابد منه، وعن نفقة عیاله إلیٰ حین عوده.(۱)

ترجمہ:

جب وہ زاد اور راحلہ پر قادر ہو، بشرطیکہ وہ رہائش ضرورت کی چیزوں اور واپسی تک اہل وعیال کے نفقہ سے زائد ہو۔

❁❁❁

مالِ مشترک سے فرضیتِ حج

سوال نمبر(203):

اس مسئلہ کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ تین بھائی اکٹھے ایک گھر میں رہتے ہوں اور تینوں بھائیوں کا مشترک کاروبار ہو تو کاروبار سے حاصل ہونے والے مشترک نفع سے ایک بھائی حج کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور مشترک مال پر حج کی فرضیت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے، اگر مشترک کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے سے ہر ایک بھائی کے حصہ میں اتنی رقم آتی ہو کہ جس سے حج

(۱) الهدایة، کتاب الحج: ۲۴۹/۱، ۲۵۰

کے تمام اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر ایک پر حج فرض ہوگا۔ ورنہ مالِ مشترک کے کل نفع پر حج فرض نہیں ہوتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال العلامة الحصكفي: (على مسلم ......ذي زاد، وراحلة فضلاً عمالا بد منه، و) فضلاً عن (نفقة عياله إلىٰ حين عوده).(۱)

ترجمہ: حج اس مسلمان شخص پر فرض ہے۔۔۔۔جو ضروریاتِ زندگی سے زائد مال اور سفر وسواری کے خرچ کا مالک ہو اور واپسی تک اہل وعیال کے نفقہ سے اضافی ہو۔

❁❁❁

ریٹائرمنٹ کے بعد ملنے والی رقم پر حج ادا کرنا

سوال نمبر(204):

ایک شخص فوج سے ریٹائرڈ ہوا۔ محکمہ کی طرف سے اس کو جو رقم ملی اس رقم کی وجہ سے اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس حج ادا کرنے کی استطاعت ہو، یعنی اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو سفرِ حج اور اہل وعیال کے اخراجات کے لیے کافی ہو اور اس پر کسی کا اتنا قرض بھی نہ ہو جو حج کی ادائیگی سے مانع ہو۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص کے پاس اگر حج کے لیے داخلہ کرتے وقت یہ رقم موجود ہو اور اس پر قرض وغیرہ بھی نہ ہو تو اس شخص پر حج کی ادائیگی فرض ہوگی، بشرطیکہ اخراجاتِ حج کے علاوہ اہل وعیال کی ضروریات کی پوری کرنے کی گنجائش ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وتفسيرملك الزاد، والرحلة: أن يكون له مال فاضل عن حاجته ،وهوماسوىٰ مسكنه، ولبسه،

(۱) الدرالمختارعلی صدرردالمحتار، کتاب الحج: ۳/۴۵۵، ۴۵۸، ۴۶۰، ۴۶۲

وخدمه، وأثاث بيته......وسوى مايقضى به ديونه.(١)

ترجمہ:

سواری اور توشہ کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی اصلی ضرورت سے زیادہ مال موجود ہو، یعنی رہائش کے لیے گھر، لباس، خدام اور گھر کے اسباب کے علاوہ اتنا سرمایہ ہو کہ وہ سواری پر مکہ مکرمہ جا سکے۔۔۔۔نیز وہ سرمایہ اس کے علاوہ ہو جس سے قرض ادا کیا جاتا ہو (یعنی اگر اس پر کوئی قرض وغیرہ ہو تو یہ رقم اس کے علاوہ ہو)۔

❁❁❁

مقروض صاحبِ نصاب پر حج کی فرضیت

سوال نمبر (205):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موجودہ وقت میں میرے پاس چار لاکھ روپے موجود ہیں، اس کے ساتھ میرے ذمے ڈھائی لاکھ روپے قرض ہے، ایسی صورت میں مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ فرضیتِ حج کے واسطے مالی استطاعت ضروری ہے، یعنی داخلہ حج کے ایام میں اس کے پاس اتنی مالیت ہو جس سے حج کے لیے آنے جانے کے خرچ کے ساتھ ساتھ اہل وعیال کا خرچ بھی پورا ہوتا ہو۔

صورتِ مسئولہ میں جب مذکورہ شخص کی ملکیت میں چار لاکھ روپے ہیں اور اس کے ذمے ڈھائی لاکھ روپے قرض بھی ہے تو قرض کی ادائیگی کے بعد اگر باقی ماندہ رقم سفرِ حج کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہو تو حج کی ادائیگی فرض ہوگی، ورنہ نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وتفسير ملك الزاد، والرحلة: أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ماسوى مسكنه، ولبسه وخدمه، وأثاث بيته..........وسوى مايقضي به ديونه.(٢)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، وفرضيته..........: ٢١٧/١

(٢) الفتاوى الهندية، حواله بالا: ٢١٧/١

ترجمہ:

سواری اور توشہ کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی اصلی ضرورت سے زیادہ مال موجود ہو یعنی رہائش کے لیے گھر، لباس، خدام اور گھر کے اسباب کے علاوہ اتنا سرمایہ ہو کہ وہ سواری پر مکہ مکرمہ جا سکے۔۔۔۔نیز وہ سرمایہ اس کے علاوہ ہو، جس سے قرض ادا کیا جاتا ہو (یعنی اگر اس پر کوئی قرض وغیرہ ہو تو یہ رقم اس کے علاوہ ہو)۔

❁❁❁

پہلے مکان بنوائے یا حج کرے

سوال نمبر(206):

اگر کسی نے دو لاکھ بیس ہزار روپے پینشن کی رقم حاصل کی ہو۔اس میں سے ستر ہزار روپے بھائی کی شادی پر خرچ کرنے کے بعد بقیہ رقم سے اس کے لیے فریضہ حج ادا کرنا ممکن ہو، لیکن اس کا رہائش کے لیے ذاتی مکان نہ ہو تو کیا یہ شخص اس رقم سے مکان بنوائے یا حج ادا کرے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج ہر اس صاحب استطاعت شخص پر فرض ہوتا ہے جس کے پاس حج کے ایام میں اتنی مقدار میں مالیت موجود ہو جس سے اہل وعیال اور گھر کے اخراجات پوری کرنے کے علاوہ حج کے آنے جانے کا خرچہ پورا ہوتا ہو۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں بھائی کی شادی کرانے کے بعد اگر اس کے پاس اتنی رقم موجود ہو جس سے حج کرنا ممکن ہو تو اگر حج کے لیے داخلے ہو رہے ہوں تو اس پر حج کرنا فرض رہے گا، اگر چہ گھر بنانے کی حاجت بھی ہو۔اور اگر حج کے داخلے ابھی شروع نہ ہوئے ہوں تو شروع ہونے سے پہلے پہلے اگر گھر بنانے یا کسی اور مصرف میں رقم خرچ کر دی اور داخلہ کے ایام میں حج کے لیے ضروری رقم ملکیت میں باقی نہ رہی تو حج فرض نہیں رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو لم یکن له مسکن ولا شيء من ذلک وعنده دراهم تبلغه الحج وتبلغه من مسکن وخادم وطعام وقوت کان علیه أن یحج وإن جعلها في غیر الحج أثم فإن کان ذلک قبل شهر الحج وقبل أن

یخرج أهل بلده إلى الحج فهو في سعة من صرفها إلى أي الأصناف التي سمّينا إن شاء.(۱)

ترجمہ: اور اگر اس کے لیے گھر نہ ہو اور نہ ہی ان دوسری اشیا (خادم، سواری وغیرہ) میں سے کچھ ہو، اور اس کے پاس اتنی مقدار میں رقم موجود ہو کہ اُس سے حج بھی کرسکتا ہے اور اس کے جائے سکونت، خادم اور کھانے کے لیے کا انتظام بھی کرسکتا ہے؛ تو اس پر لازم ہے کہ حج کرے۔ اگر یہ شخص اس رقم کو حج کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ کرتا ہے تو گناہ گار ہوگا۔ البتہ اگر یہ اشہرِ حج اور اس کے شہر کے لوگوں کے حج پر جانے سے پہلے پہلے ایسی صورتحال درپیش ہو تو پھر اس کو گنجائش ہے کہ ہم نے جتنے مصارف ذکر کیے اُن میں سے کسی میں بھی اس رقم کو خرچ کرسکتا ہے۔

❁❁❁

پہلے حج ادا کرنے کی بجائے بیٹے کی شادی کرنا

سوال نمبر (207):

اگر کوئی شخص حج جانے کی استطاعت رکھتا ہو، لیکن اس کا جوان بیٹا ہو جس کے لیے شادی کرنے کی خواہش بھی ہو تو اس صورت میں یہ شخص پہلے حج ادا کرے یا بیٹے کی شادی کرے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ارکانِ اسلام میں سے حج ایک عظیم رکن ہے۔ اس کی ادائیگی ہر اس شخص کے ذمے لازم ہوتی ہے جو صاحب استطاعت ہو، تاہم جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو تو دیگر نیکی کے کام اور بیٹے کی شادی وغیرہ ایسے اعذار شرعیہ نہیں ہیں جو وجوبِ حج سے مانع ہوں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص پر حج فرض ہو چکا ہو اور کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو تو جتنا جلد ممکن ہو سکے فریضہ حج ادا کر لینا چاہیے۔ بیٹے کی شادی کی وجہ سے اس کو مؤخر نہ کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا وجدما يحج به وقد قصدا لتزوج يحج به، ولا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالى

(۱) المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب المناسك، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، ۹/۳

على عبده.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اس سے حج ادا کر سکتا ہے اور اس کا ارادہ نکاح کرنے کا بھی ہے تو وہ اس مال سے حج ادا کرے، نکاح نہ کرے، اس لیے کہ حج ایک ایسا فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کیا ہے۔

و في الأشباه: معه ألف و خاف العزوبة، إن كان قبل خروج أهل بلده ، فله التزوج، ولو وقته لزمه الحج.(۲)

ترجمہ:

الاشباہ نامی کتاب میں ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہزار درہم ہوں اور غیر شادی شدہ رہنے کا اندیشہ ہو تو اگر اہل بلد کا حج کے لیے جانے والے قافلے کے نکلنے سے پہلے ہو تو اس کو چاہیے کہ شادی کرے اور اگر اشہر الحج داخل ہوئے ہوں تو حج لازم ہے۔

❁❁❁

عورت کا جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنا

سوال نمبر (208):

اگر کسی عورت کا کوئی محرم شخص سعودی عرب ہی میں مقیم ہو اور وہ شخص اس خاتون کا داخلہ وہیں سے کروا لے اور وہ پشاور سے جدہ تک کا سفر بلا محرم کرے اور پھر حج اپنے مذکورہ محرم کے ساتھ ادا کرے تو شرعاً حج ادا ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ادائیگی حج کے واسطے سفر کرنے میں عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے۔ بغیر محرم عورت شرعاً سفر نہیں کر سکتی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت کا حج کے ارادے سے پشاور سے جدہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے، تاہم عدم جواز کے باوجود اس کا حج ادا ہو جائے گا، اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، باب في تفسير الحج: ۲۱۷/۱

(۲) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الحج: ۴۶۱/۳

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة.(١)

ترجمہ:

اگر کسی عورت نے کسی محرم کے بغیر حج کرلیا تو ایسا کرنا جائز تو ہے، لیکن مکروہ ہے۔

❁❁❁

داماد کے ساتھ ساس کا حج کرنا

سوال نمبر(209):

اگر کسی عورت کا حج کرنے کا عزم ہو، جب کہ اس کے ساتھ جانے والا کوئی محرم نہ ہو تو کیا وہ اپنے داماد کے ساتھ حج کرنے کے لیے جاسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ عورت محرم کے بغیر حج کے لیے نہیں جاسکتی۔محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے اس کے رشتہ کی وجہ ہمیشہ کے لیے نکاح جائز نہیں ہوتا، جیسے: عورت کا باپ، بھائی، بھتیجا، بھانجا۔

لہٰذا داماد بھی اپنی ساس کے لیے محرم ہے، کیوں کہ ان میں ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے، تاہم اگر ساس جوان ہو اور داماد کے ساتھ سفر کرتے وقت فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنے کے خوف سے اجتناب بہتر ہے، ورنہ محرمیت کی وجہ سے عام حالات میں حج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

حرمت علیكم أمهاتكم وبناتكم .... وأمهات نسائكم.(٢)

ترجمہ:

حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں ــــــــ اور تمہاری بیویوں کی مائیں۔

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج:٣/٤٦٥

(٢) النساء: ٢٣

القسم الثاني المحرمات بالصهرية: وهي أربعة فرق (الأولى) أمهات الزوجات، وجداتهن من قبل الأب والأم وإن علون.(١)

ترجمہ:

محرمات بالصہریت (یعنی سسرالی رشتہ سے حرمت مصاہرت) کے چار گروہ ہیں: پہلا گروہ بیویوں کی مائیں اوران (بیویوں کی) دادیاں اور باپ کی طرف سے دادیاں خواہ اوپر کے سلسلے تک ہوں۔

❁❁❁

عورت کا دیور کے ساتھ حج کرنا

سوال نمبر(210):

ایک شخص سفرِ حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اپنی بھابھی بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ بھابھی کا دیور کے ہمراہ سفرِ حج کرنا شرعاً درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عورت کے سفرِ حج پر جانے کے واسطے اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے، بغیر محرم کے جانا یا نامحرم کے ساتھ حج کرنا جائز نہیں۔ محرم وہ ہے جس کے ساتھ نسبی، رضاعی، یا صہری (دامادی) رشتہ کی بنا پر نکاح کرنا جائز نہ ہو۔

عورت کا دیور اس کے لیے محرم نہیں، بلکہ نامحرم ہے جس کی بنا پر عورت کا اس کے ساتھ سفرِ حج پر جانا جائز نہیں۔ دیور کے ساتھ سفرِ حج کرنا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کے مترادف ہے جس سے گناہ گار ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت ،أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة أيام هكذا في المحيط .وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم ،والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على

(١) الفتاوى الهندية، كتاب النكاح، باب في بيان المحرمات، القسم الثاني المحرمات بالصهرية :١/ ٢٧٤

التأبید بقرابۃ، أو رضاع، أو مصاہرۃ کذافي الخلاصۃ.(۱)

ترجمہ:

حج واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط عورت کے لیے محرم کا ہونا ہے، خواہ وہ عورت بوڑھی ہو یا جوان، جب کہ اس کی جگہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو، اگر یہ فاصلہ تین دن کی مسافت سے کم ہو تو عورت بغیر محرم کے حج ادا کرسکتی ہے۔ عورت کے محرم سے مراد خاوند ہے اور وہ مرد جس کے ساتھ نسبی رشتہ کی وجہ سے یا دودھ پی لینے کی وجہ سے یا سسرال کے رشتہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے نکاح ناجائز ہو۔

❁❁❁

ماں اور بیوہ چچی کو حج پر لے جانا

سوال نمبر(211):

اگر ایک شخص سفرِ حج پر اپنی ماں کے ساتھ جارہا ہو تو کیا یہ شخص اپنی بیوہ چچی کو ساتھ لے جاسکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حج ایک مبارک اور باسعادت سفر ہے جس کی برکات وانعامات سے پورا استفادہ اس وقت کیا جاسکتا ہے جب اس سفر کو اپنی تمام شرائط اور ضروری امور کے ساتھ ادا کیا جائے۔ شریعت نے ادائیگی حج کے لیے جو شرائط مقرر کی ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عورت کے حج پر جانے کے لیے کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ چچی کے لیے خاوند کا بھتیجا چونکہ محرم نہیں، اس لیے اس کے ساتھ سفرِ حج کے لیے نکلنا موجبِ گناہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ومنہا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت ،أو عجوزا إذا کانت بینہا وبین مکۃ ثلاثۃ أیام ہکذا في المحیط .وإن کان أقل من ذلک حجت بغیر محرم ،والمحرم الزوج ومن لا یجوز مناکحتہا علی التأبید بقرابۃ، أو رضاع، أو مصاہرۃ کذافي الخلاصۃ.(۲)

---

(۱) الفتاوی الہندیۃ، کتاب المناسک: ۱/۲۱۸، ۲۱۹

(۲) الفتاوی الہندیۃ، کتاب المناسک: ۱/۲۱۸، ۲۱۹

ترجمہ:

حج واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط عورت کے لیے محرم کا ہونا ہے، خواہ وہ عورت بوڑھی ہو یا جوان، جب کہ اس کی جگہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو، اگر یہ فاصلہ تین دن کی مسافت سے کم ہو تو عورت بغیر محرم کے حج ادا کرسکتی ہے۔ عورت کے محرم سے مراد خاوند ہے اور وہ مرد جس کے ساتھ نسبی رشتہ کی وجہ سے یا دودھ پی لینے کی وجہ سے یا سسرال کے رشتہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے نکاح ناجائز ہو۔

❁❁❁

چالیس سالہ خاتون کا بغیر محرم کے سفرِ حج پر جانا

سوال نمبر(212):

ایک عورت کے پاس ۶۰ ہزار مالیت کا زیور اور ۳۰ ہزار روپے نقد ہیں۔ کیا اس پر حج فرض ہے؟ اور کیا یہ چالیس سالہ خاتون بغیر محرم کے حج کے لیے جاسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے جس کے پاس سفرِ حج کا خرچہ ہو اور اس دوران اہل وعیال کا خرچہ بھی ہو تو اس پر حج فرض ہوتا ہے، البتہ عورت پر حج کی فرضیت میں تفصیل ہے کہ اگر کوئی عورت جس پر حج فرض ہو اور وہ حج کے لیے جانا چاہتی ہو تو اس کے پاس اپنے خرچے کے علاوہ جانے والے محرم کا خرچہ بھی ہو، تب اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

تاہم اگر اپنا خرچہ ہو مگر محرم کا خرچہ نہ ہو تو بغیر محرم کے حج کے لیے سفر کرنا جائز نہیں، چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو۔ تو اس پر حج فرض نہیں رہے گا، کیوں کہ عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا ضروری ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(فضلا عمالا بد منه) كما مر في الزكوة...... (مع) وجوب النفقة لمحرمها(عليها).(۱)

ترجمہ:

یعنی وہ مال جو ضروریات سے زائد ہو، جس طرح کہ زکوۃ میں گزر گیا ہے۔۔۔۔۔اس کے علاوہ (ساتھ لے

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج:۳/ ۴۶۰، ۴۶۴

جانے والے) محرم کا نفقہ بھی اس عورت پر واجب ہے۔

منهاالمحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينهاوبين مكة مسيرة ثلاثةأيام.(۱)

ترجمہ:

حج واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط عورت کے لیے محرم کا ہونا ہے، خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو، جبکہ اس کی جگہ اور مکہ شریف کے درمیان تین دن کی مسافت ہو۔

❁❁❁

عورت کا بھانجی کے بیٹے کے ساتھ سفرِ حج کرنا

سوال نمبر(213):

اگر کوئی عورت حج کے لیے جانا چاہتی ہو، لیکن ساتھ جانے والا کوئی نہیں سوائے بھانجی کے بیٹے کے تو کیا یہ عورت بھانجی کے بیٹے کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حج کے دیگر شرائط کے علاوہ عورت کا حج کے لیے جاتے ہوئے خاوند یا کسی اور محرم کا ہونا ضروری ہے۔ محرم کے بغیر کسی عورت کا حج کے لیے جانا درست نہیں۔ اور محرم وہ مرد کہلاتا ہے جس سے عورت کا ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہو۔

لہٰذا عورت کے لیے اس کے بھانجی کا بیٹا (یعنی بہن کا نواسہ) محرم ہے، کیوں کہ ان کے درمیان نکاح حرام ہے، اس لیے عورت کا اس کے ساتھ سفرِ حج کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

منهاالمحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينهاوبين مكة مسيرة ثلاثةأيام.(۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك: ۱/۲۱۸، ۲۱۹

(۲) الفتاوى الهندية، حواله بالا: ۱/۲۱۸، ۲۱۹

ترجمہ:

حج واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط عورت کے لیے محرم کا ہونا ہے، خواہ وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو، جب کہ اس کی جگہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کا سفر ہو۔

وأما الأخوات: فالأخت لأب وأم، والأخت لأب، والأخت لام،و كذابنات الأخ والأخت وإن سفلن.(۱)

ترجمہ: اور محرمات بالنسب میں بہنیں ہیں۔ پس ماں اور باپ کی طرف سے بہن، باپ کی طرف سے بہن، ماں کی طرف سے بہن، یہ سب حرام ہیں۔ اور اسی طرح محرمات بالنسب میں بھائی اور بہن کی بیٹیاں خواہ نیچے کے سلسلے تک ہوں۔

❁❁❁

بیٹی کے منگیتر کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال نمبر(214):

فاطمہ کی بیٹی کے ساتھ زید کی صرف منگنی ہوئی ہے، اب فاطمہ زید کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتی ہے۔ ازروئے شریعت فاطمہ کا زید کے ساتھ حج کے لیے جانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج کے واجب ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا محرم موجود ہو۔ محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کا اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

صورتِ مسئولہ میں فاطمہ کی بیٹی کے ساتھ زید کی صرف منگنی ہوئی ہے اور باقاعدہ نکاح نہیں ہوا، ایسی صورت میں زید فاطمہ کا محرم نہیں ہے، اس لیے فاطمہ زید کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(و) مع (زوج أومحرم)قال ابن عابدین:والمحرم من لایجوز له مناكحتها على التأبید بقرابة،

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب المناسك، باب في بیان المحرمات، القسم الأول المحرمات بالنسب:۱/۲۷۳

أو رضاع، أو صهرية.(١)

ترجمہ:

(عورت شوہر یا محرم کے ساتھ ہو) علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: ''محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کا اس عورت کے ساتھ نکاح رشتہ داری، رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہو''۔

❁❁❁

لیڈی ڈاکٹر کا بغیر محرم کے حجاج کی خدمت کرنا اور حج ادا کرنا

سوال نمبر(215):

ایک عورت ''آرمی میڈیکل کور'' میں بحیثیت ایک ڈاکٹر کام کر رہی ہے، ان دنوں وہ ''حج وفد'' میں ڈاکٹر کی حیثیت سے حجاج کی خدمت کے لیے جانا چاہتی ہے، اس کے علاوہ وہاں وہ حج بھی ادا کرے گی۔ واضح رہے کہ اس عورت کے ساتھ کوئی محرم اس وفد میں موجود نہیں، ایسی صورت میں اس عورت کے لیے حج ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر حج ادا کرے تو حج کی ادائیگی سے اس کا ذمہ فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے عورت کے لیے کسی محرم کے بغیر کسی شرعی سفر پر نکلنا جائز نہیں، تاہم اگر کوئی عورت محرم یا شوہر کے بغیر حج کا سفر کرے تو حج اگرچہ ادا ہو جائے گا، لیکن غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرنے کی وجہ سے گناہ گار رہے گی۔

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ محرم یا شوہر کے بغیر حج کے لیے سفر کرے، تاہم اگر یہ عورت ایسی حالت میں حج ادا کرے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، البتہ گناہ گار رہے گی۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. قال ابن عابدين: أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين " لاتسافر امرأة ثلاثا إلّا ومعها محرم".(٢)

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ٣/٤٦٤

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ٣/٤٦٥

ترجمہ:
اگر کسی عورت نے محرم کے بغیر حج ادا کیا تو کراہت تحریمی کے ساتھ جائز ہے اور دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں مروی ہے آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "کوئی عورت تین دن کے برابر مسافت طے نہ کرے مگر یہ کہ اُس کا محرم اس کے ساتھ ہو"۔

❁❁❁

بہنوئی کے ساتھ حج پر جانا

سوال نمبر(216):

ایک عورت اپنے بہنوئی یا چچازاد بھائی کے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتی ہے۔ از روئے شریعت اس عورت کے لیے اپنے بہنوئی یا چچازاد کے ساتھ سفرِ حج پر جانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فریضہ حج ادا کرنے کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا ضروری ہے، غیر محرم کے ساتھ حج کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا مذکورہ دونوں شخصوں کے ساتھ محرمیت کا رشتہ نہیں، لہٰذا اس عورت کا ان دونوں رشتہ داروں کے ساتھ حج کے لیے جانا جائز نہیں۔ بہنوئی اور چچازاد محارم نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحجّ به، أو زوج، ولا يجوز لها أن تحجّ بغيرهما إذا كان بينها وبين مكّة مسيرة ثلاثة أيام.(۱)

ترجمہ: عورت کے حق میں اس کا اعتبار ہوگا کہ اس کے لیے محرم ہو جس کے ساتھ وہ حج ادا کرے یا اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو تو اس کے لیے ان دونوں کے علاوہ حج ادا کرنا جائز نہیں، جب عورت اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو۔

---

(۱) الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۵۱

عمر رسیدہ عورت کا اجنبی مرد کے ساتھ عمرہ کے لیے جانا

سوال نمبر (217):

ایک عمر رسیدہ عورت جس کی عمر تقریباً ۶۰ سال ہے، وہ عمرہ کے لیے جانا چاہتی ہے، لیکن اس کے ساتھ کوئی محرم عمرہ کے سفر کے لیے تیار نہیں۔ کیا یہ عورت کسی اجنبی کے ساتھ عمرہ کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عورت کے لیے بغیر محرم کے شرعی مسافت طے کرنا جائز نہیں، چنانچہ اگر عورت کے ساتھ اپنے رشتہ داروں میں سے کوئی محرم یا خاوند موجود نہ ہو تو ایک نفلی عبادت کے لیے خلافِ شرع امر کا ارتکاب کرنا عقل مندی نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں عورت اگرچہ عمر رسیدہ ہو، لیکن بغیر محرم کے اس کے لیے شرعی مسافت طے کر کے عمرہ کے لیے سفر کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويعتبرفي المرأة أن يكون لهامحرم تحجّ به،أو زوج، ولايجوزلهاأن تحجّ بغيرهماإذا كان بينها وبين مكّة مسيرة ثلاثة أيّامٍ.قال ابن همام،قوله:(ويعتبرفي المرأة) وإن كانت عجوزاً.(١)

ترجمہ:

عورت کے حق میں اس کا اعتبار ہوگا کہ اس کے لیے محرم ہو جس کے ساتھ وہ حج ادا کرے یا اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو تو اس کے لیے ان دونوں کے علاوہ حج ادا کرنا جائز نہیں، جب عورت اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو۔ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ: ''اگرچہ بوڑھی ہو''۔

❁❁❁

(١) فتح القدیر، کتاب الحج: ۲/ ۳۳۰

فصل في واجبات الحج

(حج کے واجبات کے متعلق مسائل)

قربانی اور حلق ترک کرکے احرام کھولنا

سوال نمبر(218):

دورانِ حج اگر کسی حاجی کو اپنے ساتھی رمی کے بعد رہائش گاہ بھیج دیں اور اس سے یہ کہہ دیں کہ ہم قربانی کے واسطے قربان گاہ جارہے ہیں، ہمارے آنے تک آپ احرام میں ہی آرام کریں۔ ہماری واپسی پر جب آپ کی قربانی بھی ہوچکی ہوگی تو ہم سب حلق کرکے احرام کھول دیں گے، لیکن رہائش گاہ پر ساتھیوں کی واپسی سے پہلے اگر یہ شخص احرام کھول دے، جب کہ ساتھیوں کے واپس نہ آنے سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ ابھی قربانی بھی نہیں ہوئی ہے اور نہ حلق ہوا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ دورانِ حج واجب ترک کرنے یا اس میں تقدیم وتاخیر کرنے سے حاجی پر دم واجب ہوجاتا ہے۔ چونکہ طواف کے علاوہ یوم النحر کے تین افعال رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے، ان میں تقدیم وتاخیر کرنے کی صورت میں دم واجب ہوگا۔ لہٰذا رمی کے بعد قربانی کرنا لازمی ہے اور اس کے بعد حلق، جب کہ مذکورہ شخص نے قربانی اور حلق سے قبل ہی احرام کھول دیا ہے تو اس پر تقدیم وتاخیر کرنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

(أو قدم نسكا على آخر) أي وقد فعله في أيام النحر؛ لئلا يستغني عنه بقوله قبله، أوأخر الحلق.

وله:(فيجب......) لما كان قوله أو قدم ......بيانا لوجوب الدم بعكس الترتيب، فرّع عليه أن الترتيب جب.(١)

---

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب الحج، باب الجنايات:٣/٥٨٨

ترجمہ: یا حاجی ایک رکن کو دوسرے رکن پر مقدم کیا اور حال یہ ہے کہ اس کو ایام نحر میں کیا ہے۔۔۔۔ یا حلق کرنے کو مؤخر کردیا، تو (دم واجب ہوگا) چونکہ اس قول سے پہلے مصنف نے "او قدم" کہا ہے..... تو یہ ترتیب الٹ دینے سے دم کے وجوب کا بیان ہے۔ اس بات پر تفریع کی ہے کہ ترتیب واجب ہے۔

❀❀❀

رمی جمرات کا وقت

سوال نمبر (219):

قربانی کے دن رمی جمرات کے دوران ہجوم کی وجہ سے بوڑھے افراد کو رمی کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات بعض بوڑھے افراد فوت بھی ہوجاتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ قربانی کے دن رمی جمرات کے وقت میں مزید گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ رمی جمرات کا وقت دسویں ذی الحجہ سے لے کر گیارہویں ذی الحجہ کے طلوع فجر تک ہے، البتہ اس کا مسنون وقت طلوع شمس سے لے کر زوال تک ہے۔ زوال سے غروب شمس تک بلا کراہت جائز ہے اور غروب شمس سے لے کر گیارہویں ذی الحجہ کے طلوع فجر تک کراہت کے ساتھ جائز ہے، لیکن معذور افراد کے لیے مذکورہ صورت میں بھی بغیر کراہت کے رمی کرنا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب مسنون وقت میں ہجوم کی وجہ سے بوڑھے افراد رمی جمرات کرنے سے قاصر ہوں تو بہتر یہی ہے کہ غروب شمس تک رمی جمرات کریں، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ان کے لیے دوسرے دن کے طلوع فجر تک رمی جمرات کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ووقته من الفجر إلى الفجر، ويسنّ من طلوع الفجر ذكاء لزوالها، ويباح لغروبها، ويكره للفجر.........هذا عند عدم العذر، فلا اساءة برمي الضعفة قبل الشمس، ولا برمي الرعاة ليلاً.(١)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة: ٣/٥٣٤

ترجمہ:

اور رمی کا وقت طلوع فجر سے لے کر دوسرے دن طلوع فجر تک ہے اور مسنون وقت طلوع شمس سے لے کر زوال شمس تک ہے اور غروب تک مباح ہے اور فجر تک مکروہ ہے۔۔۔۔۔ یہ حکم عذر نہ ہونے کی صورت میں ہے، پس کمزور لوگ اگر طلوع شمس سے پہلے رمی کریں یا رات کے وقت رمی کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

❁❁❁

سر پر بال نہ ہوں تو حلق یا قصر کیسے کرے؟

سوال نمبر (220):

پاکستان سے روانگی سے قبل اگر کسی نے سر کے بال مشین سے منڈوا دیے ہوں اور طواف وسعی مکمل کر کے بعد میں استرا نہ پھیرے، بلکہ مشین کرالے، جس سے بال معمولی مقدار میں کٹ جائیں تو کیا اس طرح کرنے سے حلق ہو جائے گا؟ یعنی یوں کرنے سے احرام کھولنے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

احرام کھولنے کے واسطے سر کے بال کاٹنا ضروری ہے۔ چاہے حلق کے ذریعے ہو یا قصر کے ذریعے۔ حلق کی واجب مقدار ربع راس، یعنی چوتھائی سر ہے۔ چوتھائی سر سے کم منڈوانا جائز نہیں، بلکہ خود چوتھائی سر منڈوانا بھی مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ تمام سر کا حلق کرائے۔

قصر کی واجب مقدار بھی یہی ہے، یعنی چوتھائی سر کے بالوں سے انگلی کی ایک پور کی مقدار ترشوانا کافی ہے۔ علامہ کاسانیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس مقدار سے ذرا زیادہ کٹوائے، اس لیے کہ بالوں کی لمبائی میں عموماً تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا کچھ زیادہ کٹوائے، تاکہ تمام بالوں سے انگلی کے ایک پور کی مقدار کاٹے جانے کا یقین ہو جائے۔ تمام سر کا قصر کرنا مستحب ہے۔ اگر سر پر بال نہ ہوں تو صرف استرا پھروالے۔

صورتِ مسؤلہ میں چونکہ اس شخص نے حج کے لیے جانے سے پہلے بال منڈوا لیے ہیں، اس لیے ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر پر استرا پھیر لے۔

والدليل على ذلك:

وأمامقدارالواجب: فأماالحلق فالأفضل حلق جميع الرأس..............فإن حلق أقل من الربع لم يجزه...........وأما التقصيرفالتقديرفيه بالأنملة...........يجب أن يزيد في التقصيرعلى قدرالأنملة؛ لأن الواجب هذاالقدرمن أطراف جميع الشعر، وأطراف جميع الشعرلايتساوي طولهاعادة............فوجب أن يزيدعليه حتىٰ يستيقن بإستيفاء قدرالواجب فيخرج عن العهدة بيقين.(۱)

ترجمہ:

اورمقدارواجب (میں یہ تفصیل) ہے،پس حلق میں پوراسرمنڈواناافضل ہے۔۔۔اگرچوتھائی سرسے کم منڈوایاتوجائزنہیں۔۔۔اورجہاں تک قصرکی بات ہےتواس کااندازہ انگلی کےایک پورکی مقدارہے۔۔۔واجب ہے کہ قصرکرنے میں اس مقدارسےبھی زیادتی کرے،اس لیے کہ یہ مقدارکاٹناسرکےتمام اطراف کے بالوں سےواجب ہےاورسرکےتمام اطراف کے بال عادت کےمطابق ایک جیسےنہیں ہوتے۔۔۔پس اس پرواجب ہےکہ اس مقدارپر کچھ زیادہ کرلے،تاکہ واجب کی ادائیگی کایقین ہوجائےاوراپنی ذمہ داری سےیقین کےساتھ سبکدوش ہوجائے۔

وإذا جاء وقت الحلق، ولم يكن على رأسه شعر، بأن حلق قبل ذلك أو بسبب آخر، ذكرفي الأصل أنه يجري الموسى على رأسه.(۲)

ترجمہ:

اورجب سرمنڈوانےکاوقت آجائےاوراس کےسرپربال نہ ہوں کہ یاتوپہلےمنڈوائےہوں یاکسی اورسبب سےسرپربال نہ ہوں توکتاب الاصل میں ذکرکیاگیاہےکہ وہ سرپراُسترہ پھیرےگا۔

❁❁❁

حج وعمرہ میں بال کٹوانے کی مقدار

سوال نمبر(221):

کیافرماتےہیں مفتیان کرام اس مسئلےکےمتعلق کہ آج کل لوگ حج یاعمرےمیں تمام بال یابالوں کاچوتھائی حصہ

(۱) بدائع الصنائع،كتاب الحج، فصل في أحكام الحلق والتقصير:۱۰۱/۳

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك،الباب الخامس في كيفية أداء الحج:۲۳۱/۱

کٹوانے کی بجائے قینچی سے ایک دو جگہ سے تھوڑے سے بال کاٹ دیتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح بال کٹوانے سے یہ رکن پورا ہو جاتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ احرام کھولنے کے لیے سر کے بال کاٹنا ضروری ہے اور اس کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ حلق کرانا ہے، یعنی استرے سے سر کے بال صاف کر دینا یہ سب سے افضل، اور مردوں کے حق میں فقہائے کرام کے ہاں مسنون ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ سر کے تمام بال مشین یا قینچی سے اتار دیے جائیں، اس کی فضیلت حلق کرانے کے مقابلے میں کم ہے۔

جب کہ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کم سے کم چوتھائی سر کے بال ایک پورے کے برابر کاٹ دیے جائیں۔

لہٰذا جو شخص چوتھائی سر کے بال نہ کٹوائے تو اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں اور سلے ہوئے کپڑے پہننا اور بیوی کے پاس جانا بدستور حرام رہتا ہے۔ جو لوگ اوپر اوپر سے دو چار بال کٹوا کر کپڑے پہن لیتے ہیں، وہ گویا احرام کی حالت میں کپڑے پہنتے ہیں جس کی بنا پر ان کے ذمے جنایت کا دم لازم آتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما مقدار الواجب: فأما الحلق فالأفضل حلق جميع الرأس..............فإن حلق أقل من الربع لم يجزه..........وأما التقصير فالتقدير فيه بالأنملة ....يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة؛ لأن الواجب هذا القدر من أطراف جميع الشعر، وأطراف جميع الشعر لا يتساوي طولها عادة...........فوجب أن يزيد عليه حتى يستيقن باستيفاء قدر الواجب فيخرج عن العهدة بيقين.(۱)

ترجمہ:

اور مقدار واجب (میں یہ تفصیل) ہے کہ حلق میں پورا سر منڈوانا افضل ہے۔۔۔اگر چوتھائی سر سے کم منڈوایا تو جائز نہیں۔۔۔اور جہاں تک قصر کی بات ہے تو اس کا اندازہ انگلی کے ایک پور کی مقدار ہے۔۔۔واجب ہے

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في أحكام الحلق والتقصير: ۱۰۱/۳

کہ قصر کرنے میں اس مقدار سے بھی زیادتی کرے، اس لیے کہ یہ مقدار کا ثا سر کے تمام اطراف کے بالوں سے واجب ہے اور سر کے تمام اطراف کے بال عادت کے مطابق ایک جیسے نہیں ہوتے۔۔۔پس اس پر واجب ہے کہ اس مقدار پر کچھ زیادہ کرلے، تاکہ واجب کی ادائیگی کا یقین ہوجائے اور اپنی ذمہ داری سے یقین کے ساتھ سبک دوش ہوجائے۔

❁❁❁

عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ چھوڑنا

سوال نمبر(222):

اگر ایک شخص کے ہمراہ دورانِ حج خواتین بھی ہوں اور وہ ان کے ساتھ عرفات سے بذریعہ گاڑی مزدلفہ آرہا ہو، لیکن زیادہ ہجوم کی وجہ سے رات کے وقت مزدلفہ نہ پہنچ سکے تو کیا ان پر وقوفِ مزدلفہ چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

از روئے شریعت دسویں ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گزارنا سنن حج میں سے ہے اور طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک وقوف کرنا واجب ہے۔عام حالات میں حج کے افعالِ واجبہ ترک کرنے پر دم لازم آتا ہے، تاہم اگر کوئی فعل کسی انسان کے دائرہ اختیار میں نہ ہو تو ایسی حالت میں دم لازم نہیں آتا۔

صورتِ مذکورہ کے مطابق جن حاجیوں کا گاڑیوں میں جانا بامرِ مجبوری ہو، پیدل چل کر جانا ان کے لیے مشکل ہو تو وقوفِ مزدلفہ رہ جانے سے دم کا لزوم ساقط ہوجائے گا، البتہ اگر گاڑی میں جانا محض سہولت کی خاطر ہو اور پیدل چلنے پر قدرت حاصل ہو تو پھر ان سے وقوفِ مزدلفہ رہ جانے کی صورت میں دم ساقط نہیں ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما حكم فواته عن وقته أنه إن كان لعذر فلا شيئ عليه، لما روي "أن رسول الله ﷺ قدم ضعفة أهله ولم يأمرهم بالكفارة" وإن كان فواته لغير عذر، فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر، وأنه يوجب الكفارة.(١)

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في الوقوف بمزدلفة: ٨٩/٣

ترجمہ:

اور اگر کہیں وقوف مزدلفہ اپنے وقت سے کسی اور عذر کی وجہ سے فوت ہو جائے تو اس پر کچھ لازم نہیں، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل میں سے ضعف کو مقدم کیا اور انہیں کفارے کا امر نہیں فرمایا اور اگر کہیں بغیر کسی عذر کے فوت ہو جائے تو اس پر دم لازم ہوگا، کیوں کہ اس نے بغیر کسی عذر کے واجب کو ترک کر دیا ہے اور اس سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

❁❁❁

حج کے مناسک میں سعی کی حیثیت

سوال نمبر (223):

اگر ایک آدمی سے دوران حج واجب سعی رہ جائے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ادائیگی حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب عمل ہے، اس کے ترک کرنے پر دم واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مذکورہ کے مطابق اگر کوئی شخص دوران حج واجب سعی ترک کر دے تو اس پر دم واجب ہوگا اور یہ ذبح کسی بھی وقت کرنا جائز ہے۔ ایام نحر کے ساتھ خاص نہیں، کسی بھی شخص کے ذریعے سے مکہ مکرمہ میں ذبح کروایا جا سکتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

قال العلامة المرغيناني: ومن ترك السعي بين الصفا والمروة فعليه دم، وحجته تام. وفيها أيضاً ويجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء.(١)

ترجمہ:

اور جس نے حج میں سعی بین الصفا والمروہ چھوڑی تو اس پر دم واجب ہے اور اس کا حج پورا ہو چکا ہے اور مذکور ہے

(١) الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات: ١/ ٢٩٦، ٣٢٠

کہ بقیہ ہدایا (کفارات، دم اور نذر وغیرہ) کسی بھی وقت ذبح کرنا جائز ہے۔

❁❁❁

صفا کی بجائے مروہ سے سعی شروع کرنا

سوال نمبر(224):

اگر ایک شخص نے عمرہ کے دوران ناواقفیت کی وجہ سے صفا کی بجائے مروہ سے سعی شروع کی۔ سات شوط مکمل کر کے سر منڈوایا۔ اس پر ترتیب کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سعی میں سات شوط، یعنی سات چکر وہی معتبر ہوں گے، جن میں ترتیب کی رعایت ہو، یعنی صفا سے ابتدا ہو اور مروہ پر انتہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے طواف سے فارغ ہونے کے بعد جب سعی کا ارادہ کیا، تو فرمایا:

ابدء وا بما بدأ اللّٰہ بہ.(۱)

ترجمہ:

وہاں سے شروع کرو، جہاں سے اللہ نے شروع کی ہے۔

ایسی صورت میں مروہ سے ابتدا خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے کالعدم رہے گا، تاہم مروہ سے ابتدا کر کے جب اس نے اپنے گمان کے مطابق دوسرا چکر شروع کیا تو یہ درحقیقت شریعت کی روشنی میں پہلا چکر شمار ہوگا۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

فلو بدأ بالمروۃ لم یعتد بالأول، وھو الأصح.(۲)

ترجمہ:

اگر مروہ سے ابتدا ہو تو پہلے شوط کا اعتبار نہیں ہوگا۔

---

(۱) الھدایۃ، کتاب الحج، باب الإحرام:۱/۲٦٤

(۲) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج:۳/۵۱۵

اگر اسی حالت میں سات کی جگہ آٹھ شوط کیے ہوں پھر تو سعی مکمل ہونے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں۔ اگر صرف سات پر اکتفا کیا ہو تو سعی میں چھ شوط معتبر ہو کر ایک شوط رہ جانے کی وجہ سے صرف صدقہ واجب رہے گا، کیوں کہ سعی میں ایک دو، بلکہ تین تک شوط رہ جانے پر صدقہ واجب ہوتا ہے، جب کہ اکثر شوط باقی رہ جانے پر دم واجب ہوگا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

قوله: (ومن السعي) أي لو ترك ثلاثة منه، أو أقل ،فعليه لكل شوط منه صدقة إلا أن يبلغ دما.(۱)

ترجمہ:

اگر سعی سے تین شوط یا اس سے کم چھوڑ دیے، تو ہر شوط کے عوض صدقہ واجب ہوگا۔ ہاں اگر اس سے زیادہ چھوڑ دیے تو پھر دم واجب ہوگا۔

❁❁❁

(۱) ردالمحتار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج، باب الجنایات:۳/۵۹۰

فصل في أحكام الحج

(حج کے احکام کے متعلق مسائل)

محتاجوں کے ساتھ تعاون پر فریضۂ حج کی ترجیح

سوال نمبر(225):

اگر ایک شخص کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ گھریلو اخراجات کے علاوہ سفرِ حج کے جملہ اخراجات برداشت کر سکتا ہے، لیکن اس کے خاندان میں کئی غریب اور فقیر افراد موجود ہیں جن کی حالت قابلِ رحم ہے، ایسا ہی اس کے محلے میں بسترِ مرگ پر ایسے بیمار لوگ پڑے ہیں جو علاج کی توفیق نہیں رکھتے۔ کیا ایسی حالت میں اس شخص کے لیے حج پر جانا ضروری ہے یا خاندان اور پڑوس میں محتاج لوگوں سے تعاون کر کے ثواب کمائے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان اور گھرانے میں ناتواں لوگوں کا ہاتھ بٹانا، تنگ دستی میں ان کی طرف دستِ تعاون بڑھانا یا قرب و جوار کے غریب لوگوں کی خبر گیری کرنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان سے تعاون کرنا، مسلمان کی مذہبی و اخلاقی ذمہ داری ہے، لیکن اس کے باوجود نیکی کے یہ تمام کام حج جیسے فریضہ کا نعم البدل نہیں۔ حج ارکانِ اسلام میں سے بنیادی رکن ہے۔ جب ایک دفعہ کسی مسلمان پر فرض ہو تو کسی بڑے سے بڑے نیک کام کرنے سے حج جیسا فریضہ ادا نہیں ہوتا، جب تک باقاعدہ یہ فریضہ ادا نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا:

"أي العمل أفضل.......... ثم ماذا؟ قال: "حج مبرور".(۱)

ترجمہ:

کون سا کام زیادہ بہتر ہے۔۔۔۔۔۔ پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حج مبرور''، تاہم حج ایسی عبادت ہے جو زندگی بھر میں ایک دفعہ فرض ہے، اس لیے جب بھی حج کیا جائے تو ادا ہو گا۔ اگر قرب و جوار کی ضرورت کا احساس

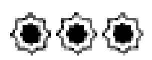
(۱) الصحیح للمسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللہ تعالیٰ أفضل الأعمال: ۶۲/۱

زیادہ ہو اور اس میں تاخیر نا قابل برداشت ہو تو اس سال غربا سے تعاون کے حسین جذبے پر عمل کر کے آئندہ سال کے لیے حج کریں، لیکن اس کے ساتھ ورثا کو وصیت کریں کہ اگر کہیں حج سے قبل موت آئے تو پھر میری طرف سے حج ادا کریں، کیوں کہ حج جب ایک دفعہ فرض ہو جاتا ہے تو اس کی فرضیت حالات بدلنے سے متاثر نہیں ہوتی۔ دوسرے سال اگر رقم پاس نہ ہو تو قرضہ لینا پڑے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ھو فریضة محکمة ثبتت فرضیتها بالکتاب وھو قوله تعالیٰ: ولله علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلاً.(۱)

ترجمہ: حج ایسا محکم فریضہ ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ سے ثابت ہے اور وہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ: ان لوگوں پر جو اس کی استطاعت رکھتے ہیں، بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔



استطاعت کے باوجود حج ادا نہ کرنا

سوال نمبر (226):

ایک شخص پہلے حج پر جانے کی طاقت رکھتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس نے حج ادا نہیں کیا، اب اس کی حالت ایسی ہے کہ وہ حج کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا۔ ازروئے شریعت ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر کسی شخص کو حج ادا کرنے کی قدرت حاصل ہو جائے تو اس پر استطاعت حاصل ہوتے ہی حج کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے، تاہم اگر تاخیر سے ادا کرے، تب بھی ادائیگی حج سے اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، البتہ اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ حج پر استطاعت کے بعد فوراً حج ادا نہ کرے اور بعد میں اس شخص کی استطاعت باقی نہ رہے تو یہ حج بدستور اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔ اگر اسی حالت میں یہ شخص مرجائے تو گناہ گار ہوگا۔

(۱) آل عمران: ۹۷

والدّلیل علیٰ ذلك:

لو ملك مابه الاستطاعة..........فلم یحجّ،حتی افتقر حیث یتقرّر الحجّ فی ذمّته دیناًعلیه.(۱)

ترجمہ:
اگر کوئی شخص اتنے مال کا مالک بن جائے، جس سے وہ صاحب استطاعت بن جائے۔۔۔۔اور حج ادا نہ کرے، پھر وہ مفلس ہوجائے تو اس کے ذمے حج بطور قرض باقی رہے گا۔

❁❁❁

صاحبِ استطاعت کا حج کے دنوں میں رقم مسجد میں لگانا

سوال نمبر(227):

ایک شخص کے پاس داخلہ حج کے دنوں میں ۲لاکھ پینتیس ہزار روپے موجود تھے (جو حج کے اخراجات کے لیے کافی تھے) لیکن اس نے اس رقم سے ایک لاکھ روپے مسجد کے لیے چندہ کے طور پر دے دیے، باقی ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے حج کے اخراجات کے لیے کافی نہ تھے تو ایسی صورت میں اس کا ذمہ حج سے فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شخص حج کا خرچ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر حج فرض ہوتا ہے، پس اگر کوئی شخص حج کے داخلہ کے ایام میں اتنے مال کا مالک ہوجائے، جس سے حج ادا ہوسکتا ہو اور وہ اس کو کسی اور مصرف میں لگائے تو اس کا ذمہ حج سے فارغ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے ذمہ حج واجب الادا رہے گا، البتہ اگر حج کے داخلہ کے ایام سے پہلے اس رقم کو کسی اور مصرف میں لگائے اور داخلہ حج کے وقت اس کے پاس مطلوبہ مقدار موجود نہ ہو تو اس پر حج کی ادائیگی واجب نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب اس شخص کے پاس حج کے داخلہ کے دنوں میں دو لاکھ پینتیس ہزار روپے موجود تھے (جو حج کے اخراجات کے لیے کافی تھے) اور اس نے اس میں سے ایک لاکھ روپے مسجد میں خرچ کر دیے اور باقی رقم سفر حج کے لیے کافی نہ تھی تو ایسی صورت میں حج اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الأول فی تفسیر الحج و فرضیته..........: ۱/۲۱۶، ۲۱۷

والدّلیل علیٰ ذلک:

لو ملك الزاد، والراحلة في اوّل السنة قبل أشهرالحجّ ،وقبل أن يخرج أهل بلده إلى مكّة، فهوفي سعة من صرف ذلك إلى حيث احبّ، وإذا صرف ماله ثمّ خرج أهل بلده،لايجب عليه الحج، فأمّاإذاجاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التاهب، فلايجوز له صرف إلى غيره، فإن صرفه إلىٰ غيرالحجّ أثم ،وعليه الحجّ.(١)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص شروع سال میں حج کے مہینوں سے پہلے اوراس وقت سے پہلے جب اس شہر کے لوگ (حج کے لیے) مکہ مکرمہ جاتے ہوں، وہ زاداور سواری کے خرچ کا مالک ہوا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اس مال کو جہاں چاہے خرچ کرے اور جب وہ شخص وہ مال خرچ کر چکا اور پھر اس شہر کے لوگ حج کے لیے نکلیں تو اس پر حج واجب نہیں ،مگر جس وقت شہر کے لوگ حج کے لیے نکلتے ہوں، اس وقت اسے حج کی تیاری میں لگنالازمی ہے تو اس کے لیے اپنے مال کو حج کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، پس اگر اس نے وہ مال حج کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ کیا تو وہ گناہ گار رہوااور اس پر حج واجب رہے گا۔

❁❁❁

نفلی حج ادا کرنا افضل ہے یا نادار رشتہ داروں پر خرچہ کرنا

سوال نمبر(228):

اگر ایک صاحبِ استطاعت شخص جو ہر سال حج کے لیے جاتا ہو، اس سے ایک دوست یہ کہہ دے کہ تمھارے رشتہ داروں میں اور پڑوس میں غریب اور نادار افراد موجود ہیں، ان کی مدد کرنے کی ضرورت ہے۔تمھارے لیے نفلی حج کرنے سے افضل یہ ہے۔اور وہ جواب میں یہ کہہ دے کہ آپ مجھے حج جیسے عظیم عمل سے روکتے ہو! حج نفل ہی سہی، مگر بیت اللہ اور روضہ اقدس کی زیارت اور وہاں کی عبادت سے بڑھ کر کوئی چیز افضل نہیں ۔تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے حج کرنا بہتر ہے یا پھر اپنے نادار رشتہ داروں اور غریب مسکین پڑوسیوں کی مدد کرنا؟

بیّنوا توجروا

(١) الفتاوى الهندية ،كتاب المناسك،الباب الأول في تفسيرالحج وفرضيته...........:١/٢١٩

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ بعض روایات میں حج ادا کرنے کو افضل الاعمال (باقی اعمال سے افضل عمل) قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات ایسی بھی وارد ہیں جن میں غریب، مسکین اور محتاج افراد کی مدد کرنے کو افضل کہا گیا ہے، اسی طرح دیگر اعمال پر حالات کے اعتبار سے افضل الاعمال ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

اس لیے مذکورہ دونوں اعمال (حج بیت اللہ اور غریب رشتہ داروں کے ساتھ تعاون) اپنی اپنی جگہ پر افضل ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی ایک عمل سرانجام دے رہا ہو تو اس پر تنقید کرنا یا یہ کہنا کہ یہ دوسرا عمل کیوں نہیں کرتا، بجا نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص صاحبِ استطاعت ہو اور اپنے غریب ومحتاج رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کرنے کے ساتھ ساتھ حج کرنے کی بھی استطاعت رکھتا ہو تو اس کے لیے حج کرنا اور حضور اقدس ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کرنا افضل رہے گا۔

والدلیل علیٰ ذلك:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ سئل أيّ العمل أفضل؟ فقال " إيمان بالله و رسوله" قيل: ثم ماذا؟ قال: " الجهاد في سبيل الله ". قيل: ثم ما ذا ؟ قال: "حج مبرور". قال العلامة بدر الدين العيني: فإن قلت في حديث ابن مسعودؓ " أيّ العمل أفضل؟ قال: "الصلوة على وقتها". ثم ذكر برالوالدين،ثم الجهاد. وفي حديث ابن عمرؓ: " أيّ الإسلام خير؟ قال: تطعم الطعام، وتقرأ السلام ......". و في حديث أبي ذرؓ: سالت رسول الله أيّ العمل أفضل؟ قال: الإيمان بالله والجهاد في سبيله...... في كيفية الجمع وجهين: أحدهما أنه جرى على اختلاف الأحوال كما روي أنه عليه السلام قال: حجة لمن يحج أفضل من أربعين غزوة، وغزوة لمن حج أفضل من أربعين حجة.(۱)

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا'' پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کیا ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا'' پھر پوچھا گیا: ''اس کے بعد کیا ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' حج مبرور''۔ علامہ عینیؒ اس حدیث کی تفصیل میں

(۱) علامہ بدرالدین العیني، عمدة القاري، بيان استنباط الفوائد: ۱/۱۸۶،۱۸۹، داراحياء التراث العربي، بيروت لبنان

فرماتے ہیں کہ: ''ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ: ''کون سا عمل افضل ہے؟'' فرمایا: ''نماز اپنے وقت پر پڑھنا'' پھر والدین کے ساتھ نیکی کا ذکر ہے، پھر جہاد کا۔ اور حدیث ابن عمرؓ میں بہترین عمل کھانا کھلانا اور سلام کرنا قرار دیا گیا ہے اور ابوذرؓ کی روایت میں ایمان باللہ اور جہاد کو بہترین عمل کہا ہے۔۔۔۔دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کی دو وجوہات ہیں حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے جس طرح روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: حج! جو حج ادا کرتا ہو چالیس غزوات سے بہتر ہے اور غزوہ جس نے حج کیا ہو، چالیس حجوں سے افضل ہے۔

❁❁❁

فریضہ حج ادا کرنے کے بعد دوبارہ سرکاری اسکیم کے تحت سفر حج

سوال نمبر(229):

اگر ایک شخص دو، تین بار سفر کر کے فریضہ حج ادا کر چکا ہو، اب کسی ایسے حکومتی اسکیم کے ذریعہ حج کی ادائیگی کے لیے جا رہا ہو جو سرکاری ملازمین کے لیے بنائی گئی ہو اور جانے والے کا انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعے ہوتا ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے سے حج کرنے والے شخص کا اس اسکیم کے ذریعے سفر حج کرنا درست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سرکاری ملازمین کے لیے حکومت کی جانب سے قرعہ اندازی کے ذریعے حج بیت اللہ کے لیے بھیجنے کی جو اسکیم بنائی جاتی ہے، اس کا مقصد عموماً غریب و نادار مسلمانوں کے ساتھ حج ادا کرنے میں ایک قسم کا تعاون کرنا ہوتا ہے، اس لیے جو حضرات صاحبِ استطاعت ہوں اور ایک دفعہ پہلے اپنے خرچ سے حج ادا کر چکے ہوں تو ان کے لیے مناسب تو یہی ہے کہ وہ قرعہ اندازی میں شریک ہی نہ ہوں، تاکہ زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو زیارتِ بیت اللہ کی سعادت حاصل ہو جائے جو اپنے خرچے سے وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے ہوں۔

تاہم جو حضرات دوبارہ یا سہ بارہ اسی اسکیم کے تحت بذریعہ قرعہ اندازی حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں تو ان کی ادائیگی حج کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن ابن عباسؓ :أن الأقرع بن حابس سأل النبي ﷺ،فقال:یارسول اللہ الحج في کل سنة أو مرة

واحدة،قال بل مرة واحدةً،فمن زاد فهو تطوع.(۱)

ترجمہ:
اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حج ہر سال فرض ہے یا (پوری زندگی میں) ایک مرتبہ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:''ایک مرتبہ فرض ہے اور جو شخص زیادہ ادا کرے تو وہ نفل ہے''۔

❁❁❁

ویزہ کی مدت ختم ہونے پر حکومت سے چھپ کر حج ادا کرنا

سوال نمبر(230):
اگر کوئی شخص سعودی عرب چلا جائے اور اس کے ویزہ کی مدت ختم ہو چکی ہو،لیکن وہ چوری چھپے حج کی ادائیگی کے لیے ٹھہرے تو ایسی صورت میں حج کی ادائیگی سے اس کا ذمہ فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:
واضح رہے کہ حج چند مخصوص افعال کی ادائیگی کا نام ہے، جب کوئی شخص اُن افعال کو اپنے وقت میں ادا کرے تو حج کی ادائیگی سے اُس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔
صورتِ مسئولہ میں جب یہ شخص حج کے افعال مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کرے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے،البتہ ویزہ کی مدت ختم ہونے کے باوجود چوری چھپے حج کے لیے ٹھہرنے کا حج کی صحت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں،تاہم چونکہ قوانین مفادِ عامہ کے لیے بنائے جاتے ہیں،اس لیے اس ضابطہ کی خلاف ورزی موجبِ گناہ ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:
(أما تفسيره)فهو: أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف، والوقوف في وقته محرماً بنية الحج سابقاً.(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد،كتاب المناسك،باب فرض الحج:۲۵۳/۱

(۱) الفتاوى الهندية ،كتاب المناسك،الباب الأول في تفسيرالحج وفرضيته...........:۲۱۶/۱

ترجمہ: حج مخصوص افعال کا نام ہے، وہ افعال حج کی پیشگی نیت کے ساتھ احرام کی حالت میں بروقت وقوف عرفات اور بیت اللہ شریف کا طواف کرنا ہے۔

❁❁❁

جمعہ کے دن عرفہ کی حیثیت

سوال نمبر(231):

آج کل یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ عرفہ جب جمعہ کے دن ہوتو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔کیا یہ بات درست ہے؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ شرعی نقطہ نظر سے حج اکبر سے کیا مراد ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾(۱)

یوم الحج الاکبر کی مراد میں مفسرینِ علمائے کے اقوال کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں مشہور یہ بات کہ ''جس سال عرفہ بروز جمعہ آجائے تو وہ حج اکبر ہوگا'' اس کی اصلیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اتفاقی طور پر جس سال رسول کریم ﷺ کا حجۃ الوداع ہوا ہے،اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا۔یہ ایک فضیلت اپنی جگہ ضرور ہے،مگر دین کے مفہوم سے اس کا تعلق نہیں۔

اس لیے قرآن کی اصطلاح میں ہر سال کا حج ''حج اکبر'' ہوا کرتا ہے۔دراصل شریعتِ مطہرہ میں عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے،اس لیے اس سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے حج کو''حج اکبر'' کہا گیا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وصف الحج بالأكبر؛لأن العمرة يسمى بالحج الأصغر كذا قال الزهري، والشعبي.(۲)

ترجمہ: ''حج'' کو اکبر کی صفت کے ساتھ اس لیے موصوف کیا گیا، کہ عمرہ کو حجِ اصغر کہا جاتا ہے،اس طرح کا قول زہری اور شعبی نے بھی نقل کیا ہے۔

---

(۱) التوبة:۳

(۲) التفسير المظهري،سورة التوبة،تحت آیت:۳:۴/۱۳۴

عرفہ کی رات کی دعا

سوال نمبر (232):

عرفہ کی رات قبولیت دعا کا بہتر موقع ہوتا ہے اس میں کون سی دعا پڑھنا زیادہ بہتر ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

شبِ عرفہ میں اپنی حاجت کے مطابق کوئی بھی دعا مانگی جا سکتی ہے، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جو مرد یا عورت عرفہ کی رات دس کلمات ایک ہزار دفعہ پڑھے تو جو دعا مانگی جائے گی، وہ قبول ہوگی، سوا اس کے کہ رشتہ ختم ہونے یا کسی گناہ کا سوال ہو۔ وہ دس کلمات مندرجہ ذیل ہے:

سبحان الذي في السماء عرشه سبحان الذي في الأرض موطئه

سبحان الذي في البحر سبيله سبحان الذي في النار سلطانه

سبحان الذي في الجنة رحمته سبحان الذي في القبر قضاء ہ

سبحان الذي في الهواء روحه سبحا ن ا لذی رفع السماء

سبحان الذي وضع الأرض سبحان الذي لا ملجاء،ولا منجامنه الاإليه.(۱)

ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے رسول ﷺ سے یہ سنا ہے آپؓ نے فرمایا: ہاں۔

❁❁❁

حج کو تبلیغ پر مقدم کرنا

سوال نمبر (233):

ایک شخص پر حج فرض ہو۔ ادائیگی حج سے پہلے وہ سال کے لیے جماعت میں جانا چاہتا ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ پہلے حج کرے یا تبلیغ میں ایک سال لگا دے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) إرشادالساري،باب الخطبة،فصل في الرواح من منى إلى عرفات:ص/۲۱۰

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج ارکان اسلام میں سے بنیادی رکن ہے، جب ایک دفعہ کسی مسلمان پر حج فرض ہو جائے تو کسی بڑے سے بڑے نیک کام کرنے سے حج جیسا فریضہ ادا نہیں ہوتا، جب تک با قاعدہ یہ فرض ادا نہ کرے اور نہ نیکی کے دیگر تمام کام حج جیسے فریضہ کے نعم البدل ہو سکتے ہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص پر حج فرض ہو چکا ہو تو حج تمام دوسرے کاموں پر مقدم ہوگا۔ تبلیغ کے لیے جانا کوئی عذر شرعی نہیں کہ جس کی بنا پر کسی کو حج سے عاجز شمار کیا جائے۔

ہاں اگر تشکیل ایسے رُخ پر ہو جس میں حج بھی ممکن ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

عن أبي هريرةؓ قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال: "يا أيها الناس قد فرض عليكم الحج فحجوا.(١)

ترجمہ:

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا تم حج ادا کرو''۔

❁❁❁

حج کے اقسام اور بہترین حج

سوال نمبر(234):

حج کی کتنی قسمیں ہیں اور احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج کی تین صورتیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ایک حج افراد، دوسرا حج تمتع، تیسرا حج قران۔

(١) الصحيح للمسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر:١/٤٣٢

جب کہ حنفی مذہب میں حج قران افضل ہے۔اور قران کے بعد حج تمتع بہتر ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال العلامة الحصكفيؒ: باب القران هو أفضل لحديث " أتاني الليلة آت من ربي، وأنا بالعقيق فقال: يا آل محمد أهلوا بحجة وعمرة معاً"........... ثم التمتع، ثم الإفراد.(۱)

ترجمہ: علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ:''قران افضل ہے،کیوں کہ حدیث میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:''میں ایک رات وادی عقیق میں تھا کہ میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا اور کہنے لگا:''اے آل محمد! حج اور عمرہ کے لیے ایک ساتھ احرام باندھ لو''۔۔۔۔پھر تمتع افضل ہے،پھر افراد۔

❁❁❁

فرضیتِ حج علی الفور یا علی التراخی میں مفتیٰ بہ قول

سوال نمبر(235):

اگر کسی پر حج فرض ہو جائے اور وہ اسی سال ادائیگی نہ کر سکے تو امام ابو یوسفؒ عزیمت،یعنی فوری ادائیگی کے وجوب کا اعتبار کر کے فرماتے ہیں کہ یہ آدمی فاسق اور مردود الشہادت ہوگا،یہاں تک کہ حج ادا کرے،جب کہ امام محمدؒ توسع،یعنی تاخیر کے ساتھ ادائیگی کے جواز کے قائل ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ جب بھی ادا کرے فاسق اور مردود الشہادت تو نہیں ہوگا،البتہ موت کی علامت پائی جائے یا موت آجائے اور حج ادا نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔اب حضرت مفتی صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں کون سا قول مفتیٰ بہ ہے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کے ہاں حج کے وجوب میں مذکور اختلاف،یعنی امام محمدؒ کے نزدیک''وجوب علی التراخی''اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک''وجوب علی الفور''میں مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا اصح قول بھی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر استطاعت کے باوجود بھی ادائیگی حج نہ کرے تو اس میں فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی سستی اور غفلت کا شکار ہو کر کئی سال گزر جانے کے بعد بھی حج ادا نہیں کر پاتا اور یوں فریضہ حج اس پر

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج، باب القران هو أفضل: ۵۵۳/۳، ۵۵٤

باقی رہ جاتا ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حج کا وجوب علی الفور ہو، تاہم اگر بالفرض پانچ، دس سال کے بعد بھی حج ادا کرلے تو قضا نہ ہوگا، بلکہ ادا ہی سمجھا جائے گا۔

والدّليل علىٰ ذلك:

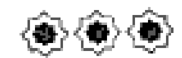
عن ابن عباسؓ عن النبي ﷺ قال: "تعجلوا إلى الحج يعني الفريضة؛ فإن أحدكم لا يدري ما يعرض له". قال الشيخ ظفرأحمد العثماني تحت هذاالحديث: واستدل بما ذكرنا في الباب على أن الحج واجب على الفور...... للأمر بالتعجيل إلى الحج، وهو المراد بالوجوب على الفور........... ودلالته على وجوب الحج على الفورظاهرة، ومثله لا يقال بالرأي، فله حكم المرفوع.(١)

ترجمہ: ابن عباسؓ حضور کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فریضۂ حج کی ادائیگی میں جلدی کرو، کیوں کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے''۔

شیخ ظفر احمد عثمانی مذکورہ حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: ''باب میں جو ہم نے ذکر کیا اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ حج فوری طور پر واجب ہوتا ہے۔۔۔۔تعجیل حج کے امر سے مراد یہ ہے کہ وجوبِ حج علی الفور ہو۔۔۔۔ اور امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فرضیت کے بعد ادائیگی فوری طور پر ہو اور اس جیسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی، لہٰذا یہ حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہے''۔

وهو فرض على الفور، وهو الأصح، فلايباح له التاخير بعد الإمكان إلى العام الثاني.(٢)

ترجمہ: حج کی فرضیت کے بعد اس کی ادائیگی فوری طور پر فرض ہے، یہی حکم زیادہ صحیح ہے، پس اگر اس سال حج کرسکتا ہے تو اس کے لیے یہ مباح نہیں ہے کہ دوسرے سال تک تاخیر کرے۔



بیمار بیوی کی وجہ سے حج میں تاخیر

سوال نمبر(236):

اگر کسی ایسے شخص کی بیوی کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو جس پر حج فرض ہو تو کیا خاوند بیوی کے علاج

(١) الشيخ ظفرأحمد عثماني، إعلاء السنن، باب وجوب الحج على الفور: ١٠/٤٠٦، دارالكتب العلمية بيروت

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك: ١/٢١٦

معالجے، تیمارداری وغیرہ کرنے کی وجہ سے سفرِ حج میں تاخیر کرسکتا ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ کسی پر فرض ہو جانے کی صورت میں بلا تاخیر اس کی ادائیگی ضروری ہے، تاہم کسی عذرِ شرعی کی بنا پر تاخیر کرنے کی گنجائش ہے۔

لہٰذا اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، لیکن اس کی بیوی کو کینسر جیسا خطرناک مرض لاحق ہو اور اس کے علاج معالجہ، تیمارداری وغیرہ کے لیے خاوند کے علاوہ اور کوئی نہ ہو جو مناسب طریقے سے اس کی دیکھ بھال کرسکے تو حق العبد کو مقدم کر کے حج میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہے، البتہ عذر زائل ہونے کے بعد فوری طور پر فریضہ حج کی ادائیگی لازم ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(لتقدم حق العبد) أي على حق الشرع ؛لاتهاونا بحق الشرع، بل لحاجة العبد، وعدم حاجة الشرع.(۱)

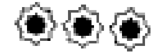
ترجمہ:

بندے کا حق شرع کے حق پر مقدم ہونے کی وجہ سے (حج کو مؤخر کیا جاسکتا ہے)۔ (یہ حکم) اس وجہ سے نہیں ہے کہ شرع کی حقارت ہو، بلکہ بندے کی حاجت اور شریعت کے عدمِ احتیاج کی بنا پر ہے۔

فإذا أخره، وأدى بعد ذلك وقع أداء، كذا في البحر. وعند محمد: يجب على التراخي، والتعجيل أفضل.(۲)

ترجمہ:

پس اگر کسی نے حج کی ادائیگی میں تاخیر کی اور بعد میں حج کر لیا تو وہ حج ادا قرار پائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حج کی فرضیت تراخی کے ساتھ ہے، البتہ جلد ادا کرنا افضل ہے۔



(۱) ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحج: ۳/۴۶۲

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك: ۱/۲۱۶

باپ کو حج پر بھیجنے سے بیٹے کی فراغتِ ذمہ کا مسئلہ

سوال نمبر(237):

ایک شخص کو اتنا مال ملتا ہے جس سے وہ حج کرنے کی استطاعت پاتا ہے، لیکن خود جانے کی بجائے والد کو حج کے واسطے بھیج دیتا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ والد کو بھیجنے سے خود اس کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حج ایک ایسا فریضہ ہے جو صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور ادا کیے بغیر بندے کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ اور بیٹے کی ملکیت الگ الگ ہونے کی وجہ سے باپ اور بیٹے کا فریضۂ حج بھی الگ الگ ہے، لہٰذا ایک کا فریضۂ حج ادا کرنے سے دوسرے کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر بیٹے نے ایامِ حج سے پہلے وہ رقم باپ کے حوالہ کی ہو تو اس صورت میں فرضیت باپ پر ہوگی اور باپ کی ادائیگی سے اس (باپ) کا ذمہ فارغ ہو جائے گا اور بیٹے پر حج فرض نہ ہوگا، تاہم اگر بیٹے نے وہ رقم اس وقت باپ کے حوالے کی ہو یا اس کا حج داخلہ کرایا ہو، جب بیٹے پر خود حج فرض ہو چکا ہو تو اس صورت میں باپ کا حج ادا کرنے سے بیٹے کا ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والأصل أن الأنسان لا يخرج عن عهدة ماعليه إلا بأدائه بنفسه، إلا إذا حصل المقصودمنه بأداء غيره كالجهاد و نحوه، وذلك لايتحقق في الحج.(١)

ترجمہ:

درحقیقت انسان کے ذمہ جو چیز لازم ہوتی ہے، جب تک وہ خود ادا نہ کرے، اس وقت تک اس کا ذمہ فارغ نہ ہوگا، مگر یہ کہ مقصود کسی اور کے ذریعے سے ادا ہو سکے، جیسا کہ جہاد وغیرہ۔ حج میں یہ بات متحقق نہیں ہوتی۔

❁❁❁

(١) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان فرضه: ٤١/٣

حالتِ فقر میں کیا ہوا حج

سوال نمبر(238):

اگر ایک شخص پر حج فرض نہ ہو، لیکن کسی وفد میں سعودی عرب جانا ہوا ہو۔ ایام حج آنے پر اس شخص نے حج کیا۔ بعد میں مالدار ہونے پر یہ شخص دوبارہ حج ادا کرے گا یا یہی حج فرض شمار ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حج عمر بھر میں مسلمان پر ایک دفعہ فرض ہے۔ اگر کسی ذریعے سے بیت اللہ جانا نصیب ہوا اور ایام حج آنے پر اس نے حج ادا کیا تو یہ حج اس شخص کے حق میں فرض متصور ہوگا، لہٰذا مالدار ہونے پر دوبارہ حج فرض نہیں۔ تاہم حج کے لیے سفر مقصود نہ ہونے کی وجہ سے راستہ کے ثواب سے یہ شخص محروم رہے گا۔ اس کے مقابلے میں جو شخص گھر سے یہ نیت اور ارادہ لے کر نکلے کہ میں جا کر حج کروں گا تو راستہ میں ہر قدم پر اس کو ثواب ملے گا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

الفقیر إذا حج ماشیاً، ثم أیسر لا حج علیه.(۱)

ترجمہ:

فقیر نے جب پیدل چل کر حج کیا اور پھر مالدار ہوا تو اس پر (دوبارہ) حج نہیں۔

❁❁❁

مالِ حرام سے حج ادا کرنے سے بچاؤ کی صورت

سوال نمبر(239):

ایک آدمی کے پاس حرام مال ہے اور وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ کسی دوسرے شخص سے حلال مال قرض لے کر حج ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بایں طور کہ وہ بعد میں قرض اتارنے کی خاطر اس کو اپنا حرام مال دے دے۔

بینوا توجروا

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، باب في تفسیرها: ۲۱۷/۱

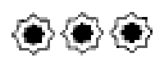
الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حج جیسی مقدس عبادت کے سفر کے لیے حلال مال کا ہونا ضروری ہے۔ایسا مال جو حرام ذرائع آمدنی سے کمایا گیا ہو اس سے خود کو بچا کر حج کے لیے خالص حلال مال خاص کرنا چاہیے، تاہم اگر ایک شخص کے لیے ایسی صورت ممکن نہ ہو کہ وہ اپنے مال کے بارے میں یقین سے حلال ہونے کا عندیہ ظاہر کرے تو پھر ایسی صورت میں حج چھوڑنے کی بجائے کسی اور سے حلال رقم قرض لے کر سفر کرے۔ بعد ازاں اس مخدوش مال سے قرض کی ادائیگی کرے، تاکہ خبث اور گندگی کا حتی الامکان تدارک ہو سکے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا أراد الرجل أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فإنه یستدین، یحج ویقضي دینه من ما له.(۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے حلال مال سے حج کا ارادہ کیا اور اس مال میں اسے شبہ ہو تو وہ یوں کرے کہ حج کے لیے قرض لے لے اور اپنے مال سے قرض ادا کر دے۔



حائضہ عورت کے لیے حج کی ادائیگی کا طریقہ کار

سوال نمبر (240):

اگر عورت کو ایامِ حج میں حیض آجائے تو اس کے حج کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ وہ حج کیسے ادا کرے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب حج کے دوران کسی عورت کو حیض آنا شروع ہو جائے تو اس کے لیے شریعتِ مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ وہ طواف، سعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ جملہ ارکان حج ادا کرے گی، یعنی وقوفِ عرفات ومزدلفہ، رمی جمار اور ذبح وغیرہ اپنے مقررہ اوقات پر ادا کرے گی، البتہ طوافِ زیارت اور سعی بین الصفا والمروۃ کی ادائیگی کے لیے پاک ہونے تک انتظار کرے گی۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، باب في تفسیر الحج: ۱/ ۲۲۰

والدّلیل علیٰ ذلك:

إذا حاضت المرأة عند الإحرام اغتسلت،وأحرمت،وصنعت كما يصنعه الحاج، غيرأنها لا تطوف بالبيت حتىٰ تطهرلحديث عائشةؓ حين حاضت بسرف.(۱)

ترجمہ:

اور جب احرام کے وقت عورت حائضہ ہوگئی تو غسل کرکے احرام باندھے اور جیسے حاجی لوگ کرتے ہیں، وہ بھی کرے، مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے، یہاں تک کہ پاک ہوجائے۔ دلیل حدیثِ عائشہؓ ہے، جب مقام سرف میں ان کو حیض آنا شروع ہوا۔

❁❁❁

مخصوص بیماری کے دوران خواتین کا احرام

سوال نمبر(241):

اگر ایک خاتون کو سفرِ حج پر روانگی کے وقت حیض آئے تو احرام باندھنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیوں کہ یہ خاتون اس وقت نماز نہیں پڑھ سکتی۔ کیا حجاج کی طرح یہ تلبیہ پڑھے گی یا اس کا پڑھنا بھی جائز نہیں؟ ایسی خاتون مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر احرام باندھنے کے بعد حیض عارض ہو، جس کی وجہ سے عمرہ کی فرصت نہ ملے اور ایام حج شروع ہوں تو یہ عورت کیا کرے گی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایامِ حیض میں خاتون نماز نہیں پڑھ سکتی اس لیے احرام سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی اس کے لیے جائز نہیں۔ تاہم احرام کے لیے حیض سے پاک ہونا ضروری نہیں، اس لیے احرام کے لیے عام لوگوں کی طرح حائضہ بھی غسل کرلے اور نیت کرکے تلبیہ پڑھے اس سے یہ احرام میں داخل ہوجائے گی۔ چونکہ یہ غسل طہارت کے لیے نہیں، بلکہ نظافت یعنی صفائی کے لیے ہے، اس لیے جس طرح حیض والی عورت ہاتھ منہ دھونے سے صفائی کرسکتی ہے، اسی طرح غسل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۱) الھدایة، کتاب الحج،باب التمتع: ۲۸۸،۲۸۷/۱

پھر محرم بننے کے بعد جب یہ مکہ مکرمہ پہنچے تو طواف کے لیے حیض ختم ہونے کا انتظار کرے کیونکہ نماز کی طرح طواف کے لیے بھی پاک ہونا ضروری ہے۔ البتہ اگر حیض ختم ہونے سے پہلے پہلے ایام حج آجائیں تو عمرہ کا احرام ختم کر کے حج کا احرام باندھ لے حج سے فراغت کے بعد عمرہ کی قضا کرے اور گزشتہ عمرہ چھوڑنے پر دم ادا کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وهو للنظافة لا للطهارة، فيستحب في حق الحائض، أو النفساء، والصبي لماروي أن أبا بكر قال لرسول الله ﷺ إن أسماء قد نفست، فقال: مرها فلتغتسل و لتحرم بالحج. (١)

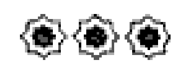
ترجمہ:

یہ غسل ظاہری صفائی کے لیے ہے، ناپاکی سے پاکی کے لیے نہیں، اس لیے حیض ونفاس والی عورت اور بچوں کے لیے بھی مستحب ہے، جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اسماء کو حیض عارض ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے کہہ دیجیے کہ غسل کرے اور احرام باندھ لے''۔

وعليه دم بالرفض أيهما رفضه؛ لأنه تحلّل قبل أوانه لتعذر المضي فيه، فكان في معنى المحصر إلّا في رفض العمرة قضاها لاغير.(٢)

ترجمہ:

اور اس پر ایک دم لازم ہے ان دونوں (یعنی حج وعمرہ) میں سے جس کو بھی چھوڑا ہو۔ کیونکہ جاری رکھنے کے متعذر ہونے کی وجہ سے یہ اپنے وقت سے پہلے حلال ہوا ہے۔ چنانچہ یہ محصر کی طرح ہوا۔ البتہ یہ کہ عمرہ چھوڑنے میں صرف عمرہ کی قضا بھی کرے گا۔



(١) البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ٢/٥٦٠، ٥٦١

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في إضافة الإحرام إلى الإحرام: ١/٢٥٤

دورانِ حج مانعِ حیض ادویات استعمال کرنا

سوال نمبر(242):

اکثر خواتین حج وعمرہ کے دوران حیض روکنے کے لیے ادویات کا استعمال کرتی ہیں۔پوچھنا یہ ہے کہ ان عورتوں کے معتاد دنوں (حیض والے دنوں) میں جو طہارت حاصل ہوتی ہے،شرعاً اس طہارت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اور ان کے طواف وغیرہ کا کیا حکم ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حیض کا آنا خواتین کی ایک طبعی چیز ہے۔شریعت نے حیض کے دوران بعض احکامات تو ان کے حق میں بالکل معاف کر دیے ہیں اور بعض احکامات پاک ہونے تک مؤخر کر دیے ہیں، البتہ پاکی حاصل ہونے کی صورت میں تمام احکامات کو اپنے اوقات میں بجالانا واجب ہے۔طہارت چاہے **طبعی طور پر حاصل ہو یا کسی** دوائی وغیرہ کے استعمال سے حاصل ہو،اس میں کوئی فرق نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب خواتین مانعِ حیض ادویات کے استعمال سے طہارت حاصل کر لیں تو ان کے لیے ہر قسم کے احکامات کی بجا آوری ضروری ہوگی اور ایسی حالت (اس طہارت) میں ان کے لیے طواف کرنا بھی جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(والطهارة فيه) من النجاسة الحكمية على المذهب.قال ابن عابدينؒ :قوله:(من النجاسة الحكمية)أي الحدث الأكبر والأصغر.(١)

ترجمہ:

اور حج کے واجبات میں سے نجاستِ حکمی سے پاک ہونا ہے۔علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ"نجاست حکمی سے مراد حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر ہے (ان دونوں سے پاک ہونا ضروری ہے)"۔

❁❁❁

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج :٤٧١/٣

پیشاب کے قطروں سے بچنے کے لیے احرام میں ٹائلٹ پیپر باندھنا

سوال نمبر (243):

اگر کسی شخص کو سلس البول کی بیماری لاحق ہو اور وہ پیشاب کے قطروں سے کپڑوں کو بچانے کے لیے ٹائلٹ پیپر باندھتا ہو تو پوچھنا یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے احرام کی حالت میں پیشاب کے قطروں سے بچنے کی خاطر ٹائلٹ پیپر باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

پیشاب کے قطروں کو روکنے اور کپڑوں کو نجاست سے بچانے کے لیے ٹائلٹ پیپر عضوِ مخصوص کے ساتھ باندھنا ضروری ہے، تاہم حالتِ احرام میں اگر ضرورتِ شدیدہ نہ ہو تو پھر ٹائلٹ پیپر باندھنا مکروہ رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ویکرہ لہ أن یعصب رأسہ ،أو وجھہ بغیر علۃ، وإن فعل ذلک یوماً کاملاً، فعلیہ الصدقۃ ولو عصب موضعاً اٰخر من جسدہ لاشئ علیہ، وإن کثر لکنہ یکرہ من غیرعذر.(۱)

ترجمہ: مُحرم کے لیے بغیر عذر کے سر یا چہرہ پر پٹی باندھنا مکروہ ہے اور اگر اس نے پورا دن پٹی باندھے رکھی تو اس پر صدقہ لازم آئے گا اور اگر کسی مُحرم نے سر یا چہرے کے علاوہ بدن کے کسی اور جگہ پٹی باندھی تو اگر چہ زیادہ ہو، اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

❁❁❁

احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا

سوال نمبر (244):

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اور روانگی کے وقت بیماری کی وجہ سے غسل کرنے سے قاصر ہو تو کیا غسل کیے بغیر احرام باندھ سکتا ہے؟

بیّنوا توٴجروا

(۱) الفتاویٰ الھندیۃ ،کتاب المناسک، الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس: ۲۴۲/۱

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا ایک مستحب عمل ہے، جس سے مقصود صرف بدن سے میل کچیل دور کرنا ہے، کوئی فرض یا واجب نہیں۔

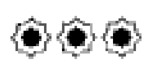
لہٰذا اگر کوئی غسل کیے بغیر صرف وضو کر کے احرام باندھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی ادائیگی حج میں کوئی نقص آتا ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

و إذا أراد الإحرام اغتسل، أو توضأ، والغسل أفضل إلا أن هذا الغسل للتنظيف حتى تؤمر به الحائض.(۱)

ترجمہ:

جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ غسل کرے یا وضو کرے اور غسل کرنا افضل ہے، البتہ یہ غسل صفائی کے لیے ہے، حتیٰ کے حیض والی عورت کو بھی غسل کا حکم دیا جائے گا۔



طواف کے دوران نماز کے لیے کھڑا ہونا

سوال نمبر (245):

دوران طواف جماعت کا وقت پورا ہو جائے اور طواف کرنے والے نے طواف چھوڑ کر نماز با جماعت ادا کرنی شروع کی، پھر نماز کے بعد اسی جگہ سے وہی پرانا طواف شروع کیا تو کیا اس طرح طواف کرنا درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ دوران طواف اگر نماز کا وقت آنے پر طواف کرنے والا نماز میں شریک ہو جائے تو اس صورت میں اگر وہ چار یا اس سے زائد چکر مکمل کر چکا ہو تو نماز پڑھ کر باقی چکر مکمل کر لیں اور از سر نو طواف شروع کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، البتہ اگر چار سے کم چکر لگائے ہوں تو پھر از سر نو طواف کرنا مستحب ہے۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الإحرام: ۲۲۲/۱

تاہم دوران طواف نماز کا وقت آنے کی صورت میں مناسب یہ ہے کہ اگر رکعت فوت ہوجانے کا خوف نہ ہو تو چکر مکمل کرلے، پھر جماعت میں شریک ہو اور چکر ادھورا چھوڑنے کی صورت میں واپس آکر وہیں سے طواف کا چکر شروع کرے تو طواف درست رہے گا۔اس چکر کو حجر اسود سے شروع کرنا ضروری نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

و في المحیط: لو خرج من طوافه إلیٰ جنازة، أومکتوبة، أوتجدید وضوء،ثم عاد بنی.(۱)

ترجمہ: محیط میں ذکر ہے کہ اگر جنازہ یا فرض نماز یا تجدید وضو کے لیے طواف سے چلا گیا اور پھر واپس لوٹا تو اس پر بنا کرلے (یعنی وہیں سے دوبارہ طواف شروع کرلے)۔

ولو خرج من الطواف، أو من السعي إلی جنازة، أو مکتوبة، أوتجدید وضوء، ثم عاد بنی لو کان ذلک بعد إتیان أکثره، ولو استأنف لا شیئ علیه..........ویستحب الاستئناف في الطواف إذاکان قبل إتیان أکثره.و إذا حضرت الجنازة، أو المکتوبة في أثناء الشوط، ینبغي أن یتمه إذا خاف فوت الرکعة مع الإمام، وإذا أعاد للبناء، هل یبنی من محل انصرافه ،أو یبتدئ الشوط من الحجر؟ الظاهرالأول قیاسا علی من سبقه الحدث في الصلوة.(۲)

ترجمہ:

اگر طواف کعبہ یا سعی بین الصفا والمروہ سے نماز جنازہ یا فرض نماز کی جماعت میں شرکت کے لیے یا نئے سرے سے وضو کرنے کے لیے نکل جائے،تو اکثر چکروں کے بعد واپس آکر اسی پر بنا کرے،اور اگر سرے سے لوٹا دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں۔۔۔۔۔طواف میں نئے سرے سے لوٹانا اس وقت ہوتا ہے جب اکثر چکروں سے پہلے واپس آیا ہو اور جب طواف کے کسی چکر کے دوران نماز جنازہ یا فرض نماز کی جماعت تیار ہوجائے تو مناسب یہ ہے کہ چکر مکمل کرلے اگر امام کے ساتھ رکعت فوت ہوجانے کا خوف ہو اور جب بناء کے لیے واپس ہو تو کیا شوط کو چھوڑے ہوئے مکان سے شروع کرے یا حجر اسود سے ابتدا کرے؟ نماز کے دوران حدث واقع ہونے والے شخص کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ظاہر قول اول ہے۔

۞۞۞

(۱) البحرالرائق، کتاب الحج، باب الإحرام، متصل قبل قوله: (ترمل في الثلثة الأول) :۲/۵۷۷

(۲) غنیة الناسك في بغیة المناسك، باب الطواف:ص۱۲۷،مکتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراجي

دورانِ طواف کندھے پر چادر لٹکانا

سوال نمبر(246):

طواف کرتے وقت چادر کو دائیں بغل کے نیچے کرکے بائیں کندھے پر ڈالنے کا کیا حکم ہے۔اور طواف کرتے وقت اس کو کب تک کندھے پر رکھنا چاہیے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

طواف کرتے وقت چادر دائیں بغل کے نیچے کرکے بائیں کندھے پر ڈالنا اضطباع کہلاتا ہے۔اضطباع کرنا ایسے طواف میں سنت ہے جس کے بعد صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا پڑے،مثلاً عمرہ کا طواف،حاجی کے لیے طوافِ قدوم یا طوافِ زیارت جس کے بعد سعی ہو اور طواف کرنے والا احرام میں ہو،کیونکہ عام کپڑے پہن کر سعی نہیں کی جاسکتی۔پھر اضطباع طواف کرتے وقت تمام چکروں میں سنت ہے،طواف سے قبل یا طواف کے بعد اضطباع کی ضرورت نہیں،عام لوگ احرام باندھ کر بیت اللہ پہنچنے سے قبل اضطباع کا جو اہتمام کرتے ہیں،یہ شرعی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے،بلکہ طواف سے فارغ ہوکر یہ کیفیت باقی رکھنا بھی درست نہیں۔طواف کے دوگانہ پڑھتے وقت چادر درست کرے،اضطباع کی ضرورت نہیں۔

فقہ حنفی کے نامور عالم ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

أن الاضطباع سنة في جميع أشواط الطواف.......... فإذا فرغ من الطواف فيترك الاضطباع حتى إذا صلى ركعتي الطواف مضطبعاً يكره لكشف منكبيه.......... الاضطباع (سنة في كل طواف بعده سعي) كطواف القدوم والعمرة، وطواف الزيارة على تقدير تأخير السعي، وبفرض أنه لم يكن لابساً.(۱)

ترجمہ:

اضطباع طواف کے تمام چکروں میں سنت ہے۔۔۔۔جب طواف سے فارغ ہوتو اضطباع کو ختم کیا جائے گا

(۱) حسين بن محمد سعيد عبدالغني المكي، إرشاد الساري إلى مناسك الملاعلي القاري، باب دخول مكة، فصل في صفة الشروع في الطواف: ص۱۴۳

یہاں تک کہ اگر دو رکعات اضطباع کی حالت میں پڑھی تو کندھا کھلا رہنے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔۔۔۔ پھر اضطباع ہر اس طواف میں سنت ہے، جس کے بعد سعی ہو، جیسا کہ طوافِ قدوم، عمرہ کا طواف اور طوافِ زیارت، اگر سعی کو مؤخر کیا گیا ہو اور ایسا فرض کیا جائے گا کہ وہ کپڑے پہننے والا نہیں تھا۔

❁❁❁

افعالِ حج میں نامحرم عورت سے مس ہونا

سوال نمبر(247):

دورانِ حج خصوصاً عرفات اور طواف وغیرہ کے مقامات پر نامحرم عورتوں پر نظر پڑتی ہے۔ یا اختلاط اور مس بدن ہو جاتا ہے تو کیا اس وجہ سے مرد گناہ گار ہوگا اور ادائیگی حج پر کوئی منفی اثر پڑے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط ہونا، نظر پڑنا اور مس ہونا بہت سے مسائل اور فسادات کا پیش خیمہ ہے، تاہم فقہائے کرام کے بیان کردہ جزئیات پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ضرورتِ شدیدہ اور عموم بلویٰ کی صورت میں قضائے شہوت کی نیت وارادہ کے بغیر مذکورہ صورتیں اگر واقع ہو جائیں تو شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں حتی الوسع کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اختلاط وغیرہ سے بچا جا سکے، تاہم اگر حج کے بعض افعال کی ادائیگی کے دوران اتنا ہجوم اور رش کی صورت بن جائے کہ حتی الوسع احتیاط کے باوجود مردوں کا جسم اجنبی عورتوں سے یا عورتوں کا جسم اجنبی مردوں سے مس ہو جاتا ہو تو عموم بلوئی کی وجہ سے امید ہے کہ اس پر شرعاً مواخذہ نہ ہو گا، تاہم ایسی صورت میں دل گندے خیالات سے صاف رکھنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال محمدؒ و یجوز له أن یسافر بها، و یخلوبها یعني بمحارمه إذا أمن علی نفسه...... وإن احتاج إلی حملها وإنزالها في السفر فلا بأس بأن یأخذ بطنها وظهرها من وراء الثیاب، فإن خاف الشهوة علی نفسه أو علیها فلیجتنب بجهده، و ذلك بأن یجتنب أصلاً متی أمکنها الرکوب والنزول بنفسها،

وإن لم يمكنها ذلك تكلف المحرم في ذلك زيادة تكلف بالثياب، حتى لا يصل إليه حرارة بدنها.(۱)

ترجمہ:

امام محمدؒ نے فرمایا کہ:''مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عورت کے ساتھ یعنی اپنی محرمات ابدیہ کے ساتھ سفر کرے اوراس کے ساتھ تنہائی میں رہے، جب کہ وہ اپنے آپ پر شہوت سے امن میں ہو۔۔۔۔اور اگر دوران سفر اس عورت کو اُٹھا کر سوار کرنے اور اسے اتارنے کی ضرورت پڑی تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے پیٹ اور پیٹھ کو کپڑے کے اوپر سے پکڑ لے۔پس اگر ایسا کرنے میں اس کو اپنے اوپر یا اس پر شہوت کا خوف ہو تو وہ اپنی کوشش بھر اجتناب کرے اس طور پر کہ اگر وہ خود (سواری پر) چڑھ سکتی ہو اور اتر سکتی ہو تو اسے اُٹھا کر سوار کرنے اور اتارنے سے مکمل اجتناب کرے۔ اگر اس عورت کو ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو وہ محرم مرد کپڑا استعمال کرنے میں تکلف سے کام لے اور حتی الوسع احتیاط کرے، تا کہ اسے اس عورت کے بدن کی حرارت نہ پہنچے۔

❁❁❁

روضۂ اقدس کی زیارت کے بغیر حج کا حکم

سوال نمبر(248):

ایک شخص حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ چلا گیا۔اس نے حج کر لیا،لیکن حضرت محمد ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے نہیں گیا تو کیا اس شخص کا حج ہوا؟ اس کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج کے ارکان وشرائط میں رسول کریم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت شامل نہیں،لہٰذا اگر کسی نے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے بغیر حج کر لیا تو اس کے ذمے سے حج ساقط ہوگا،البتہ آپ ﷺ کے مرقدِ مبارک کی زیارت فرض تو نہیں،لیکن مندوب اور قریب الی الوجوب کے درجے سے خالی بھی نہیں۔مدینہ منورہ کے سفر اور روضۂ مبارکہ کے بارے میں فضائل اور حصول ثواب کے ارشادات کا تقاضا یہ ہے کہ اس عمل سے چشم پوشی اور غفلت برتنا آپ ﷺ کی شفاعت سے محرومی اور قساوتِ قلبی سے کم نہیں۔اس کے علاوہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز جس کی فضیلت

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه وما لا یحل له: ۳۲۸/۵

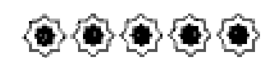
اور ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے، اس سے محروم ہونا یقیناً بد قسمتی اور بدبختی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، اس لیے بطور ایک پیغمبر آخر الزمان کے، امتی پر یہ حق بنتا ہے کہ آپ ﷺ کے روضۂ اطہر اور مسجد نبوی ﷺ کی دیدار ضرور کر لے، تا کہ اس کے مقرر کردہ ثواب کا مستحق بن جائے۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے اتنے زر کثیر خرچ کر کے جانا اور پھر تھوڑے فاصلے پر اپنے محسن اعظم ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضری نہ دینا شقاوت اور حد درجے کی بے انصافی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قوله: (مالم يمربه) أي بالقبر المكرم: أي ببلده ،فإن مر بالمدينة كأهل الشام بدأ بالزيارة لامحالة؛ لأن تركها مع قربهايعد من القساوة والشقاوة، وتكون الزيارة حينئذٍ بمنزلة الوسيلة، وفي مرتبة السنة القبلية للصلاة.(١)

ترجمہ:

جس کسی کا گزر روضۂ اقدس پر نہ ہو، یعنی ان کے شہر پر گزر نہ ہو، البتہ اگر کسی کا گزر مدینہ منورہ پر ہو، جیسا کہ اہل شام، تو وہ روضہ کی زیارت سے شروع کریں، کیوں کہ اتنی قربت کے باوجود اس کو چھوڑنا شقاوت اور قساوت ہوگی۔ اور اس وقت زیارت بمنزلہ وسیلہ ہوگی اور یہ نماز سے پہلے سنن کے مرتبہ میں ہوگا۔



١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرم: ٤/ ٥٤

باب الهدی

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

حج چونکہ مالی اور بدنی مناسک کا مجموعہ ہے اور اس جیسی قلندرانہ اور فقیرانہ عبادت عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اس لیے اس کی شان بڑھانے اور اہمیت جتانے کے لیے مختلف مواقع اور حالات کے مطابق جانور کی قربانی بھی لازمی قرار دی گئی ہے۔ ان قربانیوں میں کچھ قربانیاں تو محض شکرانے اور نعمت کی قدردانی کے طور پر واجب ہیں، جب کہ بعض دوسری قربانیاں ممنوعاتِ حج کے ارتکاب پر اس نقصان کی تلافی کے طور پر مشروع کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ نذر اور خالص نفل قربانیاں بھی اس موقع پر بے شمار تعداد میں کی جاتی ہیں، ان قربانیوں کے احکام بتلانے کے لیے فقہائے کرام مستقل طور پر "باب الہدی" کے عنوان سے بحث کرتے ہیں جس کا شمار حج کے بنیادی ابحاث میں ہوتا ہے۔

ہدی کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

ہدی کا لغوی اور اصطلاحی معنی ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے:

"مایهدی إلی الحرم من النعم لیتقرب به".

ہدی وہ جانور ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے حرم کو بھیجا جائے۔ (۱)

ہدی کے جانوروں کی کیفیت:

اونٹ، گائے، بیل اور بکرا ہدی کے طور پر لے جائے جاسکتے ہیں۔ ان میں اونٹ سب سے بہتر ہے، کم سے کم درجہ بکرے کا ہے، جب کہ گائے درمیانہ درجے کی ہے۔ اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ بھی ہدی کا ادنی درجہ شمار ہوگا۔ ان سب میں نر و مادہ دونوں کافی ہیں۔ جس عمر اور صفت کے جانور قربانی میں ضروری ہیں وہی شرائط ہدی میں بھی ہیں۔ (۲)

اعلی اور ادنی قربانی کے لیے مقامات کی تفصیل:

حج اور عمرہ کے جملہ احوال میں جہاں بھی کسی شخص پر قربانی واجب ہوجائے تو اس کے لیے ادنی قربانی کافی

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج، باب الهدي: ٤/٣٦

(۲) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحج، باب الهدي: ٤/٣٧، إرشاد الساري، باب الهدايا، ص:٥١٨

ہے، تاہم حج کے دوران صرف دو صورتوں میں اعلیٰ قربانی واجب ہے:

(۱)......وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرلے۔

(۲)......اور جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں طواف زیارت کرلے۔

احکام کے اعتبار سے ہدی (قربانی) کی قسمیں:

(۱)ہدی شکر:

تمتع اور قران کی قربانی شکرانے کے طور پر ہوتی ہے، اسی طرح نفلی قربانیاں بھی مطلقاً ہدی شکر کے زمرے میں آتی ہیں۔

(۲)ہدی جبر:

تمتع، قران اور نفل قربانی کے علاوہ بقیہ تمام قربانیاں ہدی جبر میں شمار ہوتی ہیں، چنانچہ مناسکِ حج میں کسی عبادت میں کوتاہی کے ارتکاب۔ احصار، نذر، شکار کرنے یا میقات سے بلا احرام تجاوز کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے، وہ ہدی جبر کہلاتی ہیں۔

ہدی شکر کے احکامات:

تمتع، قران اور نفل قربانی میں سے خود کھانا، فقرا یا اغنیا کو کھلانا سب کچھ جائز ہے۔ مذکورہ قربانی میں سے کسی بھی حصے کو صدقہ کرنا واجب نہیں، تاہم ایک ثلث صدقہ کرنا، ایک ثلث خود کھانا اور ایک ثلث کسی کو ہدیہ کرنا یا اپنے لیے ذخیرہ کرنا مستحب ہے۔ مذکورہ قربانیوں کے گوشت کی طرح کھال وغیرہ سے خود فائدہ حاصل کرنا بھی جائز ہے، تاہم اگر اس کو فروخت کرلیا تو اب اس کی قیمت کو خود استعمال نہیں کرسکتا، بلکہ فقرا پر صدقہ کرے گا۔

دمِ شکر فقط ذبح کرنے سے ادا ہوجاتا ہے، لہٰذا ذبح کرنے کے بعد اگر گوشت قصداً ضائع کرلے یا چوری ہوجائے تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔ نفلی قربانی کا جانور اگر کسی عذر کی وجہ سے حرم پہنچنے سے پہلے ذبح کردیا گیا تو اب اس کے گوشت سے خود کھانا یا اغنیا کو کھلانا ناجائز ہے۔(۱)

---

(۱) إرشاد الساري ، باب الهدايا، ص:۵۱۸۔۵۲۱، الفتاوى الهندية ، كتاب المناسك ،الباب السادس عشر في الهدي: ۲۶۱/۱،۲۶۲، الاختيار لتعليل المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۱۷۲/۱۔۱۷۵

ہدی جبر کے احکام:

جنایت وغیرہ کی قربانی سے خود کھانا (اگرچہ خود فقیر ہی کیوں نہ ہو) یا اغنیا کو کھلانا جائز نہیں۔ مذکورہ قربانی کا تمام گوشت فقرا پر صدقہ کرنا واجب ہے، اسی طرح قصداً گوشت ضائع کرنے کی وجہ سے اس کے بقدر پیسوں کو فقرا پر صدقہ کرنا بھی واجب ہوگا۔ جس قربانی کا گوشت خود کھانا جائز نہ ہو، تو اس قربانی کی کھال وغیرہ سے انتفاع حاصل کرنی بھی جائز نہیں، بلکہ فقرا پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ فقرا میں سے حرم کے فقرا کو ترجیح دینا چاہیے۔ ایک فقیر کو تمام گوشت دینا بھی جائز ہے۔

ہدی شکر اور ہدی جبر کے مشترکہ احکام:

(۱)......دونوں قسموں کی قربانی کا گوشت فروخت کرنا یا اُجرت میں قصاب کو دینا جائز نہیں۔ اگر فروخت کردیا یا قصاب کو دے دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ یہی حکم چمڑے کا بھی ہے۔

(۲)......ہدی شکر اور ہدی جبر دونوں کے جانور (اونٹ، گائے) میں سات افراد کا اشتراک جائز ہے، بشرطیکہ ساتوں کی نیت قربت اور عبادت کی ہو، اگرچہ بعض کی قربانی نفل یا شکرانے کی ہو اور بعض کی جنایت وغیرہ کی وجہ سے ہو۔

(۳)......اگر قربانی کا جانور بچہ جنم لے تو اس بچے کو بھی ذبح کیا جائے گا، تاہم اگر فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسرا جانور خرید کر ذبح کرلیا یا قیمت فقرا پر صدقہ کرلی تو بھی جائز ہے۔

(۴)......قران تمتع اور نذر کے جانوروں (اونٹ اور گائے) کے گلے میں قلادہ ڈال کر عرفات لے جانا اور اس کی تشہیر کرنا سنت ہے۔ جنایت اور احصار وغیرہ کے جانوروں میں تقلید (گلے میں قلادہ ڈالنا) کرنا سنت تو نہیں البتہ جائز ہے۔ بکری وغیرہ میں تقلید مطلقاً غیر مشروع ہے۔

(۵)......کسی بھی قربانی کے جانور کا اون، بال، دودھ وغیرہ استعمال کرنا جائز نہیں، اگر خود استعمال کرلیا تو اس کے بقدر قیمت کو فقرا پر صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

مکان اور زمان کے اعتبار سے ہدایا کے احکام:

(۱)......تمتع اور قران کی قربانی صرف ایامِ نحر میں جائز ہے۔

(۲)......نفل قربانی ایامِ نحر سے پہلے بھی کی جاسکتی ہے، تاہم ایامِ نحر میں افضل ہے۔

(۳)......جنایت اور احصار وغیرہ کی قربانیاں کسی بھی وقت کی جا سکتی ہیں، تاہم ان میں تعجیل بہتر ہے، تاکہ جنایت کا تدارک فوراً ہو سکے۔

مذکورہ تمام ہدایا کے لیے مکان صرف اور صرف حرم ہے۔حرم کے بغیر کسی اور جگہ ذبح کرنا جائز نہیں۔(۱)

حج قران اور تمتع کی قربانی کا حکم:

حجِ قران اور تمتع ادا کرنے والے شخص پر بالاتفاق شکرانے کے طور پر قربانی کرنا واجب ہے، تاہم اس قربانی کے وجوب کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔

(۱)............قربانی کرنے کی استطاعت اور قدرت پائی جائے۔

(۲)............حج اپنے جملہ ارکان کے ساتھ صحیح طریقے سے ادا ہو۔

(۳)............حج ادا کرنے والا عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔مجنون اور بچے پر نہ تو قربانی واجب ہے اور نہ اس کا بدل، یعنی روزے، جب کہ غلام پر قربانی کے بدلے میں دس روزے رکھنا واجب ہے۔

(۴)......قربانی حدودِ حرم میں کی جائے، تاہم مسنون جگہ منیٰ ہے۔

(۵)......قربانی ایامِ نحر میں کی جائے، مسنون وقت ایام نحر کا پہلا دن ہے۔

(۶)......قربانی رمی اور حلق کے مابین کی جائے، یعنی ترتیب کا خیال رکھنا واجب ہے۔(۲)

حج قران اور تمتع میں قربانی سے عاجز ہونے کا حکم:

متمتع اور قارن شخص کو اگر قربانی کرنے پر قدرت اور استطاعت نہ ہو تو بدل کے طور پر اس کو دس روزے رکھنے ہوں گے۔ان میں سے تین روزے یومِ عرفہ کے دن تک رکھنے ضروری ہیں، جب کہ بقیہ سات روزے ایامِ تشریق کے بعد رکھے جائیں گے۔

پہلے تین روزوں کی صحت کے لیے شرائط:

(۱) اگر حاجی قارن ہو تو ضروری ہے کہ روزے رکھنے کے وقت وہ عمرے اور حج کے احرام میں ہو۔

---

(۱) إرشاد الساري، باب الهدايا، ص:۵۱۸ـ۵۲۱، الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب السادس عشر في الهدي: ۱/۲۶۱، ۲۶۲، الاختيار لتعليل المختار، كتاب الحج، باب الهدي: ۱/۱۷۲ـ۱۷۵

(۲) إرشاد الساري، باب القران، فصل في هدي القارن و المتمتع، ص:۲۹۰

(۲)اگر متمتع ہوتو ضروری ہے کہ عمرے کا احرام باندھنے کے بعد روزے رکھے جائیں۔ چاہے عمرے کا طواف کر کے فارغ ہو چکا ہو یا ابھی تک عمرے کے احرام میں ہو۔

(۳)تینوں روزے اشہر حج میں رکھے جائیں اور یوم نحر سے پہلے پہلے پورے کر لیے جائیں۔

(۴)ہر روزے کی نیت رات سے کی ہو، صبح نکلنے کے بعد نیت معتبر نہیں۔

(۵) ایام نحر میں حلق یا قصر کرنے کے وقت تک قربانی سے عاجز ہو، لہٰذا اگر حلق یا قصر کرنے کے بعد قربانی پر قادر ہو گیا تو اس سے قربانی واجب نہیں ہو گی۔

آخری سات روزوں کے لیے شرائط:

(۱)رات سے روزے رکھنے کی نیت کرنا۔

(۲)ایام نحر سے قبل والے تین روزوں کا پایا جانا۔

(۳) آخری سات روزے ایامِ تشریق کے بعد رکھنا۔

مذکورہ روزوں کے مستحبات:

(۱)ہر دو قسم کے روزے تسلسل کے ساتھ رکھنا۔

(۲)پہلے والے تین روزے یومِ عرفہ پر ختم کرنا، تاہم اگر یوم عرفہ کو روزہ رکھنے میں تکلیف ہو تو پھر اس سے پہلے روزے ختم کرنا زیادہ اچھا ہے۔

(۳) آخری سات روزے گھر واپس لوٹنے کے بعد رکھنا(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) إرشاد الساري، باب القران، فصل في بدل الهدي، ص:۲۹۱-۲۹۵

باب الهدی

(حج کی قربانی کے جانور کے متعلق مسائل)

دورانِ حج قربانی کا حکم

سوال نمبر(249):

ایک شخص اپنے بیٹے اور بیوی کے ہمراہ سفرِ حج پر جا رہا ہو تو دورانِ حج تینوں علیحدہ علیحدہ قربانی کریں گے یا ایک ہی قربانی کافی ہوگی، کیوں کہ بیٹے اور بیوی پر صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے قربانی لازم نہیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ ہر وہ شخص جو سفرِ حج پر ہو اور اس نے حج تمتع یا حج قران کی نیت کی ہو تو اس پر حج کی قربانی واجب ہوتی ہے، جسے دمِ شکر کہا جاتا ہے۔ اور اگر اس نے حج افراد کی نیت کی ہو تو اس پر دم واجب نہیں۔ اور جو حاجی مسافر نہ ہو، بلکہ مقیم ہو تو اس پر بشرطِ استطاعت عید کی قربانی بھی واجب ہوتی ہے، کیوں کہ بقرعید کی قربانی دو شرطوں کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ مقیم ہو، مسافر نہ ہو۔ دوسری یہ کہ حج کے ضروری اخراجات ادا کرنے کے بعد اس کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہو۔ اگر آدمی مقیم نہیں یا اخراجات کے علاوہ قربانی کی گنجائش نہیں، تب عیدالاضحیٰ کی قربانی اس پر واجب نہیں، بلکہ صرف حج کی قربانی اس کے ذمے واجب ہوگی اور حج کی قربانی ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ لازم ہوتی ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وذكر في "الأصل" وقال: لا تجب الأضحية على الحاج، وأراد بالحاج المسافر، فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية.(۱)

ترجمہ: کتاب الاصل میں ہے کہ حاجی پر قربانی واجب نہیں، مراد مسافر حاجی ہے۔ جب کہ مکی شخص پر قربانی واجب ہوگی۔

ويجب الدم على المتمتع شكرا لما أنعم الله تعالىٰ عليه بتيسير الجمع بين العبادتين.(۲)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شرائط الوجوب:۶/۲۸۲

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في القران والتمتع:۱/۲۳۹

ترجمہ:
اور متمتع پر دم شکر واجب ہے، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کرتے ہوئے دو عبادات کو اس کے لیے آسانی کے ساتھ ایک ساتھ جمع کردیا ہے۔

❁❁❁

حجِ تمتع میں ترکِ قربانی

سوال نمبر (250):
اگر میاں بیوی حج کرنے گئے ہوں اور انہوں نے حج تمتع کی نیت کی ہو اور وہ مکہ مکرمہ میں لاعلمی کی وجہ سے قربانی نہ کرسکیں تو اب اس قربانی کا نقصان کس طرح ادا کیا جائے گا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:
واضح رہے کہ جو شخص سفرِ حج کرے اور اس نے حج تمتع کی نیت کی ہو تو افعالِ حج کی ادائیگی کے بعد اس پر دمِ تمتع واجب ہوگا، اگر کسی عذرِ شرعی کی بنا پر کوئی قربانی نہ کرسکا تو حج کے بعد اس کو دو قربانیاں کرنی ہوں گی اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ میں کرنی ہوں گی، چاہے خود کرے یا کسی کو وکیل بنا کر کرائے، چاہے جن ایام میں بھی ہو۔
لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق میاں بیوی دونوں حج تمتع سے سرفراز ہوئے ہیں، اس وجہ سے ان دونوں پر دمِ شکر واجب تھا، اب جب کہ انہوں نے وہ قربانی نہیں کی ہے اور وطن آچکے ہیں، اس لیے ان پر دو دو قربانیاں واجب ہوں گی ایک قربانی تمتع کی اور دوسری قربانی جنایت کی وجہ سے واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فلو لم يقدر على الهدي تحلل وعليه دمان: دم التمتع ودم التحلل قبل الهدي.(۱)

ترجمہ:
اگر کوئی ہدی (قربانی کے جانور) کی قدرت نہ رکھتا ہو تو خود کو حلال کرلے اور اس پر دو دم لازم ہوں گے: دمِ تمتع اور قربانی کرنے سے پہلے حلال ہونے کی ہدی۔

---
(۱) البحرالرائق، کتاب الحج، باب القران، تحت قوله:(فإن لم يصم إلىٰ يوم النحر): ۲/ ۶۳۴

دورانِ حج قربانی کرنے کی جگہ

سوال نمبر(251):

حاجی پر دوران حج قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حرم شریف ہی میں قربانی کرلے یا اس کی طرف سے اپنے ملک میں بھی قربانی کی جا سکتی ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ عید کی قربانی کے وجوب کے لیے اقامت شرط ہے۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں، لہٰذا جو حجاج کرام اہل مکہ میں سے نہ ہوں، بلکہ دور دراز علاقوں سے سفر کرکے حج کے لیے آئے ہوں تو وہ چونکہ مسافر ہوتے ہیں، اس لیے حالت سفر میں ان پر قربانی واجب نہیں۔

البتہ جو حجاج کرام ایسے ہوں کہ انہوں نے یوم الترویہ، یعنی آٹھویں ذی الحجہ سے قبل مکہ مکرمہ میں مستقل طور پر پندرہ دن پورے کیے ہوں تو وہ مسافر شمار نہیں ہوں گے، بلکہ مقیمین کے زمرے میں آئیں گے، اس لیے اگر یہ حجاج کرام صاحب استطاعت ہوں اور اپنے ضروری اخراجات کے علاوہ ان کے پاس قربانی کے لیے رقم موجود ہو تو ان پر قربانی واجب ہوگی۔

تاہم ان کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ حرم شریف کی حدود ہی میں قربانی کریں، بلکہ جہاں چاہیں خود یا کسی وکیل کے ذریعے سے کروائیں، البتہ وکیل کے لیے ضروری ہے کہ ان دنوں میں قربانی کرے جو حاجی کے لیے ایامِ نحر ہوں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وذكر في "الأصل" وقال: لا تجب الأضحية على الحاج، وأراد بالحاج المسافر، فأما أهل مكة، فتجب عليهم الأضحية.(۱)

ترجمہ: کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ عید کی قربانی حجاج پر واجب نہیں۔ حجاج سے مراد مسافر ہیں۔ ہر چہ اہل مکہ ہیں تو ان پر عید کی قربانی واجب ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شرائط الوجوب: ۲۸۲/٦

باب الجنایات

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ حرمت:

حج جیسی اہم اور طویل عبادت میں شریعتِ مطہرہ کی طرف سے بعض مباحات اور جائز امور پر بھی پابندی عائد ہوجاتی ہے، تاکہ حاجی کو ہر وقت اس عظیم عبادت کی عظمت کا احساس رہے اور عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نفس کی تہذیب وتربیت پر بھی توجہ رہے، ہر وقت نفس کی کڑی نگرانی ہوتی رہے اور عبادات میں رغبت اور عاجزی وتذلل پر اس کو آمادہ کرتا رہے، یہی وجہ ہے کہ مباح اشیاء سے خود کو بچا کر یہ بندہ اس قابل بن جاتا ہے کہ رب کریم عرفہ کی رات فرشتوں کے دربار میں اس پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"انظروا إلیٰ عبادي أتوني شُعثاً غُبراً".

''میرے بندوں کو دیکھو! کیسے پراگندہ حال اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے ہوئے ہیں''۔(۱)

جنایت کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

جنایت کا اصل معنی ''درخت سے پھل توڑنا'' ہے، تاہم غلطی اور گناہ کے ارتکاب پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جنایت یوں تو اپنے مفہوم کے اعتبار سے تمام گناہوں کو شامل ہے، تاہم حج کے ابحاث میں اس سے خصوصی طور پر وہ افعال مراد ہیں، جو احرام یا حرم شریف کی حرمت کی وجہ سے حرام ہوں۔

"وهي ماتكون حرمته بسبب الإحرام أو الحرم".(۲)

جنایات کی بنیادی تقسیم:

بنیادی طور پر جنایات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جنایت ہے جو حج کو بالکلیہ فاسد کر دیتی ہے۔ یہ جنایت صرف ایک ہی ہے، جو وقوفِ عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرنا ہے۔ اس سے میاں بیوی دونوں کا حج فاسد ہو جاتا ہے، البتہ وہ مناسکِ حج ختم ہونے تک افعالِ حج ادا

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح كتاب المناسك باب الوقوف بعرفة،الفصل الثاني (رقم الحديث:۲٦۰۱)
: ۵/۹۲ ٤،الموسوعة الفقهية،مادة إحرام:۲/۱۵۱
(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، باب الجنايات، ص:٦۰۹

کرتے رہیں گے اور ایک دم بھی ادا کریں گے، جب کہ آئندہ سال ان پر حج کی قضا بھی لازمی ہوگی۔(۱)

(۲) دوسری قسم وہ جنایات ہیں، جن سے حج فاسد نہیں ہوتا۔ پھر ان جنایات کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایک وہ جنایات ہیں، جو محرم (احرام باندھنے والے شخص) کے لیے حرام ہیں، غیر محرم کے لیے جائز ہیں، یعنی ان کی حرمت احرام کی وجہ سے ہے۔

(ب) دوسری وہ جو حدودِ حرم میں ناجائز ہیں، خواہ ان کا ارتکاب کرنے والا محرم ہو یا غیر محرم ہو، یعنی ان کی حرمت حدودِ حرم کی وجہ سے ہے۔

ذیل میں ان سب کی اجمالی فہرست ذکر کی جارہی ہے۔

احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی جنایات:

یہ جنایات آٹھ قسم کی ہیں: خوشبو لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر چھپانا، بال کاٹنا، ناخن تراشنا، جماع یا دواعی جماع کا ارتکاب کرنا، واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا اور خشکی کے جانور سے تعرض کرنا۔

حرم کی وجہ سے حرام ہونے والی جنایات:

یہ جنایات دو قسم کی ہیں: حرم کے شکار سے تعرض کرنا اور حرم کے درختوں اور گھاس وغیرہ کو کاٹنا(۲)

جنایات اور ان سے متعلقہ کفارات کے بارے میں بنیادی اصول:

جنایات کے باب میں درج ذیل قواعد، کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی رعایت ہر جگہ ضروری و لازمی ہے۔

(۱) حنفیہ کے ہاں محرم شخص کسی بھی جنایت کا ارتکاب کرلے تو اس پر بہر صورت جزا (دم، صدقہ، قیمت یا روزہ) واجب ہوگی۔ جزا کے وجوب میں عمد و خطا، تذکر و نسیان، اکراہ و رضا، علم و جہل، تیقظ و نوم، عادت و اتفاق، ہوش و حواس اور جنون، صحت و مرض، تنگ دستی و غنا، کسی بھی چیز اور عذر کا اعتبار نہیں ہوگا، تاہم قصداً و عمداً ارتکاب پر گناہ بھی لازم ہوگا جو کہ

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل وأما بیان مایحظره الإحرام ومالا یحظره وفصل في بیان مایفسد الحج: ۲۰۴/۳، ۲۸۰_۲۸۵

(۲) غنیة الناسك، باب الجنایات، ص:۲۳۸، مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الحج، باب الجنایات، ص:۶۰۹

دنیوی جزا کے سوا ہے۔(۱)

(۲) جزا کے اعتبار سے جنایات کی چار قسمیں ہیں:

(الف) جہاں صرف دم واجب ہو: دم (اونٹ، گائے، بکری) تب واجب ہوتا ہے جب کسی جنایت کا ارتکاب کامل طریقے پر بلا عذر ہو جائے۔

(ب) صرف صدقہ واجب ہو: صدقہ تب واجب ہوتا ہے جب کسی جنایت کا ارتکاب ناقص طور پر بلا عذر ہو جائے۔

(ج) دم، صدقہ اور صوم میں اختیار: یہ تب ہوتا ہے جب کسی جنایت کا ارتکاب کامل طور پر عذر کے ساتھ ہو جائے۔

(د) صدقہ اور صوم میں اختیار: یہ تب واجب ہوتا ہے جب کسی جنایت کا ارتکاب ناقص طور پر عذر کے ساتھ ہو جائے۔

(۳) جہاں پر صدقہ (نصف صاع گندم) واجب ہوتا ہے، وہاں پر اس کے بدلے قیمت دینا جائز ہے، لیکن جہاں دم حتماً لازم ہو، وہاں پر قیمت نہیں دی جا سکتی، روزہ چاہے علی التخییر واجب ہو یا حتماً، کسی بھی صورت میں اس کے بدلے فدیہ دینا جائز نہیں۔

(۴) حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو عذر کے ساتھ چھوڑنا موجب دم نہیں، تاہم عذر سے مراد وہ عذر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہو۔ مخلوق کی طرف سے پائے جانے والے عذر کی وجہ سے اگر واجب ساقط ہو گیا تو دم واجب ہوگا۔

(۵) جس جنایت کی وجہ سے مفرد (حج افراد کرنے والے) پر ایک دم واجب ہو، قارن پر اس جنایت کی وجہ سے دو دم واجب ہوں گے، البتہ میقات سے بلا احرام تجاوز کرنے کی وجہ سے مفرد اور قارن دونوں پر صرف ایک ہی دم واجب ہوگا۔

(۶) دم جہاں مطلق ذکر ہوگا، وہاں پر اس سے ادنیٰ دم، یعنی بکرا بکری یا اونٹ گائے کا ساتواں حصہ مراد ہوگا۔ تمام جنایات میں صرف دو جنایات ایسی ہیں، جن کے ارتکاب پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہوگا۔

(الف) وقوف عرفہ کے بعد باقی احکام کی ادائیگی سے پہلے بیوی سے جماع کرلے۔

(ب) طواف زیارت جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں کرلے، اسی طرح وقوف عرفہ کے بعد اگر کوئی شخص مرجائے اور اتمام حج کی وصیت کرلے تو اس کی طرف سے بدنہ ذبح کرنا ضروری ہے۔

(۱) المسلك المتقسط على هامش إرشاد الساري، باب الجنايات، ص: ۳۳۰-۳۳۲، غنية الناسك، باب الجنايات، مقدمة، ص: ۲٤۲

(۷) جزا اور دم کا وجوب مسلمان، عاقل اور بالغ پر ہوتا ہے، بچے اور مجنون پر نہ خود جزا واجب ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے اولیا پر واجب ہوتی ہے۔

(۸) اگر جنایات متعدد ہوں تو جزا بھی متعدد ہوگی، البتہ اگر ایک مجلس میں ایک جنس کی جنایت ہو جائے تو ایک ہی جزا کافی ہے۔ سلے ہوئے کپڑوں کے حق میں مجلس کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ سبب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر جدا جدا مجلسوں میں ایک سبب کی وجہ سے عمامہ، قمیص، شلوار، موزے وغیرہ پہن لے تو اتحادِ سبب کی وجہ سے ایک ہی دم واجب ہوگا، تاہم صرف ایک دن کے اندر اندر مختلف لباس پہننا اتحادِ سبب میں شمار ہوگا، اگر دن مختلف ہوں تو اتحادِ سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

(۹) پہلی جنایت کا کفارہ دینے کے بعد اگر اسی مجلس میں یا اسی سبب کی وجہ سے وہی جنایت دوبارہ سرزد ہو جائے تو الگ کفارہ دینا ہوگا، اس لیے کہ کفارہ دینے کے بعد اب دونوں جنایتوں کا آپس میں تعلق ختم ہو گیا ہے، اسی طرح اگر دو جنایات کی جنس مختلف ہو تو اس صورت میں بھی الگ الگ کفارات (دم) لازم ہوں گے، تاہم اگر کوئی شخص ایک جنایت کر کے یہ سمجھ لے کہ میرا احرام تو ویسے بھی ختم ہو گیا ہے، پھر اسی نیت سے دوسری جنایات کرتا ہے تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا۔

(۱۰) کفارات (دم، صدقہ، روزہ) سب کے سب علی التراخی واجب ہوتے ہیں، یعنی تاخیر سے نہ تو کوئی گناہ لازم ہوتا ہے اور نہ ہی ادا سے قضا کی طرف انقلاب آتا ہے، البتہ کسی وجہ سے موت کا یقین ہو جانے کے بعد تاخیر کرنا گناہ ہے۔(۱)

احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی جنایات کی تفصیل:

(۱) خوشبو کا استعمال:

اس کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر خوشبو کم ہو تو عضو کا اعتبار کیا جائے گا، اگر کسی بڑے عضو (سر، چہرہ، داڑھی، منہ، پنڈلی وغیرہ) پر مکمل طور پر خوشبو لگائی تو یہ کثیر کے حکم میں ہو کر موجب دم ہوگا، تاہم اگر عضو چھوٹا ہو (مثلاً ناک، کان، آنکھ، ایک انگلی، مونچھیں وغیرہ) تو دم کی بجائے صدقہ واجب ہوگا۔

اور اگر خوشبو بذاتِ خود کثیر ہو تو عضو کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ نفسِ خوشبو کی قلت و کثرت پر حکم مرتب ہوگا، قلت و کثرت کا دارومدار عرف پر یا مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہوگا۔ کپڑے اور بستر پر خوشبو لگانے کی صورت میں بہر صورت قلت و کثرت کو

(۱) غنية الناسك، باب الجنايات، مقدمه في ضوابط ينبغي.........، ص: ۲۳۸-۲۴۲

کو دیکھا جائے گا، یہاں پر بھی صحیح قول کے مطابق قلیل وکثیر کا فیصلہ عرف یا مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہوگا۔(۱)

تیل استعمال کرنے کا حکم:

تیل کے استعمال کرنے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس کو خوشبو یا تزین کے لیے عضوِ کامل پر استعمال کیا جائے تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے ہاں دم واجب ہوگا، تاہم قلیل مقدار میں استعمال کرنے سے صدقہ واجب ہوگا اور اگر اس کا استعمال کسی بھی قسم کے علاج اور تداوی کے لیے ہو تو بالاتفاق کچھ بھی واجب نہیں۔

تنبیہ:

جن صورتوں میں خوشبو اور تیل کے استعمال پر دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے، وہاں پر ان اشیا کو بدن اور کپڑے سے فوراً ہٹانا بھی ضروری ہے، اگر کفارہ ادا کرنے کے بعد بھی یہ اشیا موجود ہوں تو اس پر ایک اور دم بھی واجب ہوگا۔ خوشبو سونگھنا یا خوشبو سونگھنے کی نیت سے عطار کی دکان پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔(۲)

سرمہ اور مہندی کا حکم:

اگر سرمہ بغیر خوشبو کے ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور اگر خوشبودار ہو تو ایک دو مرتبہ استعمال پر صدقہ اور بار بار استعمال پر دم واجب ہوگا۔ مہندی کے استعمال سے دم واجب ہوتا ہے، اس لیے کہ اس میں خوشبو ہوتی ہے۔ اگر مہندی اس طور پر لگائے کہ اس کی تہہ کی وجہ سے بال چھپ جائیں تو مکمل دن یا رات لگانے سے ایک اور دم بھی واجب ہوگا، البتہ ایک دن یا رات سے کم لگانے میں صدقہ واجب ہوگا، تاہم سر چھپانے پر دم یا صدقہ کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے۔(۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الأول في مايجب بالتطيب والتدهن: ۱/ ۲٤۰، غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الأول في التطيب، ص: ۲٤۱

(۲) الفتاوی الهندية، حواله بالا: ۱/ ۲٤۱-۲٤۲، غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الأول في التطيب، ص: ۲٤۲-۲٤۸

(۳) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الرابع في مايفعله المحرم بعد الإحرام: ۱/ ۲۲٤، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الأول في مايجب بالتطيب والتدهن: ۱/ ۲٤۱، غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الأول في التطيب، مطلب في الكحل المطيب ومطلب في الخضاب وتلبيد الرأس ص: ۲٤۹، ۲۵۰

(۲) سلے ہوئے کپڑوں کا حکم:

محرم مرد اگر کسی بھی سلے ہوئے کپڑے یا لباس کو معتاد طریقے پر (یعنی عرف میں اس کپڑے کو جس طرح پہن لیا جاتا ہو) پہن لے اور اس میں ایک مکمل دن یا رات گزار لے تو اس پر دم واجب ہوگا، جب کہ اس مقدار سے کم استعمال کرنے میں صدقہ واجب ہوگا۔ یہی حکم ٹوپی اور موزوں وغیرہ کا بھی ہے۔

کپڑوں کے استعمال میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ جتنی مدت میں کپڑے سے کامل ارتفاق اور نفع حاصل ہو سکے، اسی مدت تک پہننے سے دم واجب ہوگا، جب کہ اس سے کم میں صدقہ واجب ہوگا اور اگر کچھ فائدہ بھی نہ ہو، مثلاً پہن کر فوراً اتارلے تو کچھ بھی واجب نہیں۔

ضرورت کے وقت (مثال کے طور پر) ایک قمیص کی جگہ دو قمیصوں یا ایک ٹوپی کی جگہ ٹوپی اور عمامہ کا استعمال الگ جنایت شمار نہیں ہوگی، بلکہ ایک ہی جنایت شمار ہوگی، جب کہ بغیر ضرورت ایسی زیادتی کرنا دو مستقل جنایات شمار ہوں گی۔(۱)

(۳) سر اور چہرہ چھپانا:

جن چیزوں سے عرف وعادت میں سر اور چہرے کو چھپایا جاسکتا ہے (اگرچہ سلے ہوئے اشیا نہ ہوں) ان سے مکمل ایک دن یا ایک رات سر یا چہرے کو چھپانا موجبِ دم ہے اور اس سے کم مقدار موجبِ صدقہ ہے۔ سر میں چوتھائی حصہ تمام سر کے حکم میں ہے۔ گردن، کان، داڑھی کا نچلا حصہ اس حکم میں داخل نہیں۔ ارتفاق کامل یا ناقص والا قاعدہ لباس کی طرح یہاں بھی جاری ہوگا، یعنی سر یا چہرہ چھپانے سے مکمل فائدہ حاصل ہو تو دم، ناقص فائدہ ہو تو صدقہ اور کچھ بھی فائدہ نہ ہو تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح بلاضرورت زیادتی کرنے (ایک کی جگہ دو ٹوپیاں یا پگڑیاں پہننے) سے یہاں پر بھی دو دم لازم ہوں گے۔(۲)

(۴) بال کاٹنا اور تراشنا:

بدن کے جن اعضا سے بال کاٹنا مقصود ہو، ان اعضا سے بال کاٹنا یا تراشنا موجبِ دم ہے، جب کہ غیر مقصودی عضاسے بال کاٹنا موجبِ صدقہ ہے۔ مذکورہ حکم میں حلق وتقصیر، خود حلق کرنا یا کسی اور سے کرانا برابر ہے۔ صرف چہرے

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس: ۱/ ۲۴۲، ۲۴۳، غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الثاني في لبس المخيط، ص: ۲۵۰_۲۵۴

(۲) غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الثالث في تغطية الرأس، ص: ۲۵۴_۲۵۵، الفتاوی الهندية حواله بالا

اور سر میں چوتھائی حصہ مکمل عضو شمار ہوگا، بقیہ اعضا میں کل عضو کا اعتبار ہوگا۔ چہرے یا سر پر اگر چوتھائی حصے سے کم بال ہوں تو ان کے کاٹنے سے صدقہ واجب ہوگا، اگر چہ چہرے یا سر پر کچھ بھی نہ رہے۔

اگر سر، داڑھی یا ناک وغیرہ کے بالوں میں سے ایک دو یا تین بال اکھاڑ لے تو ہر بال کے بدلے ایک لپ گندم صدقہ کرے گا، تین سے زیادہ بال اکھاڑنا موجب صدقہ (نصف صاع گندم) ہے۔ ایک ہی مجلس میں مختلف اعضا کے بال کاٹنے سے ایک ہی دم واجب ہوگا، اس لیے کہ مقصود ارتفاق اور نفع کا حصول ہے جو کہ بیک وقت حاصل ہوا۔

وضو کے دوران داڑھی کے بالوں کا خود بخود گرنا جنایت نہیں، تاہم اگر تین بال گر جائیں تو تینوں کے بدلے ایک لپ گندم یا کھجور صدقہ کردے۔(۱)

(۵) ناخن تراشنا:

ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے مکمل ناخن یا دونوں ہاتھ پاؤں کے مکمل ناخن کاٹنے سے دم واجب ہوتا ہے، چاہے ایک مجلس میں ہو یا متعدد مجالس میں۔ اگر کسی ایک عضو کے مکمل ناخن نہ کاٹے، بلکہ ہر ایک ہاتھ پاؤں سے چار چار ناخن کاٹ کر مجموعی تعداد سولہ تک پہنچ جائے تو ہر ناخن کے بدلے صدقہ واجب ہوگا، یعنی سولہ صدقات واجب ہوں گے اگر ان کی قیمت دم تک پہنچ جائے تو ان سب کے بدلے دم بھی ادا کرسکتا ہے۔ (۲)

عذر کے ساتھ مذکورہ پانچ جنایات کے ارتکاب کا حکم:

قاعدہ کلیہ تو یہ ہے کہ جن جنایات کے ارتکاب پر دم واجب ہوتا ہے، وہاں پر صدقہ دینا یا روزے رکھنا جائز نہیں اور جہاں پر صدقہ واجب ہو، وہاں پر روزے رکھنا جائز نہیں، اگر چہ محرم کو ان اشیا پر قدرت نہ ہو، بلکہ قدرت کے حصول یا موت تک یہ اشیا اس کے ذمہ باقی رہیں گے اور موت کے وقت اس کی وصیت لازمی ہوگی، تاہم یہ حکم تب ہے جب ان اشیا کا ارتکاب بلا عذر ہو۔

اگر مذکورہ بالا پانچ جنایات (خوشبو، سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر اور چہرہ چھپانا، بال کاٹنا، ناخن تراشنا) کا ارتکاب عذر کی وجہ سے ہو تو پھر جہاں پر دم واجب ہوتا ہے، وہاں پر دم، صدقہ اور صوم تینوں میں کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، اگر چہ مرتکب جنایت صاحب قدرت واستطاعت ہو۔

(۱) غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الثالث في الحلق وإزالة الشعر، ص: ۲۵۵۔۲۵۸، الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثالث في حلق الشعر وقلم الأظفار: ۱/۲۴۳، ۲۴۴

(۲) غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الخامس في قص الأظفار، ص: ۲۵۹، ۲۶۰، الفتاوى الهندية حواله بالا

اور اگر جنایت موجب صدقہ ہو تو مرتکب کو صدقہ اور صوم میں اختیار حاصل ہوگا، یہاں پر صدقہ سے مراد چھ (٦) مساکین میں سے ہر ایک کو نصف صاع گندم یا مکمل صاع کھجور، کشمش یا جو دینا ہے اور صوم سے مراد تین روزے رکھنا ہے، چاہے جہاں بھی رکھ لے۔

عذر سے کیا مراد ہے؟

تیز بخار، سخت گرمی یا سردی، زخم، دانہ پھنسی، سر کے بالوں میں جوؤں کی کثرت وغیرہ سب اعذار میں شامل ہیں۔ پھر نہ تو ان اعذار کا دوام شرط ہے اور نہ ہی کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف لاحق ہونا شرط ہے، بلکہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہونا عذر شمار ہوگا۔ خطا، نسیان، بے ہوشی، جہل، اکراہ، نوم، افلاس وغیرہ اعذار میں سے نہیں۔ (١)

مذکورہ تین کفارات کی شرائط:

دم کے جواز کی شرائط کا خلاصہ:

(١) جانور اونٹ، گائے اور بکرے کی جنس سے ہو، اپنی ملکیت میں ہو، عیوب سے پاک ہو اور قربانی کی مقرر کردہ عمر کے برابر ہو۔

(٢) ذبح کرتے وقت تسمیہ پڑھی جائے، یعنی ذبح مسلمان یا کتابی کے ہاتھ سے ہو (تاہم آج کل کتابی کا اعتبار نہیں)۔

(٣) ذبح حرم میں ہو اور جنایت کے بعد ہو، اگر حرم سے باہر ذبح کرلیا تو پھر ضروری ہے کہ مذکورہ گوشت چھ مساکین پر اس طرح تقسیم کردے کہ ہر ایک کو نصف صاع گندم کی قیمت کے بقدر گوشت مل جائے۔

(٤) قربانی میں سے خود نہ کھائے، بلکہ فقراء پر صدقہ کردے، حربی کافر یا ذمی کسی پر بھی صدقہ کرنا جائز نہیں۔

(٥) قربانی میں دم جنایت کی نیت کرلے اور کسی ایسے شخص سے مشترک قربانی نہ کرے، جس نے عبادت کی نیت نہ کی ہو۔

صدقہ کے جواز کی شرائط کا خلاصہ:

(١) صدقہ گندم یا گندم کے آٹے سے نصف صاع ہو، جب کہ بقیہ اجناس سے ایک صاع کے بقدر ہو۔

(١) غنیة الناسك ،باب الجنایات،فصل في ما إذا ارتکب المحظورات الأربعة بعذره ص: ٢٦١،٢٦٢، الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك ،الباب الثامن في الجنایات،الفصل الثالث في حلق الشعر وقلم الأظفار،مسائل تتعلق بالفصول السابقة:١/٢٤٤

(۲) ایک صدقہ کی مقدار (نصف صاع گندم) ایک سے زیادہ فقیر کو نہ دے اور دینا بھی بطورِ تملیک ہونا چاہیے، نہ کہ بطورِ اباحت۔

(۳) صدقہ چار انواع سے دینا جائز ہے: گندم، جو، کھجور اور کشمش، اگر یہ انواع نہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک کی قیمت کے بقدر نقد رقم صدقہ کر دے۔

(۴) صدقہ فقرا کو دیا جائے، نہ کہ اغنیا کو۔ فقرائے مکہ دوسرے فقرا سے افضل ہیں۔

(۵) صدقہ جنایت کے بعد دیا جائے اور دیتے وقت جنایت سے کفارے کی نیت ہو۔

روزہ رکھنے کی شرائط کا خلاصہ:

(۱) رات سے روزے کی نیت کرنا اور نیت میں کفارے کی تعیین کرنا۔

(۲) ایام منہیہ (جن دنوں میں شرعاً روزہ رکھنا جائز نہ ہو) کے علاوہ دنوں میں روزہ رکھنا۔

(۳) قران اور تمتع کے بدلے رکھے جانے والے اوّل تین روزوں میں احرام شرط ہے، بقیہ روزوں میں نہ احرام شرط ہے، نہ تتابع اور نہ ہی کسی خاص وقت کی پابندی۔(۱)

(۶) جماع یا دواعی جماع:

اپنی بیوی کے فرج یا کسی اور عضو کو دیکھ کر یا سوچ کر انزال ہونے سے کچھ بھی واجب نہیں، یہی حکم احتلام کا بھی ہے، البتہ سبیلین کے علاوہ کسی اور جگہ مباشرت، معانقہ اور تقبیل وغیرہ سے دم واجب ہوگا چاہے انزال ہو جائے یا نہیں، یعنی دواعی جماع کے ارتکاب سے حج فاسد نہیں ہوتا چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

حج میں وقوفِ عرفہ سے پہلے اور عمرہ میں اکثر طواف سے پہلے سبیلین میں جماع کرنے سے حج وعمرہ فاسد ہوتا ہے اور اس سے دم بھی واجب ہوتا ہے، جب کہ وقوفِ عرفہ کے بعد اور حلق یا تقصیر سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا، البتہ بدنہ (گائے یا اونٹ) واجب ہو جاتا ہے۔(۲)

(۷) واجباتِ حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا:

حیض، نفاس اور جنابت کی حالت میں طوافِ زیارت ادا کرنے سے بدنہ واجب ہو جاتا ہے، جب کہ بقیہ

(۱) غنیة الناسك، باب الجنايات، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، ص: ۲٦۲۔۲٦٧

(۲) غنیة الناسك، باب الجنايات، الفصل السادس في الجماع ودواعيه، ص: ۲٦٧۔۲٦٩، الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الرابع في الجماع: ۱/۲٤٤، ۲٤٥

تمام واجبات کو بغیر عذر چھوڑنے سے دم واجب ہوتا ہے، مثلاً: بلاوضو طواف زیارت ادا کرنا، طواف زیارت میں سے ایک دو یا تین چکر چھوڑنا، سوار ہو کر یا برہنہ ہو کر طواف کرنا، جنابت کی حالت میں طواف صدر طواف قدوم یا طواف عمرہ ادا کرنا، طواف صدر کا کل یا اکثر حصہ چھوڑنا، سعی کا کل یا اکثر حصہ چھوڑنا، عرفات سے قبل الغروب مزدلفہ کی طرف جانا، وقوف مزدلفہ چھوڑنا، ایک دن کی تمام رمی یا اکثر تعداد چھوڑنا، واجب قربانیوں میں سے کوئی قربانی حرم سے باہر کرنا، رمی، ذبح اور حلق کے مابین ترتیب چھوڑنا؛ ان تمام واجبات کو بلا عذر چھوڑنے سے دم واجب ہوگا۔(۱)

(۸) خشکی کے جانور (شکار) سے تعرض کرنا:

اگر محرم شخص نے حرم کے اندر یا حرم سے باہر کسی بھی جگہ کسی شکار یا غیر حملہ آور درندے (سوائے بچھو، سانپ، چوہے، باؤلے کتے، بھیڑیا، چیل اور غلاظت خور کوے) کو قتل کر دیا تو اس پر جزا واجب ہوگا اور جزا یہ ہے کہ جس جانور کو قتل کیا ہے، اس مقام پر دو معتبر اور واقف کار افراد سے جانور کی قیمت لگائی جائے گی، پھر اسے اختیار ہوگا کہ اس قیمت سے کوئی قربانی کا جانور خرید کر ذبح کردے، یا گندم خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع کی مقدار صدقہ کردے، ورنہ ہر نصف صاع گندم کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔(۲)

جس طرح بذاتِ خود شکار کرنا حرام اور موجبِ جزا ہے، بالکل اسی طرح شکار کی طرف اشارہ کرنا یا اس کی طرف رہنمائی کرنا بھی حرام اور موجبِ جزا ہے، تاہم اشارہ کرنے اور رہنمائی کرنے میں درج ذیل شرائط کے ساتھ جزا واجب ہوگی:

(۱)......مدلول شخص (جس کو شکار کرنے پر اکسایا جارہا ہے) پہلے سے شکار سے واقف نہ ہو۔

(۲)......مدلول شخص دلالت کرنے والے کی تصدیق کردے۔

(۳)......شکار کے وقت تک دلالت کرنے والا احرام میں ہو۔

(۴)......شکار اپنی جگہ بدلنے سے پہلے ہی مدلول شخص کی پکڑ میں آجائے۔

---

(۱) غنیة المناسك، باب الجنايات، الفصل السابع في ترك الواجب......، ص: ۲۷۲۔ ۲۸۰، الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف والسعي والرمل ورمي الجمار: ۱/۲۴۵، ۲۴۶

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد: ۱/۲۴۷، ۲۴۸

تنبیہ:

احرام یا حرم کی حرمت میں آنے والے وحشی جانور کا گوشت کھانا مطلقاً حرام ہے، یعنی نہ شکار کرنے والے کے لیے حلال ہے اور نہ ہی کسی اور شخص کے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔(۱)

حرم کی وجہ سے حرام ہونے والی جنایات:

حرم کی حدود میں رہ کر وہاں کے تقدس اور احترام کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے اور معمولی معمولی بات کا خیال رکھنا چاہیے، کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ "لینے کے دینے نہ پڑ جائیں" کا مصداق بن جائے، اس لیے قدم بقدم لغزش اور کوتاہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، درج ذیل میں ان اہم اور ضروری اشیا کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، جن میں اکثر غفلت کی جاتی ہے، ورنہ حرم کی اشیا کے ادب واحترام کے ذکر کرنے کے لیے تو کئی کتابیں بھی ناکافی ہیں، اس لیے ان جنایات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۱) حرم کے شکار سے تعرض کرنا:

حلال شخص اگر حرم کے حدود میں شکار کرلے تو اس کے اکثر احکام وہی ہیں، جو گزر گئے، یعنی قیمت لگا کر یا تو اس کی قربانی کرلے یا گندم خرید کر ہر مسکین کو نصف نصف صاع صدقہ کردے، تاہم یہ بات خصوصی طور پر ذہن نشین رہے کہ حلال شخص کے لیے روزہ رکھنے کا اختیار نہیں، اس لیے کہ حلال شخص پر جزا واجب کرنا غرامت اور تاوان ہے، کفارہ نہیں، جب کہ روزہ عبادت اور کفارہ ہے۔(۲)

حرم کے گھاس اور پودوں کو کاٹنا:

حرم کے پودوں، درختوں اور گھاس کی چار قسمیں ہیں:

(۱)......وہ درخت اور گھاس جس کو کسی نے اُگایا ہو اور وہ اُگائے جانے والے پودوں اور گھاس کی جنس سے بھی ہو، یعنی خودرو نہ ہو۔

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد: ۲۵۱،۲۵۰/۱، غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل الثامن في صيد البر وما يتعلق به، ص: ۲۸۰-۲۸٤، ومطلب في ذبيحة المحرم، ص: ۲۹۱

(۲) غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل التاسع في صيد الحرم، ص: ۲۹۹، الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد: ۲٤۸/۱

(۲)......وہ درخت اور گھاس جس کو کسی نے اُگایا تو ہو، لیکن وہ اُگائے جانے والے پودوں کی جنس سے نہ ہو، یعنی خودرو ہو۔

(۳)......وہ درخت اور گھاس جو خود اُگ آیا ہو، لیکن وہ اُگائے جانے والے پودوں کی جنس سے ہو۔

(۴)......جو خود اُگ آیا ہو اور اُگائے جانے والے پودوں کی جنس سے نہ ہو، یعنی جنگلی اور خودرو ہو۔

مذکورہ چار اقسام میں سے پہلی تین قسم کے درختوں کو کاٹنا اور ان سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اور کوئی جزا نہیں، البتہ چوتھی قسم کو کاٹنا، اُکھاڑنا یا اس سے فائدہ حاصل کرنا نا جائز ہے، کیوں کہ ان کا بالذات تعلق حرم سے ہے کہ نہ تو کسی کی ملکیت ہیں، نہ کسی نے اُگائے ہیں، بلکہ خودرو ہیں، تاہم چوتھی قسم سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں، جن پر جزا واجب نہیں، مثلاً: خشک درختوں اور گھاس کو کاٹنا اور ان سے فائدہ لینا، خیمہ لگاتے ہوئے کسی پودے کو کاٹنا، کسی ضرورت کے لیے گھڑا کھودتے ہوئے درخت یا گھاس کو اُکھاڑنا یا سواری پر چلتے ہوئے گھاس وغیرہ کو روندنا یا ضائع کرنا، درختوں کے پتے کاٹنا (بشرطیکہ درخت کو نقصان نہ ہو) پھلدار درخت کو کاٹنا، اذخر گھاس اور کھبی (الکماۃ) کاٹنا۔

جزا کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ کاٹے گئے درخت یا گھاس کی قیمت لگا کر اس سے گندم یا کفارہ کا کوئی اور جنس خرید لے اور ہر مسکین پر نصف صاع یا صاع (جو، کھجور اور کشمش میں) کے بقدر صدقہ کردے یا اگر قیمت زیادہ ہو تو اس سے قربانی کا جانور خرید کر حرم میں ذبح کردے۔ مذکورہ جنایت کے بدلے روزہ رکھنا جائز نہیں، چاہیے جنایت کرنے والا محرم ہو یا غیر محرم ہو۔ یہ بھی یادر ہے کہ ضمان اور جزا ادا کرنے کے بعد بھی کاٹے گئے درخت اور گھاس سے فائدہ لینا مکروہ تحریمی ہے۔



(۱) غنیة الناسك ،باب الجنایات،الفصل العاشرفي أشجارالحرم ونباته، ص: ۳۰۳، ۳۰۴،الفتاوی الهندیة ،کتاب المناسك ،الباب التاسع في الصید، : ۱/ ۲۵۲، ۲۵۳

باب الجنایات

(جنایات کے متعلق مسائل)

احرام کے نیچے سلے ہوئے کپڑے پہننا

سوال نمبر(252):

کیا احرام کی حالت میں احرام کے نیچے نیکر پہننا جائز ہے؟ اگر کسی نے لاعلمی اور بے خبری میں پہن کر حج کر لیا تو کیا ادائیگی حج ہو جائے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ دوران احرام سلا ہوا کپڑا یا اس کے مشابہ کوئی اور چیز پہننا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر کہیں غلطی سے پہن لے تو اس پر دم لازم آتا ہے۔ چنانچہ سلا ہوا کپڑا پہننے کی وجہ سے حج قران کی صورت میں دو (۲) دم، جب کہ افراد کی صورت میں صرف ایک دم واجب ہوگا۔ لہٰذا اگر کسی نے لاعلمی میں حج کے تمام افعال سلے ہوئے کپڑے پہن کر ادا کیے اور واپس آ گیا، تب بھی لاعلمی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس پر دم اور جزا لازم ہوگی اور کفارہ کی صورت یوں ہو گی کہ کسی کو مکہ مکرمہ میں وکیل مقرر کرے جو اس کی طرف سے قربانی کا جانور خرید کر ذبح کرے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

إذا لبس المحرم المخيط على الوجه المعتاد يوما إلى الليل فعليه دم، وإن كان أقل من ذلك فصدقة، سواء لبسه ناسيا، أو عامداً، عالماً أو جاهلاً، مختارا أو مكرها.(۱)

ترجمہ: اگر احرام والا شخص سلا ہوا کپڑا مقررہ عادت کے مطابق ایک دن رات تک پہنے تو اس پر قربانی کا جانور لازم ہوگا اور اگر اس سے کم وقت پہنے تو اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ مذکورہ صورت میں خواہ اس نے مذکورہ لباس بھول کر پہنا ہو یا جان بوجھ کر، خواہ حکم جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور خواہ اپنے اختیار سے پہنا یا کسی کی زبردستی سے پہنا ہو، حکم برابر ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الجنايات، فصل في اللبس: ۲۴۲/۱

حالتِ احرام میں مرہم پٹی کرنا

سوال نمبر(253):

اگرایک شخص کو احرام کی حالت میں زخم آیا جس پر ڈاکٹر نے پٹی کرائی ۔کیا اس سے احرام پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے حالتِ احرام میں بدن کے کسی حصے پر پٹی لگانا جائز ہے،تاہم جب بغیر کسی عذر کے ہو تو پھر مکروہ رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولا بأس بأن یعصب جسده لعلة، ویکره إن فعل ذلك من غیر علة، ولا شيئ علیه.(١)

ترجمہ:

بدن کے کسی حصے پر زخم کی وجہ سے پٹی کرانے میں کوئی حرج نہیں،البتہ بغیر کسی عذر کے مکروہ ہے،لیکن اس پر کوئی شے (دم یا صدقہ) واجب نہیں ہوتا۔

❁❁❁

عورت کے لیے حالتِ احرام میں چہرہ چھپانا

سوال نمبر(254):

حج کے دوران عورت غیر محرم سے پردہ کرنے کی غرض سے چہرہ ڈھانک سکتی ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عورت کے لیے غیر محرم سے پردہ کرنا واجب ہے،تاہم حالتِ احرام میں دیگر محظورات کی

(١)الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الحج،نوع منه في لبس المخیط:٣٧٢/٢

طرح چہرہ چھپانا بھی ممنوع ہے، اس لیے عورت کو حالتِ احرام میں نقاب ایسے طریقے سے اوڑھنا چاہیے کہ نقاب چہرے کو نہ چھوئے، اگر نقاب پورا دن یا پوری رات چہرے کے ساتھ لگا رہے تو اس سے دم لازم ہوگا، اور اگر پورے دن یا پوری رات سے کم وقت لگا رہے تو اس عورت پر صدقہ لازم ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قال والمرأة في جميع ذلك كالرجل؛ لأنها مخاطبة كالرجل، غير أنها لاتكشف رأسها؛ لأنه عورة وتكشف وجهها؛ لقوله عليه السلام "إحرام المرأة في وجهها، ولو سدلت شيأ على وجهها، و جافته عنه جاز، هكذا روي عن عائشةؓ؛ ولأنه بمنزلة الاستظلال بالمحمل.(۱)

ترجمہ:

اور فرمایا کہ عورت تمام احکامات میں مرد کی طرح ہے، کیوں کہ وہ بھی مرد کی طرح مخاطب ہے، سوا اس کے کہ عورت اپنا سر چھپائے گی، کیوں کہ یہ چھپانے کی چیز ہے اور اپنا چہرہ نہیں چھپائے گی، حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: ''عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے''، البتہ اگر ایسا کپڑا لٹکائے جو چہرے سے جدا ہو تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح عائشہؓ سے مروی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ محمل سے سایہ حاصل کرنے کے درجے میں ہے۔

❁❁❁

ذبیحہ کے بعد احرام کھولنے سے پہلے حاجیوں کا ایک دوسرے کے بال کاٹنا

سوال نمبر(255):

ذبیحہ کے بعد اور احرام کھولنے سے پہلے دو حاجیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بال کاٹے تو کیا ان پر دم واجب ہوتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حالتِ احرام میں بال کاٹنا یا کٹوانا دونوں ممنوع ہیں، البتہ افعالِ حج یا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہونے کے لیے جیسا کہ سر کے بال خود کاٹنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، اسی طرح

(۱) الهداية، كتاب الحج: ۱/ ۲۷۷

دوسرے سے اپنے بال ۔۔نے سے بھی حلال ہو سکتا ہے۔
سوال مذکورہ کے مطابق احرام کھولنے کے لیے قربانی کے بعد اگر حجاج ایک دوسرے کے بال کاٹیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی دم لازم آتا ہے، بلکہ قربانی کے بعد سر کے بال کاٹنا افعال حج میں سے ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

فلما رأوا ذلك قاموا، فنحروا، وجعل بعضهم يحلق بعضاً.(١)

ترجمہ:
اور جب صحابہؓ نے حضورﷺ کے اس عمل کو دیکھا تو کھڑے ہو کر نحر کیا اور ایک دوسرے کے بال منڈوائے۔

ولو حلق رأسه، أو رأس غيره من حلال، أو محرم جازله الحلق، لم يلزمهما شيء.(٢)

ترجمہ:
اور اگر اس نے حلال یا محرم شخص کے یا خود اپنے بال کتروائے تو اس پر کچھ لازم نہیں۔

❁❁❁

وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرنا

سوال نمبر(256):
اگر ایک شخص نے وقوفِ عرفہ کے بعد طوافِ زیارت سے قبل بیوی سے ہم بستری کر لی تو کیا اس سے حج فاسد ہوگا یا نہیں؟ ایسی صورت میں اس شخص کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:
حج میں وقوفِ عرفہ رکن اعظم ہونے کی وجہ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے جو شخص عرفات میں وقوف کے بعد جنایت کا ارتکاب کرے تو اس سے حج فاسد نہیں ہوتا، تاہم جماع جیسی جنایت میں گناہ ضرور ہے۔ فقہی تصریحات کی روشنی میں جماع اگر حلق سے قبل ہو تو پھر اس شخص پر بدنہ، یعنی گائے، بھینس یا اونٹ کی

(١) صحيح البخاري، كتاب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب: ١/ ٣٨٠

(٢) غنية الناسك، فصل في الحلق: ص ١٧٤

قربانی واجب ہے۔

اور اگر طوافِ زیارت سے قبل اور حلق کے بعد ہو تو بعض فقہانے بکرے کی قربانی کے وجوب کا لکھا ہے، لیکن فقہائے کرام کی ایک بڑی جماعت طوافِ زیارت سے قبل کسی بھی صورت میں جماع کرنے پر بدنہ کی قربانی لازمی قرار دیتی ہے۔ نیز یہ جاننا ضروری ہے کہ میاں بیوی پر الگ الگ قربانی واجب ہوگی۔ نیز ایسے جرم میں قصداً یا بھول کر جماع کرنا برابر ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وقال ابن عابدینؒ: وما ذكره من التفصيل هو ما عليه المتون. ومشى في المبسوط والبدائع والإسبيجابي على وجوب البدنة قبل الحلق وبعده، وفي الفتح أنه الأوجه لإطلاق ظاهرالرواية وجوبها بعد الوقوف بلا تفصيل.(۱)

ترجمہ:

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ''یہ تفصیل عام متون کی رائے ہے، البتہ مبسوط اور بدائع جیسی کتابوں میں حلق سے پہلے و بعد دونوں صورتوں میں بدنہ واجب لکھا ہے۔ ابن ہمامؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے، کیوں کہ اس میں حلق سے پہلے و بعد میں ہونے کی تفصیل نہیں پائی جاتی''۔

❁❁❁

حج میں طوافِ زیارت چھوڑنا

سوال نمبر (257):

اگر کوئی شخص حج کے لیے چلا جائے اور تمام افعال و ارکان ادا کر دے، لیکن طوافِ زیارت نہ کر سکے تو اب اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

طوافِ زیارت حج کا رکنِ اعظم ہے، جب تک طوافِ زیارت نہ کیا جائے تو احرام بدستور باقی رہتا ہے اور

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحج، باب الجنایات: ۵۹٤/۳

تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوجاتا ہے، اگرچہ وطن واپس آجائے۔

لہٰذا بعد میں نیا احرام باندھے بغیر دوبارہ جاکر طواف کرنا اس پر فرض ہے ورنہ اس کا فرض حج ادا نہ ہوگا اور اس طواف کے بغیر احرام سے باہر نہیں نکلا جاسکتا، اس لیے طواف کیے بغیر بیوی سے جماع نہیں کرسکتا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو لم يطف طواف الزيارة أصلا، حتىٰ رجع إلى أهله فعليه أن يعود بذلك الإحرام؛ لإنعدام التحلل منه وهو محرم عن النساء أبداً حتىٰ يطوف.(١)

ترجمہ:

اور اگر بالکل طوافِ زیارت نہیں کیا حتی کہ اپنے وطن واپس آگیا تو اس پر اسی احرام کے ساتھ لوٹنا واجب ہے، کیونکہ اس احرام سے حلال ہونا معدوم ہے اور وہ عورتوں سے ہمیشہ کے لیے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ طواف کرے۔

❁❁❁

طوافِ زیارت بغیر وضو کے کرنا

سوال نمبر(258):

اگر ایک شخص بغیر وضو کے طواف زیارت کرلے۔ تو کیا اس کا طواف ادا ہوگا یا نہیں؟ نیز وضو کے بغیر طواف کرنے پر دم لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

طواف چونکہ نماز کی مانند ہے، اس لیے بغیر طہارت کے طواف کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ طوافِ زیارت اگر وضو کے بغیر ہو تو اس سے طواف ادا تو ہوجائے گا، لیکن اس شخص پر بکرے کی قربانی واجب رہے گی اور اگر جنابت کی حالت میں طوافِ زیارت ادا کرے تو اس پر اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی لازم ہوگی، بکرے سے بات نہیں بنے گی۔ مذکورہ تمام صورتوں میں اگر یہ شخص دوبارہ باوضو طواف زیارت ادا کرلے تو پھر دم ساقط ہوجائے گا۔

---

(١) الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات:١/٢٩٥

والدلیل علیٰ ذلک:

ولو طاف طواف الزيارة محدثاً،فعليه شاة،وإن كان جنباً،فعليه بدنة......والأفضل أن يعيد الطواف ما دام بمكة،ولا ذبح عليه،والأصح أن يعيد في الحدث ندباً،وفي الجنابة وجوباً،ثم إن أعاده، وقد طاف محدثاً لا دم عليه.(١)

ترجمہ:

اگر طوافِ زیارت بغیر وضو کے کیا تو اس پر بکرا لازم ہے اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو اونٹ یا گائے وغیرہ لازم رہے گا۔۔۔۔۔بہتر یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہے طواف دوبارہ کرے، پھر اس پر دم واجب نہیں اور صحیح یہ ہے کہ بلا وضو میں اعادہ مستحب ہے اور جنابت کی صورت میں اعادہ واجب ہے، پھر اگر طواف بلا وضو کا اعادہ کیا تو دم واجب نہیں۔

❁❁❁

حائضہ عورت کا طواف زیارت سے عاجز ہونا

سوال نمبر(259):

اگر کسی عورت کو ایام حج میں حیض آنا شروع ہو جائے اور وہ طواف زیارت نہ کر سکے تو کیا اس عورت پر دم لازم ہوگا یا نہیں اور عورت حلال ہوگی یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

طواف زیارت ارکان حج میں سے ایک اہم رکن ہے۔اس کے بغیر نہ حج مکمل ہوتا ہے، نہ احرام ختم ہوتا ہے اور نہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال ہوتے ہیں۔

لہٰذا حائضہ عورت اگر حالت حیض میں طواف زیارت کرے، تو اس پر ایک بدنہ (اونٹ، گائے) لازم آتا ہے اور اگر طواف زیارت کیے بغیر واپس لوٹ آئے تو یہ عورت حلال نہ ہوگی، بلکہ اس کے لیے دوبارہ مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت کرنا ضروری ہے۔

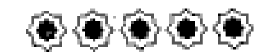
(١) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الجنايات، فصل في الطواف والسعي:١/٢٤٥

والدّلیل علیٰ ذلك:

ولو طاف طواف الزيارة محدثا،فعليه شاة،وإن كان جنباً،فعليه بدنة............والأفضل ان يعيدالطواف ما دام بمكة،ولاذبح عليه،والأصح أن يعيد في الحدث ندباً،وفي الجنابة وجوباً،ثم إن أعاده، وقدطاف محدثا لادم عليه.(١)

ترجمہ:

اگرطواف زیارت بغیروضو کے کیا تو اس پر بکرا لازم ہے اور اگر جنابت میں کیا تو بدنہ لازم رہے گا۔۔۔۔۔ بہتر یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہے طواف دوبارہ کرے،اور اس پر دم واجب نہیں۔اور صحیح یہ ہے کہ حدث (بلاوضو) کی حالت میں طواف کرنے کی وجہ سے استحباباً طواف کا اعادہ کرے اور جنابت کی حالت میں طواف کرنے کی وجہ سے وجوباً اعادہ کرے،پھر اگر طواف بلاوضو کا اعادہ کیا تو دم واجب نہیں۔



(١) الفتاوى الهندية،كتاب المناسك،باب في الجنايات،فصل في الطواف،والسعي:١/٢٤٥

باب الإحصار

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے بعد ممکن ہے کہ کسی طبعی یا خارجی عذر کی وجہ سے مناسک کی ادائیگی پر قدرت فوت ہو جائے ،ایسی صورت کو فقہاے کرام احصار سے تعبیر کرتے ہیں ۔ایسی صورت میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ قضا ادا کرنے تک احرام باقی رہے،تاہم چونکہ شریعتِ مطہرہ میں مشقت اور حرج مدفوع ہے،اس لیے محرم کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ احرام کی طوالت کا بوجھ اور سختی برداشت کرنے کی بجائے ہدی (کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں حرم میں جانور بھیج کر ذبح کرنے) کے ذریعے خود کو احرام سے چھڑا سکتا ہے،تاہم اس پر یہ بھی لازم کیا گیا کہ وہ آئندہ اس حج یا عمرے کی قضا ضرور کرے گا۔(۱)

احصار کی لغوی تعریف:

حصر اور احصار دونوں کا معنی ہے"کسی بھی چیز یا کام سے منع ہونا یا رکنا"لغوی معنی میں عموم کو دیکھتے ہوئے لفظِ حصر کا استعمال فقہاے کرام کے ہاں فقہ کے کئی ابواب میں شائع اور مشہور ہے،تاہم لفظِ احصار کی اصطلاح فقہاے کرام کے ہاں بالاتفاق صرف حج کے ساتھ خاص ہے۔پھر لغت میں لفظِ احصار عام ہے: رُکنا کسی مرض کی وجہ سے ہو، دشمن کی وجہ سے ہو یا کسی اور طبعی یا خارجی عذر کی وجہ سے ہو،جب کہ لفظِ حصر صرف دشمن کی وجہ سے رُکنے کا نام ہے۔(۲)

احصار کی اصطلاحی تعریف:

"هو منع المحرم بالحج عن الوقوف، والطواف جميعاً بعذرشرعي، وبالعمرة عن الطواف فقط".(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الحج ،فصل في حكم الإحصار:۳/۱۹۱

(۲) البحر الرائق، كتاب الحج،باب الإحصار:۳/۹۵،الموسوعة الفقهية،مادة إحصار:۲/۱۹۶،إرشاد الساري إلى مناسك الملاعلي قاري، باب الإحصار،ص:۴۵۲

(۳) غنية الناسك،باب الإحصار،ص:۳۰۹

ترجمہ:

حج کا احرام باندھنے والے شخص کا کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ عرفہ اور طواف دونوں سے رُکنا، جب کہ عمرہ ادا کرنے والے شخص کا صرف طواف سے رُکنا احصار کہلاتا ہے۔

علامہ حصکفیؒ نے انتہائی آسان اور جامع الفاظ میں احصار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ھو منع عن رکن".

حج یا عمرے کے رکن سے منع ہونے اور رُکنے کا نام احصار ہے۔(۱)

باب سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) احصار......: اس کی تعریف گزر گئی ہے۔

(۲) محصر......: حج یا عمرے سے مذکورہ طریقے پر منع ہونے والے شخص کو محصر کہتے ہیں۔

(۳) التحلل......: حج یا عمرے سے رُکنے کے بعد مخصوص شرعی طریقے سے احرام کو ختم کرنا اور اس سے نکلنا تحلل کہلاتا ہے

(۴) ہدی......: حرم کی طرف قربانی کی نیت سے بھیجا جانے والا جانور ہدی کہلاتا ہے۔(۲)

احصار کی مشروعیت:

احصار کا ثبوت خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾.(۳)

حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پورا کرو، پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو جو کچھ میسر ہو قربانی سے تم پر ہے، اور جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے تم اپنے سروں کی حجامت نہ کرو۔

خود احصار کا واقعہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں:

---

(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الحج، باب الإحصار: ۳/٤

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل في بیان الإحصار: ۱۸۵/۳، وفصل في حکم الإحصار: ۱۹۰/۳، الفتاوی الهندية، کتاب المناسك، الباب السادس عشر في الهدي: ۲٦۱/۱

(۳) البقرة: ۱۹٦

"خرجنا مع النبي ﷺ معتمرين، فحال كفار قريش دون البيت، فنحر رسول الله ﷺ بدنه وحلق رأسه".(۱)

احصار کا رکن:

کسی مرض، دشمن، قید، درندے کے خوف، محرم کی وفات اور عدت وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرے کے ارکان سے منع ہونا احصار کا رکن ہے۔حنفیہ کا یہی مسلک ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے ہاں صرف دشمن کی وجہ سے رُکنا احصار ہے کسی اور عذر کی وجہ سے رُک جانا امام شافعیؒ کے ہاں احصار نہیں کہلاتا۔(۲)

احصار کی شرائط:

فقہائے کرام نے اگرچہ صراحتاً احصار کے لیے شرائط ذکر نہیں کیے ہیں، تاہم عباراتِ فقہیہ کو دیکھ کر چند اشیا کو شرط قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً:

(۱) احصار کے وقت احرام کی حالت میں ہونا، اگر احرام باندھنے سے پہلے حج یا عمرے سے منع ہو جائے تو یہ احصار نہیں کہلاتا۔

(۲) حج کے احرام باندھنے والے شخص کا وقوفِ عرفہ اور طواف دونوں سے منع ہونا احصار شمار ہوگا۔مذکورہ شرط کی رو سے اگر کوئی شخص صرف ایک رکن سے منع ہو تو یہ احصار نہیں کہلائے گا، بلکہ اس میں درج ذیل تفصیل ہوگی:

(الف)......اگر وقوفِ عرفہ سے ممانعت ہو اور طواف ادا کرسکتا ہو تو ایسا شخص محصر نہیں، بلکہ فائت الحج ہے یعنی ایسا شخص دوسرے مناسک ادا کرتا رہے گا اور آخر میں عمرہ کے افعال کے ساتھ خود کو حلال کرلے گا اور آئندہ سال صرف حج کی قضا کرلے گا۔

(ب)......اور اگر صرف طوافِ زیارت سے ممانعت ہو تو وقوفِ عرفہ ادا کر کے حج پورا ہو گیا، تاہم دوسرے واجبات کی ادائیگی کرتے ہوئے حلق کرلے اور صرف عورت کے حق میں احرام کا خیال رکھے۔اب جب بھی موقع مل جائے تو طواف کر کے تکمیلِ حج کرلے۔(۳)

---

(۱) الصحيح للبخاري، أبواب العمرة، باب النحر قبل الحلق في الحصر: ۱/۲۴۳

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان الإحصار: ۳/۱۸۵، ۱۸۶، ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الإحصار: ۴/۴۰۳

(۳) غنية الناسك، باب الإحصار، ص: ۳۰۹، إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي قاري، باب الإحصار، ص: ۴۵۲، ۴۵۶، ۴۵۷

(۳)مانع اور رکاوٹ زائل ہونے کی امید نہ رہے، یعنی یہ یقین یا ظنِ غالب ہو کہ مانع کی وجہ سے وقوف اور طواف زیارت فوت ہو جائیں گے۔(۱)

احصار کے اسباب:

فقہاے حنفیہ نے بارہ اسباب ایسے ذکر کیے ہیں جن کی وجہ سے آدمی محصر شمار ہوگا، اگرچہ وہ مکہ تک پہنچ چکا ہو یا مکہ ہی کا باشندہ ہو۔ ان اسباب کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)العدوّ:

دشمن کا خوف لاحق ہو، چاہے دشمن مسلمان ہو یا کافر اور چاہے کوئی بادشاہ ہو یا کوئی عام آدمی ہو، بشرطیکہ کوئی متبادل اور محفوظ راستہ موجود نہ ہو۔

(۲)السبع:

مکہ مکرمہ یا عرفات کے راستے پر کوئی درندہ موجود ہو، جیسے: شیر، چیتا، باؤلا کتا اور کوئی خطرناک سانپ وغیرہ، تاہم یہ عذر تب مقبول ہوگا، جب ان کو راستے سے ہٹانے پر قدرت نہ ہو۔

(۳)الحبس:

کسی بادشاہ یا طاقت ور شخص کی طرف سے قید میں ہونا یا نظر بند ہونا۔

(۴)الکسر:

یعنی کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا یا لنگڑاہٹ طاری ہو جانا، جس سے چلنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے۔

(۵)المرض:

ایسا مرض جو سفر کی وجہ سے بڑھ رہا ہو۔

(۶)موت المحرم او الزوج للمرأۃ:

عورت کے محرم یا شوہر کا ایسی حالت میں فوت ہو جانا کہ ابھی مکہ مکرمہ تک پہنچنے کے لیے شرعی سفر یا اس سے زیادہ کا فاصلہ باقی ہو۔ یہ حکم اس عورت کا بھی ہے جس نے حج یا عمرے کے لیے احرام تو باندھ لیا ہو، لیکن احرام باندھنے

---

(۱) الموسوعۃ الفقھیۃ نقلاً عن مواھب الجلیل وشرح الدردیر، مادۃ إحصار:۲/۱۹۹

کے بعد اس کو محرم یا شوہر دستیاب نہ ہو سکے۔

(۷) ھلاک النفقۃ: حج کے اخراجات کا ہلاک ہو جانا یا چوری ہو جانا یا ختم ہو جانا بھی احصار کا سبب ہے۔

(۸) ہلاک الراحلۃ:

اگر سواری کا جانور ایسی جگہ ہلاک ہو جائے جہاں سے پیدل مکہ جانا ناممکن یا سخت مشکل ہو اور نفقہ بھی اتنا نہ ہو جس سے دوسری سواری خرید لے تو محصر شمار ہوگا۔

(۹) العجز عن المشی:

احرام باندھنے کے بعد شروع ہی سے چلنے سے عاجز ہو اور سواری پر قدرت نہ ہو۔

(۱۰) الضلالۃ عن الطریق:

جو شخص عرفات یا مکہ کا راستہ گم کردے اور اس کو کوئی ایسا شخص نہ مل سکے جو اس کو راستہ دکھا سکے تو وہ بھی محصر شمار ہوگا۔

(۱۱) منع الزوج زوجتہ:

نفلی حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے بعد شوہر کا اپنی بیوی کو منع کرنا بھی احصار کا سبب ہے، بشرط یہ کہ شوہر نے ابتداء سے اجازت نہ دی ہو۔ اسی طرح فرض حج کی ادائیگی کے لیے اگر عورت کو کوئی محرم دستیاب ہو تو شوہر کا منع کرنا احصار نہیں ہوگا۔

(۱۲) العدۃ:

احرام باندھ لینے کے بعد شوہر کی وفات یا طلاق کی وجہ سے عدت طاری ہو جانا بھی احصار کا سبب ہے۔(۱)

احصار کا حکم:

احصار کا حکم دو قسم پر ہے: تحلل، یعنی احرام کھولنا اور تحلل کے بعد حج یا عمرے کی قضا لانا۔

(۱) تحلل......: احصار کا تحقق ہو جانے کے بعد اگر محصر چاہے تو وہ اسی وقت مکہ مکرمہ (حرم) کو قربانی کا جانور بھیج کر یا جانور خریدنے کے لیے اس کے پیسے بھیج کر اس جانور کے ذبح ہونے کے فوراً بعد خود کو احرام سے چھڑا سکتا ہے، تاکہ احرام کی طوالت سے محرم کو ضرر لاحق نہ ہو، تاہم واجب ہے کہ بھیجے جانے والے شخص سے ایک خاص دن اور وقت کا وعدہ

(۱) إرشاد الساري إلى مناسك الملاعلي قاري، باب الإحصار، ص:۴۵۳-۴۵۶، غنية الناسك، باب الإحصار، ص:۳۰۹-۳۱۱

لے کر اسی وقت کے بعد احرام کھول دے۔ مقررہ وقت سے پہلے محظورات احرام کے ارتکاب پر بالکل اسی طرح دم واجب ہوگا جس طرح غیر محصر محرم پر واجب ہوتا ہے۔ یہ حکم بہرصورت جواز کا ہے، تاہم زیادہ مناسب یہ ہے کہ تحلل کے بغیر احرام کی حالت میں رکاوٹ ختم ہونے کا انتظار کرے (اگر ختم ہونے کی امید ہو) اگر رکاوٹ ختم ہوگئی تو جاکر حج ادا کرلے اور اگر رکاوٹ ایام حج ختم ہونے کے بعد زائل ہوگئی تو حرم جاکر عمرہ کے افعال ادا کرکے احرام سے نکل جائے، مذکورہ طریقے پر احرام سے نکلنا حنفیہ کے ہاں افضل ہے۔ ایسی صورت میں اس پر ہدی بھیجنا واجب نہیں۔(۱)

احصار ختم ہونے کے بعد قربانی کے جانور یا حج پانے کی مختلف صورتیں:

احصار کے تحقق کے بعد اگر محرم نے تحلل کے لیے قربانی کا جانور حرم کی طرف بھیج دیا ہو اور اس کے بعد احصار کا سبب، یعنی مانع ختم ہوجائے تو اس کی چار صورتیں بن سکتی ہیں، جن میں سے ہر ایک کا حکم یوں ہے:

(۱)......حج اور ہدی دونوں کو پاسکتا ہو تو سفر کرکے حج ادا کرنا فرض ہے۔ ایسی صورت میں ہدی کے ذریعے احرام سے نکلنا جائز نہیں۔

(۲)......حج اور ہدی دونوں پر قادر نہ ہو تو حرم میں ہدی ذبح ہونے کے فوراً بعد احرام سے نکل جائے۔

(۳)......صرف ہدی پاسکتا ہو اور حج نہیں تو ایسی صورت میں بھی تحلل کرلے، تاہم مذکورہ دونوں صورتوں میں حرم جاکر عمرہ کے افعال کے ذریعے احرام سے نکلنا زیادہ افضل ہے۔

(۴)......صرف حج پاسکتا ہو اور ہدی نہیں تو استحساناً تحلل کے ذریعے احرام سے نکل سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں محرم کا مال (قربانی کا جانور) بچانے کے لیے اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، تاہم اگر محرم جاکر حج ادا کرلے تو یہ زیادہ بہتر صورت ہے۔ عمرہ کے احرام میں اس کی صرف دو صورتیں بن سکتی ہیں، اس لیے کہ عمرہ کے لیے مخصوص وقت مقرر نہیں، وہ دو صورتیں یہ ہیں:

(۱)......عمرہ اور ہدی دونوں پاسکتا ہو تو سفر کرکے عمرے کی ادائیگی ضروری ہے۔

(۲)......اگر صرف عمرے پر قدرت ہو اور ہدی نہ پاسکتا ہو تو حج کی طرح استحساناً ہدی کے ذریعے تحلل کرسکتا ہے۔(۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الإحصار: ٤/٤-٦، بدائع الصنائع، فصل في حکم الإحصار: ٣/١٩١-١٩٢، إرشاد الساري إلی مناسك الملا علي قاري، باب الإحصار، فصل في بعث الهدي، ص: ٤٥٨، غنية الناسك، باب الإحصار، فصل في حکم الإحصار، ص: ٣١١

(٢) إرشاد الساري إلی مناسك الملا علي قاري، باب الإحصار، فصل في زوال الإحصار، ص: ٤٦٥-٤٦٧، غنية الناسك، باب الإحصار، فصل في حکم الإحصار، ص: ٣١١

تحلل کے بنیادی احکام:

(۱) ...جانور بھیجنے کے وقت تحلل، یعنی احرام سے نکلنے کی نیت کرنا ضروری ہے۔(۱)

(۲) ...حرم بھیجے جانے والے جانور کا ذبح ہونا تحلل کے لیے ضروری ہے۔صرف جانور بھیجنا یا جانور خریدنے کے لیے پیسے دینا کافی نہیں۔ذبح کرنے کے بعد حلق یا تقصیر کے بغیر بھی تحلل حاصل ہو جاتا ہے۔(۲)

(۳) ...حج افراد اور محض عمرے کی نیت سے احرام باندھنے والے شخص پر تحلل کے لیے ایک ہی دم واجب ہے، جب کہ قارن پر دو دم واجب ہوں گے، لہٰذا ایک دم بھیجنے سے قارن احرام سے نہیں نکل سکتا۔(۳)

(۴) ...حنفیہ کے ہاں احصار کی قربانی کے لیے مخصوص مکان حرم ہے، لہٰذا کوئی بھی شخص محصر کی طرف سے وکیل یا نائب بن کر حرم میں قربانی کرلے، غیر حرم میں قربانی کرنے سے تحلل جائز نہیں۔(۴)

(۵) ...حنفیہ کے مشہور اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق احصار کی قربانی کے لیے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں۔ایام نحر کے دوران، اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی بھی وقت احصار کی قربانی کی جاسکتی ہے۔(۵)

احصار کی قربانی سے عاجز ہونے کا حکم:

حنفیہ کے ہاں اگر کوئی شخص احصار کی قربانی خریدنے اور بھیجنے پر قادر نہ ہو یا اس کو کوئی ایسا شخص نہ ملے جو اس کے لیے حرم میں قربانی کر سکے تو وہ عمر بھر احرام کی حالت میں رہے گا۔کوئی بھی صدقہ یا روزہ وغیرہ قربانی کا قائم مقام نہیں بن سکتا، بلکہ احرام سے نکلنے کے لیے یا تو اپنی طرف سے حرم میں قربانی کرلے اور یا مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کے افعال کے ذریعے احرام سے نکل جائے۔(۶)

قربانی کے بغیر احرام سے نکلنا:

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص بھی کسی انسانی حق کی وجہ سے حج یا عمرے سے رک جائے تو اس کے حلال ہونے

(۱) إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي قاري، باب الإحصار، فصل في بعث الهدي: ٥٩٠،٤٥٨ ،غنية الناسك، باب الإحصار، فصل في ما لو زال إحصاره، ص: ٣١٥ (٢) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الإحصار: ٤/٦ (٣) الدر المختار مع رد المحتار حواله بالا: ٤/٥، رشاد الساري حواله بالا (٤) إرشاد الساري حواله بالا، بدائع الصنائع، فصل في حكم الإحصار: ٣/١٩٣ (٥) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحصار: ٣/٩٧، ٩٨، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الإحصار: ٤/٥ (٦) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في حكم الإحصار: ٣/١٩٧، الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الثاني عشر في الإحصار: ١/٢٥٥

کے لیے حرم میں قربانی کرنے تک کا انتظار ضروری نہیں، مثلاً کسی عورت یا غلام اور لونڈی نے شوہر اور مالک کی اجازت کے بغیر نفلی حج یا عمرے کا احرام باندھ لیا ہو تو شوہر اور مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ فوراً ان کو حلال ہونے کا حکم دیں، تاہم حلال ہونے کے بعد دونوں پر لازم ہے کہ وہ احصار کی قربانی کے لیے جانور یا پیسے بھیج کر حرم میں قربانی کرالیں۔(۱)

احصار کا دوسرا حکم "حج یا عمرے کی قضالانا":

قضالانے کی دو صورتیں ہیں: (۱)......اگر محصر نے قربانی کے ذریعے اپنے آپ کو حلال کیا ہو تو چھوڑے ہوئے حج یا عمرے کی قضالانے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(الف)......صرف حج کے لیے احرام باندھنے کے بعد احصار کا معاملہ پیش آئے تو آئندہ سال قضا کرتے وقت حج کے ساتھ ساتھ عمرہ بھی ادا کرنا ہوگا، اسی طرح آئندہ سال حج ادا کرتے وقت قضا کی نیت بھی ضروری ہوگی۔

(ب)......اور اگر احرام حج قران کا ہو تو آئندہ سال قضا کرتے وقت ایک حج اور دو عمرے ادا کرنے ہوں گے، تاہم قضالاتے وقت احرام میں اس کو اختیار ہے، چاہے قران کے لیے احرام باندھ لے اور چاہے افراد کے لیے احرام باندھ کر بقیہ دو عمرے الگ الگ ادا کر دے۔ اس صورت میں بھی قضا کی نیت ضروری ہے۔

(ج)......اور اگر احرام صرف عمرے کا ہو تو احصار ختم ہونے کے بعد کسی بھی وقت قضا کی نیت سے صرف ایک عمرہ ادا کرلے، بس یہی ایک ہی عمرہ قضا کے لیے کافی ہے۔(۲)

قضالاتے وقت نیت کرنے کی حیثیت:

اگر نفلی حج کا احرام باندھنے کے بعد احصار پیش آئے اور آئندہ سال قضالانا چاہے تو بالاتفاق نیت ضروری ہے، تاہم اگر احرام فرض حج کا ہو تو قضالاتے وقت کسی نیت کی ضرورت نہیں۔

(۲)......اور اگر محرم نے عمرے کے افعال کے ذریعے اپنے آپ کو حلال کیا ہو تو تحلل کا عمرہ ادا ہو گیا، لہٰذا اب آئندہ سال قضا کرتے وقت اس پر کوئی اور عمرہ واجب نہیں۔ اسی طرح اگر احصار ایسے وقت ختم ہو جائے کہ اسی سال حج ادا ہو سکے تو اس صورت میں بھی کسی اور عمرے کی ضرورت نہیں ہوگی۔(۳)

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار كتاب الحج ،باب الإحصار: ٤/ ٤ ،غنية الناسك ،فصل في المحصر الذي يتحلل بغير الهدي،ص:٣١٥ . (٢) الهداية مع فتح القدير، كتاب الحج: ٣/ ٥٥ـ٥٧ ،إرشاد الساريّ ،باب الإحصار،فصل في قضاء ما أحرم به،ص:٤٦٨ . (٣) غنية الناسك ،فصل في قضاء ما حلّ منه المحصر،ص:٣١٣، ٣١٤ ،إرشاد الساري ،باب الإحصار،فصل في قضاء ما أحرم به،ص:٤٦٨، ٤٦٩

باب الاحصار

(احصار کے متعلق مسائل)

فرض حج میں خاوند کی اجازت کا حکم

سوال نمبر(260):

اگر کسی خاتون پر مال دار ہونے کی وجہ سے حج فرض ہوا اور وہ کسی محرم کے ساتھ حج پر جانے کی خواہش مند ہو، لیکن خاوند جانے نہیں دیتا ہو تو کیا یہ خاتون خاوند کی اجازت کے بغیر حج کے لیے جاسکتی ہے؟ کیا محرم کی موجودگی کے باوجود خاوند کا منع کرنا احصار کے ضمن میں تو نہیں آتا؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

دین اسلام ایک فطرتی دین ہے جس میں مرد و عورت کے لیے یکساں طور پر کامل ضابطہ حیات موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان اسلام میں سے کوئی رکن اگر مرد پر اپنے مقررہ وقت میں فرض ہوتا ہے تو اسی طرح عورت پر بھی اسی وقت میں فرض ہوتا ہے، جس کی ادائیگی کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہو جائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں، بلکہ وہ خاتون خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کرسکتی ہے، بشرطیکہ کوئی محرم ساتھ ہو۔ ایسی صورت میں خاوند کا بیوی کو فریضہ حج سے منع کرنا جائز نہیں اور نہ ہی یہ منع کرنا احصار کے زمرے میں آسکتا ہے۔

والدّليل على ذلك:

(وليس لزوجها منعها) أي إذا كان معها محرم، وإلافله منعها كما يمنعها عن غير حجة الإسلام.(۱)

---

(۱) ردالمحتارعلى الدرالمحتار، كتاب الحج، مطلب:يقدم حق العبدعلى حق الشرع:۳/۴۶۵

ترجمہ:

خاوند بیوی کو فرض حج کرنے سے منع نہیں کرسکتا، یعنی اگر عورت کے ساتھ محرم ہو تو اس کو خاوند منع نہیں کرسکتا، اگر محرم نہ ہو تو پھر اس کو منع کرسکتا ہے۔ جس طرح نفلی حج سے خاوند بیوی کو منع کرسکتا ہے۔

❁❁❁

عمرہ سے احصار کا حکم

سوال نمبر (261):

ایک آدمی نے ادائیگی عمرہ کی نیت سے احرام باندھا ہو، مگر بعد میں راستہ مسدود ہو جانے کی وجہ سے یعنی ائیرپورٹ پر سعودی عرب جانے کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے مکہ مکرمہ نہ جاسکے۔ تو اب اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ محرم کا کسی خوف، دشمن، بیماری یا کسی اور وجہ سے افعال حج یا افعال عمرہ پورا کرنے سے رک جانے کو شریعت کی اصطلاح میں "احصار" کہتے ہیں، یعنی روکنا۔ احصار چونکہ محرم کی طرف سے ایک قسم کی جنایت ہے، اس لیے اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کا احرام باندھا ہو، پھر محصر ہوا تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہدی کسی کے ذریعے حرم بھیج دے یا اس کی قیمت کسی ایسے شخص کو دے دے، جو وہاں مقیم ہوتا کہ وہ اس سے ہدی خرید کر وہاں کسی متعین تاریخ کو ذبح کردے تو یہ محصر اس کے ذبح کے بعد حلال ہو جائے گا۔ اس کے بغیر احرام کھولنے سے حلال نہیں ہوگا۔ اسی حالت احصار میں جو جنایت (خلاف احرام فعل) کرے گا تو دم وغیرہ لازم ہوگا۔

احصار ختم ہونے کے بعد عمرہ کی قضا واجب ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وأما حكم الإحصار: فهو أن يبعث بالهدي، أو بثمنه ليشتري به هدياً، و يذبح عنه، ومالم يذبح لا يحل، وهو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الإحرام الإهلال بغير ذبح عندالإحصار، أولم يشترط، ويجب أن يواعد يوماً معلوماً يذبح عنه، فيحل بعد الذبح، ولايحل قبله، حتى لو فعل

شيئاً من محظورات الإحرام قبل ذبح الهدي يجب عليه ما يجب على المحرم إذا لم يكن محصراً.(١)

ترجمہ:

احصار کا حکم یہ ہے کہ قربانی کا جانور یا اس کی قیمت مکہ مکرمہ بھیج دے، تا کہ اس کی قربانی خرید کر حرم شریف میں اس کی طرف سے ذبح کی جائے اور جب تک وہ قربانی ذبح نہ ہو وہ احرام سے حلال نہ ہوگا۔ عام علما کا یہی قول ہے، خواہ احرام باندھتے وقت احصار کی صورت میں قربانی ذبح کرنے کی شرط لگائی ہو یا نہیں، دونوں کا حکم برابر ہے اور یہ واجب ہے کہ ایک دن مقرر کر کے وعدہ لے لے جس میں اس کی طرف سے قربانی ذبح کی جائے گی، پس وہ اس قربانی کے ذبح ہونے کے بعد احرام سے حلال ہو جائے گا اور ذبح سے پہلے احرام سے حلال نہ ہوگا، حتی کہ اگر اس نے اس قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے کوئی ایسا فعل کیا جو احرام کی حالت میں منع ہو تو اس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو محرم پر محصر نہ ہونے کی حالت میں واجب ہوتا ہے۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الإحصار: ١/٢٥٥

باب حج البدل

(مباحث ابتدائیہ)

حج بدل کی تعریف:

فقہائے کرام حج بدل کو "الحج عن الغیر" یا "النیابة فی الحج" کے عنوان سے بھی ذکر کرتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ "کوئی شخص حج فرض ہونے کے بعد اس کی ادائیگی سے عاجز ہو اور وہ اپنی جگہ کسی اور کو حکم کرکے حج کے لیے بھیج دے"۔کسی کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے حج کرنا حج بدل نہیں کہلاتا، چاہے وہ فرض حج ہو یا نفلی حج، بلکہ ایسا حج ادا کرنے والے ہی کی طرف سے ادا ہوگا، اگرچہ وہ ادائیگی کے بعد اس کا ثواب کسی کو بخش سکتا ہے۔(۱)

عبادات میں نیابت کا اصول:

عبادات تین طرح کی ہیں:

(۱) خالص مالی عبادات...... جیسے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر، ان میں مطلقاً نیابت درست ہے، اگرچہ نائب ذمی ہی کیوں نہ ہو اور چاہے اصل شخص خود زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو۔

(۲) خالص بدنی عبادات...... جیسے نماز اور روزہ، ان میں مطلقاً نیابت درست نہیں، چاہے اصل شخص خود ادا کرنے پر قادر ہو یا نہ ہو۔

(۳) وہ عبادات جو مالی اور بدنی دونوں ہوں...... جیسے حج، اس میں نیابت درست ہے، البتہ اگر فرض ہو تو شرط یہ ہے کہ اصل شخص خود ادائیگی سے عاجز ہو اور اگر نفلی حج ہو تو مطلقاً جائز ہے۔

حج بدل کے جواز کے لیے شرائط:

فقہائے کرام کے ہاں فرض حج میں نیابت کی درستگی کے لیے بیس شرائط ہیں۔نفلی حج کے لیے شرائط آگے آرہی ہیں۔

(۱) جس کی طرف سے حج ادا کیا جارہا ہو، اس پر ابتداءً حج فرض ہو چکا ہو۔

(۲) اصل شخص خود جسمانی صحت کے اعتبار سے حج ادا کرنے سے عاجز ہو۔

---

(۱) غنیة الناسك، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۲۰

(۳) اصل شخص حجِ بدل کرانے کے بعد سے لے کر وفات تک خود حج ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکے، اگر قادر ہوا تو اصالۃً، یعنی بذاتِ خود حج ادا کرنا ہوگا۔

(۴) اصل شخص نے نائب کو حج بدل کا حکم دے دیا ہو۔ اصل شخص اگر مرگیا ہو تو اس کے وصی کا حکم بھی کافی ہے۔ وارث اپنے مورث کی طرف سے حکم کے بغیر بھی حجِ بدل کرسکتا ہے۔

(۵) نائب شخص اصل شخص کے مال سے حج کرلے، اگر اپنے مال سے تبرع کرتے ہوئے حج کرلیا تو اس کی طرف سے کافی نہیں ہوگا۔

(۶) احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کی جائے، جو حجِ بدل کرارہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تلبیہ پڑھتے وقت اس کا نام لے کر یوں کہے "لبیک عن فلان"۔

(۷) صرف ایک اور معین شخص کی طرف سے حجِ بدل کرنے کی نیت سے احرام باندھا ہو۔

(۸) صرف ایک حج کا احرام باندھ لے۔ اگر دو مختلف حجوں کا احرام باندھ لیا تو جائز نہیں۔

(۹) اگر اصل شخص نے حجِ بدل کرانے کے لیے متعین شخص کا نام لے کر بقیہ لوگوں کی نفی کی ہو تو وہی متعین شخص اس کی طرف سے حج کرے گا۔ ورثا کسی اور کو حجِ بدل کے لیے نہیں بھیج سکتے، البتہ اگر اوروں کی نفی نہ کرے تو پھر اس معین شخص کے انکار یا موت کی وجہ سے آمر کے ورثا کسی اور سے بھی حجِ بدل کرا سکتے ہیں۔

(۱۰) نائب شخص خود حج ادا کرے۔ اگر اصل شخص یا اس کے وصی کی اجازت کے بغیر اس نے کسی اور کو حج کے لیے بھیج دیا تو جائز نہیں۔

(۱۱) اگر میت نے حج کی وصیت کی ہو اور اس کے لیے مال اور مکان متعین نہ کیا ہو تو میت کے اصل وطن سے حجِ بدل کے لیے شخص بھیجا جائے گا، بشرطیکہ اس کا ثلثِ ترکہ حج کے لیے کافی ہو سکے۔ اگر ثلث ترکہ کافی نہ ہو سکے تو پھر جہاں سے اخراجات کم ہوں اور ثلث پورا ہوسکتا ہو، استحساناً وہاں سے بھیج دیا جائے۔

(۱۲) حج پر مامور شخص سوار ہو کر حج کرے گا، پیدل نہیں۔ تاکہ اصل شخص حج کے معروف اخراجات برداشت کر سکے۔

(۱۳) سفر کی نوعیت آمر کے حکم کے مطابق ہوگی، لہٰذا اگر آمر نے صرف حج کی اجازت دی ہو اور مامور عمرہ (تمتع) کا احرام باندھ کر اولاً عمرہ ادا کرے، پھر میقات سے دوبارہ احرام باندھ کر حج ادا کرے، پھر بھی جائز نہیں، اس لیے کہ اس نے آمر کے حکم کی مخالفت کر کے سفر کی نوعیت ہی بدل دی۔

(۱۴) اگر آمر نے متعین میقات سے احرام باندھنے کی شرط لگائی ہو تو اسی میقات سے احرام باندھنا ہوگا اور اگر حکم مطلق

ہو تو پھر آمر کے وطن کے لیے میقات مقرر ہو، اسی سے احرام باندھا جائے گا۔

(۱۵) مامور حج کے بنیادی مناسک اور احکامات میں آمر کی مخالفت نہیں کرے گا، لہٰذا اگر حج افراد کا حکم ہونے کے بعد مامور نے حج تمتع ادا کرلیا تو یہ حج مامور کی طرف سے ہوگا اور وہ آمر کے اخراجات کا ضامن ہوگا، تاہم اگر حکم مطلق حج کا ہو اور مامور نے حج قران کرلیا تو صاحبین کے ہاں یہ مخالفت متصور نہیں ہوگی، تاہم دمِ قران پھر بھی مامور کے ذمے ہوگا، آمر کے ذمے نہیں ہوگا۔

(۱۷) مامور حج کو فوت نہ کرے۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حج کے فوت ہونے میں اس کی ذاتی مصروفیت اور کوتاہی کا عمل دخل ہو تو وہ ہونے والے خرچ کا ذمہ دار ہوگا، البتہ اگر وہ آئندہ سال اپنے مال سے آمر کے لیے حج ادا کرے تو وہ آمر کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور مامور ضمان سے بچ جائے گا۔

اور اگر حج کا فوت ہونا آفت سماوی (مرض، احصار وغیرہ) کی وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں مامور پر نفقہ کا تاوان نہیں، بلکہ فوت شدہ حج کی قضا اپنی طرف سے کرلے (قضاءً لما لزمہ بالشروع) اور آمر کے لیے حج کرنے کے لیے وہ آمر ہی سے رقم لے لے۔

(۱۸) آمر اور مامور دونوں مسلمان ہوں، البتہ وصی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

(۱۹) آمر اور مامور دونوں صاحبِ عقل ہوں۔

(۲۰) مامور حج کے مناسک کی تمیز رکھنے والا ہو، لہٰذا مراہق کے ذریعے حجِ بدل کرانا جائز ہے۔ (۱)

کون سی اشیا حجِ بدل کے لیے شرط نہیں:

بالغ ہونا، آزاد ہونا اور مرد ہونا حجِ بدل کی ادائیگی کے لیے شرط نہیں۔ اس طرح یہ بھی شرط نہیں کہ مامور نے اولاً اپنا فرض ادا کیا ہو، تاہم ایسے شخص کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اولاً اپنا فرض حج ادا کرے۔ مذکورہ اشیا اگرچہ حجِ بدل کی صحت کے لیے شرط نہیں، تاہم مذکورہ افراد کے ذریعے حج بدل ادا کرنے میں کراہیت بہرصورت موجود ہے۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون: ۴/ ۱۳-۲۰، الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغیر: ۱/ ۲۵۷، ۲۵۸، غنیة الناسك، باب الحج عن الغیر، فصل في شرائط النیابة، ص: ۳۲۰-۳۲۷، المبسوط، کتاب المناسك، باب الحج عن المیت وغیره: ۴/ ۱۵۵

(۲) الفتاوی الهندیة، الباب الرابع عشر في الحج عن الغیر: ۱/ ۲۵۷، غنیة الناسك، باب الحج عن الغیر، فصل في مالیس من شرائط النیابة في الحج، ص: ۳۲۷

نفلی حج کے لیے شرائط:

اگر کوئی شخص کسی کے حکم سے اس کے لیے نفلی حج کر رہا ہو تو مذکورہ بیس شرائط میں سے پہلی تین شرائط کے علاوہ بقیہ شرائط کی رعایت ضروری ہوگی۔(۱)

میت کی طرف سے حج:

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور ادا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا ہو تو اگر حج کی وصیت بھی نہ کی ہو تو گنہگار ہوگا۔ اگر کوئی بلا وصیت اس کی طرف سے حج کر دیں تو امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا اور اگر حج کی وصیت کی ہو تو محض وصیت فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں، جب تک اس کی طرف سے حج ادا نہ ہو جائے، میت کی طرف سے حجِ بدل کے لیے وہی شرطیں ہیں جو زندگی میں حجِ بدل کرنے کی ہیں۔ مذکورہ شرائط میں سے شرط نمبر ۱ اخصوصی طور پر میت کے لیے ہے۔(۲)

چند متفرق ضروری احکام:

(۱) جو شخص دوسرے کی طرف سے حجِ بدل ادا کرے، اس حجِ بدل کی وجہ سے خود اس کا حج ادا نہ ہوگا۔

(۲) بہتر یہ ہے کہ حجِ بدل کے لیے ایسا شخص منتخب کیا جائے جس نے اپنا فرض حج ادا کیا ہو اور وہ حج کے احکام اور مناسک کا عالم ہو، عاقل اور مرد ہو۔

(۳) حج بدل کرنے والا بلا ضرورت یا اپنی شخصی ضرورت کے تحت کہیں زیادہ قیام کرلے تو ایسے قیام کے اخراجات کا خود ذمہ دار ہوگا۔ یہ حکم ہر اس فعل کا ہے جو حج بدل کے سفر کی ضروریات سے ہٹ کر ذاتی ضرورت یا خواہش کی وجہ سے ہو۔(۳)

* * * * *

---

(۱) غنية الناسك، باب الحج عن الغير، تتمة، ص: ۳۳۶

(۲) الفتاوى الهندية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۸، ۲۵۹، وغنية الناسك، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط النيابة، الشرط الحادي عشر، ص: ۳۲۹

(۳) الفتاوى الهندية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، ۲۵۸

باب حجِ البدل

(حجِ بدل کے متعلق مسائل)

حجِ بدل کرنے والے کا غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ سفرِ حج

سوال نمبر (262):

اگر ایک غریب شخص سے کسی نے حج بدل کروایا ہو اور کچھ عرصہ بعد وہ خود صاحب استطاعت بن گیا ہو تو کیا اس پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی حج بدل کرنے سے انسان کا اپنے فرض حج سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

واضح رہے کہ حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے جو مالی و بدنی عبادات کا مجموعہ ہے۔ حج ہر ذی استطاعت پر فرض ہوتا ہے اور اس پر بذاتِ خود ادا کرنا لازمی ہے، لیکن بسا اوقات عذرِ شرعی کی بنا پر معذور شخص دوسرے شخص سے حج بدل کروا سکتا ہے اور مامور کے حج کرنے سے معذور شخص، یعنی آمر کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، لیکن مامور کے ذمہ سے فریضہ حج ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا ذی استطاعت ہونے کی صورت میں اسے دوبارہ حج ادا کرنا ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ثم الصحیح من المذهب فیمن حج عن غیره أن أصل الحج یقع عن المحجوج عنه، ولهذا لا یسقط به الفرض عن المامور وهو الحاج.(۱)

ترجمہ: پھر مذہب میں صحیح حکم یہ ہے کہ جو شخص دوسرے کی طرف سے حج کرے، اس کا اصل حج اس کی طرف سے واقع ہوتا ہے، جس کی طرف سے اس نے حج کیا، اسی لیے حج کرنے والے کا فرض حج اس سے ساقط نہیں ہوتا، حالانکہ وہ حاجی کہلاتا ہے۔



(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، باب في الحج عن الغیر: ۱/۲۵۷

حجِ بدل پر جانے والے شخص کے اہل وعیال کے اخراجات کا حکم

سوال نمبر(263):

ایک دولت مند آدمی جس پر حج فرض ہو چکا ہو، معذور ہونے کی وجہ سے سفر کے قابل نہ ہو، جس کی بنا پر وہ کسی دوسرے آدمی کو اپنی جگہ حج بدل ادا کرنے کا حکم کرے تو آمدورفت کے اخراجات کے علاوہ مامور کے گھر اور اہل وعیال کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص واقعی معذور ہو اور اس کا عذر ایام حج سے مسلسل جاری ہو تو ایسی حالت میں دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اس سفرِ حج میں مامور کا خرچہ (آمدورفت، کھانا پینا اور لباس) آمر پر لازم ہے۔

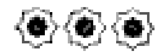
تاہم مامور کے گھر اور اہل وعیال کے اخراجات کا لزوم کتب فقہ سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کا مطالبہ مناسب نہیں رہے گا، بلکہ گھریلو اخراجات کا مطالبہ درحقیقت اس نیک عمل کے عوض میں اجرت طلب کرنے کے مترادف ہے، جو جائز نہیں، البتہ اگر برضائے خویش اس کے گھر اور اہل وعیال کے اخراجات بھی برداشت کرے تو جائز ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

هی ما یکفي الحاج المأمور لذها به وإیابه إلی بلدالمیت منفقاً علی نفسه بالمعروف من غبر تبذیر، ولا تقتیر من طعام ،وإدام، ومنه اللحم، وشراب، وثیاب في الطریق.(۱)

ترجمہ:

اور خرچہ اتنی مقدار میں ہو کہ مامور کے آنے جانے کے لیے کافی ہو کہ بغیر کسی اسراف اور بخل کے اپنے آپ پر معروف طریقے سے خرچ کرے۔ اس کے خرچے میں کھانا، سالن، گوشت اور پینے کی کوئی چیز اور راستے میں پہننے کے کپڑے شامل ہیں۔



(۱) غنیة الناسك في بغیة المناسك، باب الحج عن الغیر،فصل في النفقة :ص ٣٤٢

منها عدم اشتراط الأجرة،فلو استأجر رجلاً بأن قال:استأجرتك على أن تحج عني بكذا لم يجز حجه.(۱)

ترجمہ:

حجِ بدل کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اجرت کی شرط نہیں لگائی جائے گی،پس اگر کسی نے کسی آدمی کو اجرت پر لیا اور کہا کہ:میں تم کو اتنی اجرت دوں گا اس کے بدلے تم میرے لیے حج ادا کرو تو اس کا حج جائز نہیں۔

حجِ بدل میں مامور کا آمر کے ملک یا شہر سے جانا

سوال نمبر(264):

ایک صاحبِ استطاعت شخص جس پر حج فرض ہے،لیکن بوجہ معذوری سفرِ حج کا قابل نہیں تو کیا سعودی عرب میں مقیم اس کا دوست اس کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟یا آمر کے شہر سے مامور کا جانا ضروری ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج ایک اہم فریضہ ہے،جس کی ادائیگی ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے،البتہ اگر کوئی شخص ایسا معذور ہو کہ مرتے دم تک فریضہ حج کی ادائیگی پر قادر ہونے کی امید نہ ہو تو اس صورت میں وہ اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کرنے کے لیے بھیج سکتا ہے۔تاہم حج بدل میں مامور کا آمر کے ملک یا شہر سے جانا ضروری ہے۔سعودی عرب میں مقیم شخص کا حج کرنے سے آمر کا فرض حج ادا نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

أن يحج راكبا، فلو حج ماشياً ولو بأمره ضمن النفقة، والمعتبر ركوب أكثر الطريق إلا إن ضاقت النفقة فحج ماشياً جاز. الحادی عشر أن يحج عنه من وطنه.(۲)

---

(۱)الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الحج ،باب الحج عن الغير:٤/١٧، ١٨

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط الحج عن الغير عشرون:٤/١٧

ترجمہ:

اس کو چاہیے کہ سوار ہو کر حج کرے، اگر پیدل چل کر حج کیا، اگر چہ آمر کے حکم سے ہو تو نفقہ کا ضامن ہوگا اور سوار ہونے کا اعتبار اکثر سفر کو دیکھ کر کیا جائے گا، البتہ اگر نفقہ کم ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر اس نے پیدل چل کر حج کر لیا تو جائز رہے گا۔ اور گیارھویں شرط یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا آمر کے وطن سے چل کر حج کرے۔

❁❁❁

حجِ بدل کے بعد آمر کے وطن یا گھر واپس آنا

سوال نمبر (265):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ بھیجا ہو تو جس طرح حج بدل کے لیے جاتے وقت وہ آمر کے وطن سے جائے گا تو کیا اسی طرح واپس آتے وقت بھی وہ آمر ہی کے وطن اور شہر میں آئے گا؟ اور اس کے مکان پر جانا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر مامور سعودی عرب ہی میں مقیم ہو جائے تو اس صورت میں حجِ بدل ادا ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج بدل میں مامور کا آمر کے ملک یا شہر سے جانا ضروری ہے، البتہ حج بدل ادا کرنے کے بعد آمر کی جائے سکونت، شہر یا ملک واپس آنا ضروری نہیں۔

اگر کہیں مامور حج کے بعد وہیں مقیم ہو جائے یا اپنے شہر و مکان چلا جائے تو اس سے حج متاثر نہیں ہوگا، بلکہ حج بدل ادا ہو جائے گا۔ تاہم بہتر و افضل تو یہی ہے کہ واپس آ جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ولو أحج رجلاً يؤدي الحج ويقيم بمكة جاز، والأفضل أن يحج ويرجع، و إذا فرغ المأمور بالحج من الحج، ونوى الإقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً أنفق من مال نفسه، ولو أنفق من مال الآمر يضمن.(۱)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الحج عن الغير: ۲۵۸/۱

ترجمہ:

جب کسی شخص نے کسی آدمی کو اپنی طرف سے حج پر بھیجا، تاکہ حج کرے اور وہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو جائے تو جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ حج کر کے واپس لوٹے، جب مامور بالحج حج کرنے سے فارغ ہوا اور اس نے وہاں پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہ ان دنوں کے لیے اپنے مال سے خرچ کرے اور اگر اس نے ان دنوں میں آمر کے مال سے خرچ کیا تو ضامن ہوگا۔

❁❁❁

باپ کی طرف سے بیٹے کا حج ادا کرنا

سوال نمبر (266):

اگر معذور شخص اپنی جگہ اپنے بیٹے کو حج کے لیے بھیجے تو کیا وہ باپ کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے، جب کہ بیٹے نے خود پہلے حج نہ کیا ہو؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حج ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر آدمی خود جانے سے عاجز ہو تو ضرورت کے وقت دوسرا کوئی شخص اس کی طرف سے یہ فریضہ ادا کر سکتا ہے۔

تاہم دوسرے شخص کو بھیجنے کی صورت میں چند شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ اگر ان شرائط کے تحت حج بدل کر لیا جائے تو درست رہے گا، ورنہ نہیں اور وہ شرائط یوں ہیں:

۱۔ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو۔

۲۔ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک قائم ہو۔

۳۔ وہ خود حج کی نیابت کا حکم دے دے۔

۴۔ احرام کے وقت نیت محجوج عنہ یعنی آمر کی طرف سے حج ادا کرنے کی ہو۔

۵۔ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے بیٹا باپ کی طرف سے حج ادا کرے تو حج بدل

درست رہے گا۔

رہی یہ بات کہ جانے والے نے پہلے حج نہ کیا ہو، افضل تو یہی ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرایا جائے، جس نے پہلے حج کرلیا ہو اگر نہیں کیا ہو تو بھی حج درست رہے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

ومنها أن يكون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه...... ومنها استدامة العجز من وقت الإحجاج إلى وقت الموت......ومنها الأمر بالحج ...... ومنها نية المحجوج عنه عند الإحرام...... ومنها أن يكون حج المأمور بمال المحجوج عنه.(١)

ترجمہ:

حج میں نیابت جائز ہونے کے لیے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جائے، وہ بذات خود حج ادا کرنے سے عاجز ہو۔۔۔۔اور حج کرانے کے وقت سے لے کر موت تک وہ عجز قائم رہے۔۔۔۔اور ایک یہ کہ اس نے حج کرنے کا حکم کیا ہو۔۔۔۔اور یہ کہ احرام کے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے۔۔۔۔اور یہ کہ جس شخص کو حج کا حکم کیا گیا، وہ حج کرانے والے کے مال سے حج کرے۔

❁❁❁

جس نے اپنا حج نہیں کیا ہو، اس سے حج کروانا

سوال نمبر(267):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حج بدل کے لیے کس قسم کا آدمی بھیجنا چاہیے؟ پہلے سے حج ادا کرنے والے شخص یا کسی غریب شخص کو بھیجنے میں کون سا شخص افضل ہے؟ نیز اگر کوئی غریب شخص جس نے اپنا حج فرض نہ ہونے کی وجہ سے نہ کیا ہو۔اب وہ کسی دوسرے شخص کی طرف سے حج کرنے کے لیے جا رہا ہو تو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے اس غریب شخص پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، باب في الحج عن الغير:١/٢٥٧

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حج عباداتِ خداوندی میں سے ایک اہم عبادت ہے اور ہر صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ اس فریضہ کو خود ادا کرنا فرض اور ضروری ہے، تاہم اگر کسی عذر، بیماری یا کبرسنی کی بنا پر خود ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو شریعت اسے حج بدل کی اجازت دیتی ہے۔ حج بدل کرانے کے لیے کسی بھی شخص کو بھیجا جاسکتا ہے، البتہ افضل وبہتر یہ ہے کہ فرض حج کا بدل ایسے شخص سے کرایا جائے جو اپنا حج ادا کر چکا ہو۔ اگر کہیں وہ ایسا ہو کہ اس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو اور نہ اس پر حج فرض ہو، بلکہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرنے چلا گیا اور اس کی طرف سے حالتِ احرام میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو اس کے ذمہ اپنا حج فرض نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ ایسی حالت میں مکہ معظمہ پہنچا ہے کہ وہ اپنا حج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا یعنی اپنے اخراجات سے نہ تو وہ حج کے لیے جاسکتا ہے اور نہ ہی آسکتا ہے۔ یہ شخص "من استطاع إلیه سبیلاً" کے حکم میں نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

والأفضل للإنسان إذا أراد أن یحج رجلاًعن نفسه أن یحج رجلا قد حج عن نفسه، ومع هذا لوأحج رجلا لم یحج عن نفسه حجة الإسلام یجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر.(۱)

ترجمہ:

افضل یہ ہے کہ جب کوئی شخص یہ ارادہ کرے کہ کسی کو اپنی طرف سے حج کے لیے بھیجے تو ایسے شخص کو حج کے لیے بھیجے جو اپنا حج کر چکا ہو اور اس کے باوجود اگر اس نے کسی ایسے آدمی کو حج کے لیے بھیجا، جس نے اپنا فرض حج نہیں کیا تو ہمارے ہاں جائز ہے اور حج کرانے والے سے حج ساقط ہو جائے گا۔

❁❁❁

حجِ بدل کی صورت میں دمِ شکر کس پر واجب ہے؟

سوال نمبر(268):

اگر کوئی شخص خود حج ادا کرنے سے عاجز ہو اور کسی کو حج بدل ادا کرنے کے لیے بھیجے تو حج کے اخراجات کے ساتھ حج پر جانے والے شخص کے گھر کے اخراجات کس کے ذمے واجب ہوں گے؟ نیز اگر مامور نے حج قران یا حج تمتع

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب المناسك، باب في الحج عن الغیر:۱/۲۵۷

کی نیت کرلی تو دمِ شکر کس پر واجب ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

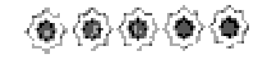
واضح رہے کہ اگر کوئی شخص خود حج ادا کرنے سے معذور ہو تو وہ اپنی جگہ دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک سفرِ حج پر مامور شخص کی آمد و رفت کا خرچہ آمر پر واجب ہے، تاہم مامور کے گھر کا خرچہ آمر پر لازم نہیں۔ جہاں تک حج تمتع یا قران میں دمِ شکر کی ادائیگی کا تعلق ہے تو فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً یہ خرچہ مامور پر لازم ہے۔ تاہم اگر آمر دمِ شکر کے اخراجات بھی بخوشی برداشت کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ بالخصوص جب کہ مامور کی اپنی وسعت نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(ودم القِران) والتمتع (والجنايةعلى الحاج) أي المأمور .أمّاالأوّل فلأنّه وجب شكرًاعلى الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه ،وان كان الحج يقع عن الأمر؛لأنه وقوع شرعي لاحقيقي .(١)

ترجمہ:

دمِ قران اور دمِ تمتع اور دمِ جنایت حاجی یعنی مامور پر ہوگا۔ پہلی صورت (قران اور تمتع) میں یہ دم دو عبادات کو جمع کرنے کے شکریہ کے طور پر واجب ہے، اور حقیقتاً فعل اس (مامور) ہی کا ہے، اگرچہ فریضۂ حج آمر کی طرف سے ادا ہوگا، کیوں کہ یہ ادائیگی شرعی ہے، حقیقی نہیں۔



(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان: ٣٢/٤

باب العمرة

(مباحث ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

دوسری عبادات کے برعکس حج کے ایام چونکہ محدود و متعین ہیں، اس لیے مخصوص ایام کے علاوہ بھی ان مقدس مقامات کی زیارت کے لیے شریعتِ مطہرہ نے ایک اور باعث اور محرک مشروع قرار دیا، جس کو عمرہ کہتے ہیں، تا کہ سال بھر مسلمانوں کی روحانی تربیت اور اجتماعیت کا سلسلہ برقرار رہے اور یہ عظیم مرکزِ اسلامی کسی بھی وقت اسلام کے نام لیواؤں اور جان نثاروں سے خالی نہ رہے، بلکہ "لبیك اللهم لبیك" اور تکبیر کی صداؤں اور زمزموں سے یہ روحانی فضا ہروقت معمور رہے، عمرہ کی حکمتیں زیادہ تر وہی ہیں جو حج کی ہیں، اسی وجہ سے اس کو حج اصغر بھی کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حجاج اور عمار (عمرہ ادا کرنے والوں) دونوں کو اللہ کا مہمان قرار دے کر ان کی دعاؤں اور استغفار کو عنداللہ مقبول قرار دیا۔

"الحجاج والعمار وفد الله، إن دعوه أجابهم، وإن استغفروه غفرلهم".(۱)

لغوی واصطلاحی معنی:

عمرہ کا لغوی معنی زیارت کرنا ہے، جب کہ اصطلاح میں۔

"هي زيارة البيت، والسعي بين الصفا والمروة على صفة مخصوصة، وهي أن تكون مع الإحرام".

"مخصوص طریقے پر احرام کے ساتھ بیت اللہ شریف کے طواف اور سعی بین الصفا والمروۃ کا نام عمرہ ہے"۔(۲)

عمرہ کا حکم:

حنفیہ کے مختار قول کے مطابق صاحب استطاعت شخص کے لیے تمام عمر میں ایک مرتبہ عمرہ ادا کرنا سنتِ مؤکدہ

---

(۱) سنن ابن ماجه، أبواب المناسك، باب فضل دعاء الحاج، ص:۲۱۳، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة: ۲۳۷/۱

ہے۔ حنفیہ میں سے قاضی خان اور علامہ کاسانیؒ جیسے اکابر اگرچہ اس کے وجوب کے قائل ہیں، تاہم راجح قول کے مطابق یہ سنتِ مؤکدہ ہے، واجب نہیں۔(۱)

عمرہ کے احکام:

عمرہ کے اکثر احکام وہی ہیں جو حج کے ہیں، مثلاً: استطاعت، شرائطِ وجوب، سنن، محرمات، مکروہات، مستحبات، احرام، محظوراتِ احرام، احصار وغیرہ جتنے بھی احکام ہیں، اکثریت میں دونوں باہم ایک جیسے ہیں، البتہ فقہائے کرام نے چند بنیادی احکام میں فرق کی بھی نشان دہی کی ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱)......حج فرض ہے، جب کہ عمرہ راجح قول کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے۔

(۲)......حج مخصوص ایام کے ساتھ خاص ہے، جب کہ عمرہ تمام سال ادا ہوسکتا ہے، البتہ یوم عرفہ، یومِ نحر اور ایامِ تشریق (پانچ دنوں) میں عمرہ ادا کرنا مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی شخص (مثلاً متمتع یا قارن) احرام سابق کی وجہ سے ادا کرلے تو بلاکراہت جائز ہے۔

(۳)......عمرہ میں طوافِ قدوم اور طوافِ صدر نہیں۔

(۴)......عمرہ میں وقوفِ عرفہ، وقوفِ مزدلفہ، رمی، جمع بین الصلاتین اور خطبہ وغیرہ نہیں ہوتا۔

(۵)......عمرہ میں کسی بھی جنایت پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب نہیں ہوتا، بلکہ شاۃ یعنی بکرا بکری کافی ہے، اسی طرح طوافِ عمرہ میں جنایت کے ارتکاب پر صدقہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

(۶) عمرہ فوت نہیں ہوتا، جب کہ حج فوت ہوسکتا ہے۔

(۷) مکی شخص کے لیے عمرہ کا میقات حل ہے، جب کہ حج کا میقات حرم ہے، پھر حل میں مقامِ تنعیم سے احرام باندھنا حنفیہ کے ہاں جعرّانہ سے بہتر ہے۔

(۸) عمرہ کا طواف شروع کرتے وقت تلبیہ چھوڑنا مسنون ہے، جب کہ افراد اور قران میں تلبیہ جمرۂ عقبہ کی رمی تک پڑھا جاتا ہے۔(۲)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة: ۱/۲۳۷، المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشاد الساري، باب العمرة، ص: ۵۰۸، بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان العمرة: ۳/۳۰۲

(۲) المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشاد الساري، باب العمرة، ص: ۵۰۸، ۵۰۹

عمرہ کا رکن اور شرط:

حنفیہ کے ہاں عمرہ کا صرف ایک ہی رکن ہے اور وہ ہے طواف کرنا، احرام (یعنی نیت اور تلبیہ) عمرہ کے لیے شرط ہے۔ پھر طواف کے ابتدائی چار چکر لگانا رکن ادا کرنے کے لیے کافی ہیں، بقیہ تین چکر لگانا واجب نہیں۔

عمرہ کے واجبات:

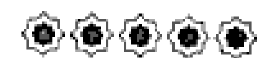
حنفیہ کے ہاں عمرہ میں صرف دو چیزیں واجب ہیں: صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور حلق یا قصر کرنا۔(۱)

عمرہ کی ادائیگی کے لیے افضل اوقات:

عمرہ کی ادائیگی کے لیے جائز وقت تمام سال ہی ہے، البتہ رمضان میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔ ایک حدیث شریف میں رمضان کے عمرے کو حج کے بقدر فضیلت والا قرار دیا گیا ہے اور ابوداؤد کی روایت میں رمضان میں عمرہ کو آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔(۲)

عمرہ کو فاسد کرنے والی جنایت:

تمام طواف یا اس کا اکثر حصہ (چار چکر) ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے فطری یا غیر فطری طور پر جماع کرنے سے عمرہ فاسد ہو جاتا ہے۔ عمرہ فاسد ہونے کے بعد اس کے بدلے میں ایک اور عمرہ بطور قضا ادا کرنا واجب ہے، جب کہ جنایت کے کفارے کے طور پر ایک دم ادا کرنا بھی واجب اور ضروری ہے۔(۳)



(۱) المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشاد الساري، باب العمرة، ص:۵۰۸، ۵۰۹، الفتاوى الهندية كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة: ۲۳۷/۱، غنية الناسك، باب العمرة وتسمى الحج الاصغر، ص:۱۹۶، ۱۹۷

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الحج، باب العمرة: ۲۸۸/۱ المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشاد الساري، باب العمرة، فصل في وقتها، ص: ۵۱۰_۵۱۲

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان العمرة: ۳۰۶/۳

باب العمرة

(عمرہ کے متعلق مسائل)

عمرہ اور ارکانِ عمرہ

سوال نمبر(269):

عمرہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے؟ اور اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہے تو اس کے لیے کن افعال وارکان کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ عمرہ میقات یا حل سے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف اور صفا ومروہ کی سعی کرنے کو کہا جاتا ہے۔عمرہ کو حج اصغر بھی کہتے ہیں اور عمرہ تمام عمر میں ایک مرتبہ بشرطِ استطاعت وقدرت سنت مؤکدہ ہے۔ مذہبِ حنفیہ میں عمرہ کے لیے صرف ایک رکن ہے، جو کہ طواف ہے اور ایک شرط ہے، جو کہ احرام ہے اور سعی بین الصفاوالمروہ اور حلق یا قصر عمرہ کے واجبات میں شامل ہیں تو عمرہ کرتے ہوئے ہر شخص کو ان چند امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

والدّليل على ذلك:

وهي في الشرع زيارة البيت والسعي بين الصفا والمروة على صفة مخصوصة، وهي أن تكون مع الإحرام .... وأما ركنها: فالطواف، وأما واجباتها: فالسعي بين الصفاوالمروة، والحلق أوالتقصير.......... وأما شرائطها: شرائط الحج إلا الوقت.(۱)

ترجمہ: اور شریعت میں عمرہ بیت اللہ شریف کی زیارت اور سعی بین الصفا والمروہ کو کہتے ہیں۔ایک مخصوص صفت کے ساتھ یعنی احرام کے ساتھ۔۔۔۔۔۔اور اس کا رکن طواف ہے اور اس کے واجبات سعی بین الصفاوالمروہ اور حلق یا قصر

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة: ۱/ ۲۳۷

تیں اور وقت کے علاوہ عمرہ کی شرائط حج کی شرائط جیسی ہیں۔

ایک دن میں کئی عمروں کا حکم

سوال نمبر(270):

حجاج کرام قیام مکہ معظمہ کے دوران اگر دن میں کئی عمرے ادا کرنا چاہیں تو کیا ایک ہی مرتبہ ان کے لیے حدودِ حرم سے باہر تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھنا ہوگا؟ یا ہر عمرے کے لیے علیحدہ علیحدہ احرام باندھا جائے گا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

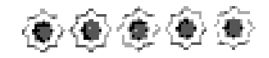
واضح رہے کہ قیام مکہ معظمہ کے دوران بار بار عمرے کی ادائیگی کے لیے ہر عمرے کا الگ الگ احرام باندھا جائے گا۔ احرام باندھ کر طواف وسعی کر کے احرام کھولنے کے لیے بال کٹوائے جائیں گے، لہٰذا جو بھی حرم شریف میں قیام پذیر ہو وہ ہر عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے لیے حدودِ حرم سے باہر جائے گا۔ ایک احرام کے ساتھ ایک سے زیادہ عمرے نہیں ہوسکتے۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

(و) المیقات (لمن بمکة) یعني من بداخل الحرم (للحج الحرم وللعمرة الحل). وقال ابن عابدین: قوله: (والتنعیم أفضل)......لأمره علیه الصلوة والسلام عبدالرحمن بأن یذهب بأخته عائشة إلی التنعیم لتحرم منه. (۱)

ترجمہ:

جو لوگ حرم کے اندر ہیں، ان کے لیے حج کے واسطے میقات حرم ہے اور عمرہ کے لیے میقات مقام حل ہے۔ اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ: ''(والتنعیم افضل) یعنی تنعیم افضل ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ: ''اپنی بہن عائشہؓ کو مقام تنعیم لے جاؤ، تا کہ وہ وہاں سے احرام باندھے''۔



(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الحج: ۴۸۴/۳، ۴۸۵

ادائیگی عمرہ کے بعد سعودی عرب میں رہ کر حج کا انتظار کرنا

سوال نمبر(271):

ایک آدمی عمرہ کے لیے حرم شریف جاتا ہے، وہاں چونکہ عمرہ کے بعد قانوناً ٹھہرنا ممنوع ہے، لیکن یہ شخص حج تک چھپ کر رہتا ہے اور حج کرنے کے بعد واپس آتا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح حج کرنا کیسا ہے؟ فضیلت میں تو کمی نہ ہوگی اور اس صورت میں حاجی کون سا حج ادا کرے تمتع یا قران؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عمرہ کے ویزہ پر جا کر حج کے لیے ٹھہرنا قانونی جرم ہے، چونکہ یہ ضابطے عوام کی سہولت کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے بحیثیت مسلمان ان ضابطوں کی پابندی ضروری ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں گناہ گار ہوگا، تاہم حج چونکہ مخصوص وقت میں مخصوص افعال کی ادائیگی کا نام ہے، اس لیے حج کا فریضہ ساقط ہوگا اور دوبارہ اس پر حج واجب نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

و إذا دخل الآفاقي مكة بغير إحرام، ولا يريدالحج، والعمرة، فعليه لدخول مكة إماحجة،أو عمرة.(۱)

ترجمہ:

جب آفاقی شخص (میقات سے باہر رہنے والا) مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل ہوا اور اس کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو تو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس پر حج یا عمرہ لازم ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الحج، باب في مجاوزة الميقات بغير الإحرام: ۲۵۳/۱

عمر رسیدہ عورت کا اجنبی مرد کے ساتھ عمرہ کے لیے جانا

سوال نمبر(272):

ایک عمر رسیدہ عورت جس کی عمر تقریباً ۶۰ سال ہے، وہ عمرہ کے لیے جانا چاہتی ہے، لیکن اس کے ساتھ کوئی محرم عمرہ کے سفر کے لیے تیار نہیں۔کیا یہ عورت کسی اجنبی کے ساتھ عمرہ کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے عورت کے لیے بغیر محرم کے شرعی مسافت طے کرنا جائز نہیں، چنانچہ اگر عورت کے ساتھ اپنے رشتہ داروں میں کوئی محرم یا خاوند موجود نہ ہو تو ایک نفلی عبادت کے لیے خلافِ شرع امر کا ارتکاب کرنا عقل مندی نہیں۔صورتِ مسئولہ میں عورت اگرچہ عمر رسیدہ ہو، لیکن بغیر محرم کے اس کے لیے عمرہ کا سفر کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحجّ به، أو زوج، ولا يجوز لها أن تحجّ بغيرهما إذا كان بينها وبين مكّة مسيرة ثلاثة أيام. قال ابن همام، قوله: (ويعتبر في المرأة) وإن كانت عجوزاً.(۱)

ترجمہ:

عورت کے حق میں محرم کا ہونا معتبر ہے جس کے ساتھ وہ حج کرے یا اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو جب عورت اور مکہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو تو ان دونوں کے علاوہ عورت کے لیے حج ادا کرنا جائز نہیں۔علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ:"اگرچہ بوڑھی ہو"۔

❁❁❁❁❁

(۱) فتح القدير، كتاب الحج: ۲/ ۳۳۰

مصادر و مراجع

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
۱	إرشاد السّاري إلى مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
۲	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹٤ھ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراجي
۳	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (۳۷۰ھ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٤	إسلامی تهذيب وتمدن اردوترجمه "التشبه في الإسلام"	قاری محمد طيب قاسمي (۱٤۰۳ھ)	إداره إسلاميات لاهور
٥	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (۱۳۹٤ھ)	دارالكتب العلمية بيروت
٦	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (۷٥۱ھ)	دارالفكر بيروت لبنان
۷	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (۹۱۱ھ)	سهيل اكيڈمی لاهور
۸	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد اللّٰه الموصلي (٦۸۳ھ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
۹	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
۱۰	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (۷۹۰ھ)	مكتبه رشيديه پشاور
۱۱	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (۹۷۰ھ)	ايچ ايم سعيد كراچي
۱۲	البحرالرائق	ابن نجيم (۹۷۰ھ)	دارالكتب العلمية بيروت

١٣	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (٧٧٤هـ)	دارالفكر بيروت
١٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
١٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
١٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (١٣٩٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
١٧	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
١٨	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦٠٦هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
١٩	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو پوره
٢٠	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦٧١هـ)	دارإحياء التراث العربي لبنان
٢١	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (٨٠٠هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
٢٢	الحيلة الناجزة	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	دارالإشاعت كراچى
٢٣	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (١٠٨٨هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٢٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
٢٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
٢٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (٨١٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
٢٧	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (٣٠٣هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الكبرىٰ للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۲۹	السّراجي في الميراث	محمدبن عبدالرشيد السجاوندىّ (٦٠٠هـ)	الميزان لاهور
۳۰	السّعاية	محمد عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
۳۱	الشمائل المحمدية للترمذي	محمد بن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الكشميري (١٣٥٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۳۳	العقائد الإسلامية	سيد سابق (١٤٢٠هـ)	دار الكتاب العربي
۳٤	العقيدة في الله	عمرسليمان الأشقر (١٤٣٣هـ)	مكتبة الفلاح الكويت
۳٥	العناية على هامش فتح القدير	أكمل الدين محمدبن محمد البابرتي (٧٨٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳٦	الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية	محمد بن شهاب الكردي (٨٢٧هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه، دارالكتب العلمية بيروت
۳۷	الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية	فخرالدين حسن بن منصور الأوزجندي (٥٩٢هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۳۸	الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية	محمدكامل بن مصطفى الطرابلسي (١٣١٥هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۹	الفتاوى الهندية (العالمگيرية)	شيخ نظام وجماعة من علماء الهند	مكتبه رشيديه كوئٹه
٤٠	الفتاوىٰ التاتارخانية	عالم بن العلاء الدهلوي (٧٨٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٤١	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعيد الصاغرجي	دارالكلم الطيب بيروت لبنان

٤٢	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (١٤٣٦هـ)	دارإحسان دمشق
٤٣	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي (١٤١٥هـ)	إداره إسلاميات لاهور كراچي
٤٤	الكفاية علىٰ هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي(٧٦٩هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
٤٥	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (٤٨٣هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٤٦	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (١٨٩هـ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
٤٧	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٤٨	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (٦١٦هـ)	المكتبة الغفارية كوئته
٤٩	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (٤٢٨هـ)	الميزان لاهور
٥٠	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (٧٢٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥١	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (٩٠٦هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٢	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٥٣	المسلك المتقسط في المنسك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٥٤	المصنف لابن أبي شيبة	الإمام أبوبكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (٢٣٥هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي، طيب إكادمي ملتان

٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكة المكرمة
٥٨	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرىٰ	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوىٰ	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	موسسة الرسالة بيروت دار الفرقان عمان
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئته
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	فاران اكيڈمی لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	دارإحياء التراث العربي، بيروت
٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور

٦٩	اللآلی المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (٩١١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠هـ)	نفيس اکیڈمی کراچی
٧١	كفاية الأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (٨٣٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (٩١١هـ)	سہیل اکیڈمی لاہور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (٨٨٥هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاویٰ	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (١٣٠٢هـ)	مکتبه إمدادیه ملتان
٧٦	اوزان شرعیه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	إدارة المعارف كراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩هـ)	كارخانه تجارت كتب كراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥هـ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥هـ)	مكتبة نزار مصطفىٰ الباز مكة المكرمة
٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦هـ)	دار اللوى للنشر و التوزيع الرياض

ت

٨٢	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (١٤٢٠هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان
٨٣	تبصرة الحكّام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكي (٧٩٩هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٤	تبيين الحقائق في شرح كنز الدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (٧٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان ....
٨٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥٧٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٦	تفسير المظهري	محمد ثناء الله پانی پتی (١٢٢٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه پاكستان
٨٧	تفسيرالقرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (٧٧٤هـ)	مكتبه إمداديه مكة المكرمة
٨٨	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (٩٨٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
٨٩	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرزكراچي
٩٠	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي(١٣٢٣هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٩١	تقليدكى شرعى حيثيت	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچى
٩٢	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (١١٣٨هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٩٣	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (١٣٠٦هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٩٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب (١٣٢٧هـ)	مكتبه رحمانية اقراء سنٹر غزنى سٹريٹ اردو بازار لاهور

٩٥	تكملة فتح الملهم	محمد تقي العثماني	مكتبه دارالعلوم كراچی
٩٦	تنوير الأبصار مع الدر المختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (١٠٠٤هـ)	مكتبه إمداديه ملتان

ج، ح، خ، د

٩٧	جامع البيان المعروف تفسير الطبري	أبو جعفر محمد بن جرير الطبري (٣١٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٩٨	جامع الترمذي	أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	الميزان، لاهور
٩٩	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (٩٥٣هـ)	ايچ- ايم سعيد كراچی
١٠٠	جواهر الفقه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
١٠١	حاشية الشلبي على تبيين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (١٠١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٠٢	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
١٠٣	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور
١٠٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (١٢٣١هـ)	المكتبة العربية كوئٹہ
١٠٥	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصر الإسلام محمد عمر رامفوري (١٢٩٥هـ)	مكتبة رشيديه كوئٹہ ....
١٠٦	حجة الله البالغة	شاه ولي الله أحمد الدهلوي (١١٧٦هـ)	المكتبة السلفية لاهور

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۱۰۷	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (١١٤٣هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
۱۰۸	خلاصة الفتاوى	طاهر بن أحمد البخاري (٥٤٢هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۱۰۹	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (١٢٥٤هـ) ر ء س ، ش	المكتبة العربية كوئٹه
۱۱۰	رحمة الأمة في اختلاف الآئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (٧٨٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۱۱۱	ردّالمحتار على الدّرالمختار	محمدأمين ابن عابدين (١٢٥٢هـ)	مكتبه امداديه ملتان
۱۱۲	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (١٢٧٠هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
۱۱۳	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (٩٤٢هـ)	دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
۱۱۴	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصرالدين الألباني (١٤٢٠هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
۱۱۵	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (٢٥٥هـ)	قديمى كتب خانه كراچى
۱۱۶	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمدبن شعيب الخراساني النسائي (٣٠٣هـ)	مكتبه رحمانيه اردو بازار لاهور
۱۱۷	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (٢٧٥هـ)	ايچ ايم سعيد كراچى
۱۱۸	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (٣٨٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

١١٩	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (٥١٠هـ)	المكتب الإسلامي بيروت، لبنان
١٢٠	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (٧٩٣هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
١٢١	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (٧٩٢هـ)	قديمى كتب خانه كراچي
١٢٢	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (١٣٣٨هـ)	المكتبة الحبيبية كوئٹه
١٢٣	شرح المجلة	خالد الأتاسي (١٣٢٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
١٢٤	شرح النقاية	علي بن محمد سلطان القاري (١٠١٤هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي
١٢٥	شرح الوقاية	عبيدالله بن مسعود (٧٤٧هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
١٢٦	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (٤٤٩هـ)	مكتبة الرشد الرياض
١٢٧	شرح عقود رسم المفتى لابن عابدين	محمد أمين الشهير بابن عابدين (١٢٤٣هـ)	مكتبة البشرى كراچي
١٢٨	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	مكتبه دارالفكر بيروت لبنان
١٢٩	شرح معاني الآثار	أحمد بن محمد الطحاوي (٣٢١هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچي
١٣٠	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص، ع، غ

١٣١	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (٣٥٤هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

نمبر	الكتاب	المؤلف	الناشر
۱۳۲	صحيح البخاري	محمدبن إسماعيل البخاري (۲۵۶هـ)	قديمي كتب خانه كراچي
۱۳۳	صحيح مسلم	مسلم بن الحجاج القشيري (۲۶۱هـ)	قديمي كتب خانه كراچي
۱۳٤	عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد	شاه ولي الله الدهلوي (۱۱۷۶هـ)	دار الفتح الشارقه
۱۳۵	علوم الحديث	عبيدالله أسعدي	مجلس نشريات إسلام كراچي
۱۳۶	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مكتبه دارالعلوم كراچي
۱۳۷	عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية	محمد عبد الحي اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۱۳۸	عمدة القاري شرح صحيح البخاري	العلامة بدرالدين العيني (۸۵۵هـ)	دار إحياء التّرا ث العربي بيروت لبنان
۱۳۹	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظيم آبادي (۱۳۲۹هـ)	دارالفكربيروت، لبنان
۱٤۰	غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (۱۰۹۸هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي
۱٤۱	غنية الناسك في بغية المناسك	محمد حسن شاه المهاجر المكي (۱۳٤۶هـ)	مكتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي
۱٤۲	غنيةالمستملي المعروف بالحلبي الكبيري	إبراهيم الحلبي (۹۵۶هـ)	مكتبه نعمانيه كوئٹه

ف

نمبر	الكتاب	المؤلف	الناشر
۱٤۳	فتاوىٰ ابن تيميه	تقي الدين ابن تيميه (۷۲۸هـ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمين الشريفين
۱٤٤	فتاوىٰ المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفكر بيروت لبنان

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٤٥	فتاوی خیریة على هامش تنقیح الفتاوی الحامدية	خیر الدین الرملی (١٨١٠هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان
١٤٦	فتاوی رشیدیہ	رشیداحمد گنگوهي(١٣٢٣هـ)	مؤتمرالمصنفین اکوڑہ خٹک
١٤٧	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	دارالفکر بیروت، لبنان
١٤٨	فتح الغفار شرح المنار	زین الدین بن إبراهیم ابن نجیم(٩٧٠هـ)	مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ
١٤٩	فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير	محمد بن علي بن محمد الشوكاني (١٢٥٠هـ)	دار الفكر بيروت لبنان
١٥٠	فتح القدیر	ابن الهمام كمال الدين محمدبن عبدالواحد (٨٦١هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور پاکستان
١٥١	فتح الملهم شرح صحيح مسلم	شبیراحمد العثماني(١٣٦٩هـ)	مکتبہ دارالعلوم کراچی
١٥٢	فقه السنة	السيد السابق (١٤٢٠هـ)	دار ابن كثير دمشق لبنان
١٥٣	فيض الباري على صحيح البخاري	محمد أنورشاه الكشميري (١٣٥٢هـ)	مکتبہ حقانیہ پشاور
١٥٤	فيض القدير شرح الجامع الصغير	محمد عبد الرؤوف المناوي (١٠٣١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت، لبنان

ق، ک

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٥٥	قاموس الفقه	سیف اللّٰہ رحمانی	زم زم پبلشرز کراچی
١٥٦	كتاب التعريفات	سيد شريف الجرجاني(٨١٦هـ)	دارالمنارللطباعة و النشر
١٥٧	كتاب الفقه على المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزيري (١٣٦٠هـ)	وحیدی کتب خانہ پشاور
١٥٨	كتاب الأموال	أبو عبيد قاسم بن سلام (٢٢٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (۱۰۵۱هـ)	دار الكتب العلميه بيروت
۱٦۰	كشف الأسرار	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
۱٦۱	كفايت المفتى	مفتى كفايت الله دهلوىؒ (۱۳۵۲هـ)	دارالاشاعت كراچى
۱٦۲	كنزالدّقائق	أبوالبركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى
۱٦۳	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (۹۷۵هـ)	اداره تاليفات اشرفيه ملتان پاكستان

ل،م

۱٦٤	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (۸۸۲هـ)	البابي الحلبي القاهرة
۱٦۵	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (۷۱۱هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱٦٦	ماهنامه العصرپشاور	مفتى غلام الرحمن	جامعه عثمانيه پشاور
۱٦۷	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	مير محمد كتب خانه كراچى
۱٦۸	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان داماداأفندي (۱۰۷۸هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱٦۹	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (۸۰۷هـ)	دار الكتب العلمية بيروت
۱۷۰	مجموعه قوانين اسلامى	ڈاكٹرتنزيل الرحمن	اداره تحقيقات اسلامى اسلام آباد

١٧١	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	سهيل اكيڈمي لاهور
١٧٢	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	إدارة القران كراچی
١٧٣	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	المكتبة الحقانية بشاور
١٧٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (٢٤١هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
١٧٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (٣١٦هـ)	دار المعرفة بيروت
١٧٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(٣٠٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٧٧	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (٧٣٧هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
١٧٨	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(٢١١هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراچی
١٧٩	معارف السنن	محمديوسف البنوري (١٣٩٧هـ)	ايچ۔ ايم ۔سعيد كراچي ....
١٨٠	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جي (١٤٣٥هـ)	دارالنفائس بيروت
١٨١	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (٨٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئته
١٨٢	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(٩٧٧هـ)	دارالذخائرللمطبوعات قم إيران
١٨٣	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥٠٢هـ)	دارالقلم دمشق

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٨٤	منحة الخالق على البحر الرائق	محمد أمين ابن عابدين (١٢٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
١٨٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد (١٤٣٢هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
١٨٦	موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي (٨٠٧هـ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
١٨٧	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (١٤٣٣هـ)	دار الوفاء منصورة
١٨٨	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (١٧٩هـ)	الميزان لاهور
١٨٩	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	ايج ايم سعيد كمپنى كراچي
١٩٠	نور الأنوار	ملا أحمد جيون (١١٣٠هـ)	مير محمد كتب خانه كراچي
١٩١	نيل الأوطار	محمد بن علي بن محمد الشوكاني (١٢٥٠هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان


العصر اکیڈمی پشاور
AL-ASR ACADEMY
JAMIA USMANIA PESHAWAR

